
 **URDU SOFT BOOKS**  
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS  
[WWW.URDUSOFTBOOKS.COM](http://WWW.URDUSOFTBOOKS.COM)

 **URDU SOFT BOOKS**  
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS  
[WWW.URDUSOFTBOOKS.COM](http://WWW.URDUSOFTBOOKS.COM)

 **URDU SOFT BOOKS**  
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS  
[WWW.URDUSOFTBOOKS.COM](http://WWW.URDUSOFTBOOKS.COM)

 **URDU SOFT BOOKS**  
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS  
[WWW.URDUSOFTBOOKS.COM](http://WWW.URDUSOFTBOOKS.COM)

 **URDU SOFT BOOKS**  
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS  
[WWW.URDUSOFTBOOKS.COM](http://WWW.URDUSOFTBOOKS.COM)

 **URDU SOFT BOOKS**  
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS  
[WWW.URDUSOFTBOOKS.COM](http://WWW.URDUSOFTBOOKS.COM)

**APRIL 2017**

 **URDU SOFT BOOKS**  
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

[WWW.URDUSOFTBOOKS.COM](http://WWW.URDUSOFTBOOKS.COM)





# مرحبا اسپنچول یونہ صحت کے اصول





# Join Us on Facebook

Get Notifications of Newly Uploaded Books



Follow below Image to Get Notifications of Newly Uploaded Books





# Join us on Google+

**Get Notifications About Newly  
Uploaded Books**

**Click Here to Join**





# Italiano®

Permanent Hair Colour Cream

*Colour Your  
Life*

*Esha Gupta*

- ✓ Gives strength to hair
- ✓ Soft and glossy hair
- ✓ Even coverage
- ✓ No greys



**Nourishment for Hair With Silk Protein, Vitamin E & Hair Conditioner**

\*Available in 10 Different Shades



# ماہنامہ حجابِ کراچی

اپریل 2017ء کے شمارے کی ایک جھلک

میرے خواب زندہ ہیں  
دل کے دریچے  
شب آرزو تیری چاہ میں  
نادیہ فاطمہ رضوی کا سلسلے وارناول  
صدف آصف کا سلسلے وارناول  
نائلہ طارق کا منفرد سلسلے وارناول

اس کے علاوہ

نادیہ احمد، ریحانہ آفتاب، سلمیٰ فہیم گل کی خوب صورت تحریریں

قارئین کے ذوق کے عین مطابق مستقل سلسلوں میں پڑھیے

طب نبویؐ، بزم سخن، کچن کارنر، آرائش حسن، عالم میں انتخاب  
شوختی تحریر، حسن خیال، ہومیوکارنر، شوبز کی دنیا، ٹوٹکے

□ چہ نہ ملنے کی صورت میں رجوع کریں! (021-35620771/2)



English

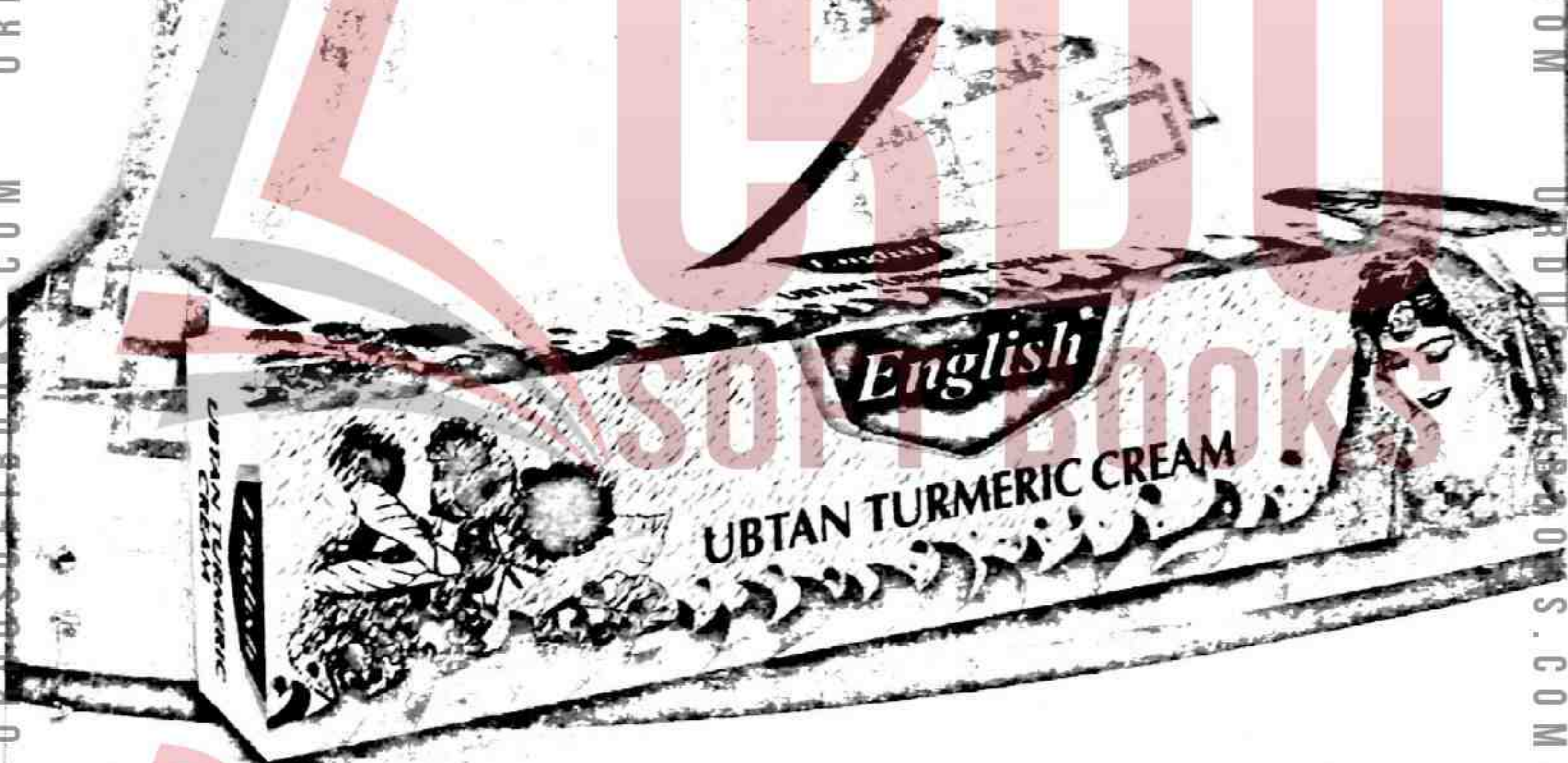
بٹن ٹرمیرک کریم

DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

حوبصورتی کی ابتداء

اُبٹن سے!



نرم کریم چہرے اور بدن کے لئے ایک منفرد کریم ہے جو قدرتی جڑی بوٹیوں، اُبٹن، صندل اور ہلدی سے تیار کی گئی ہے۔  
لوکیل، مہاسوں، چھائیوں اور داغ و جھبوں سے محفوظ رکھتی ہے۔ اس کے باقاعدہ استعمال سے جلد بے داغ، رنگت گوری اور  
سری ہو جاتی ہے۔ انگلیش اُبٹن ٹرمیرک کریم پورے بدن پر استعمال کرنے سے جلد ریشم کی طرح نرم و ملائم ہو جاتی ہے۔  
نوٹ: شوگر مہک اور تڑپناڑی کا احساس ہوتا ہے۔ بہترین نتائج کے لئے صبح اور رات کو سونے سے پہلے استعمال کریں۔

DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM



A Quality Product of

Sarwana & Sohzihm

f SnScares

@SnScares



60 سال کا  
سیمچھدار ماؤں کا پیملا انتخاب



# وگورین

چلڈرن سیرپ

بچوں کی ابھی صحت  
اور بہترین نشوونما کے لیے

ماں کا پیارا اور وگورین  
یقیناً بہترین



بغیر ہر قوت  
مدافعت



بہترین صحت



منظبوط ہڈیوں



بچوں کی ابھی صحت  
بہترین نشوونما کے لیے

info@bmapharma.com

facebook.com/bmapharma

UAN: (044) 111-262-123



English

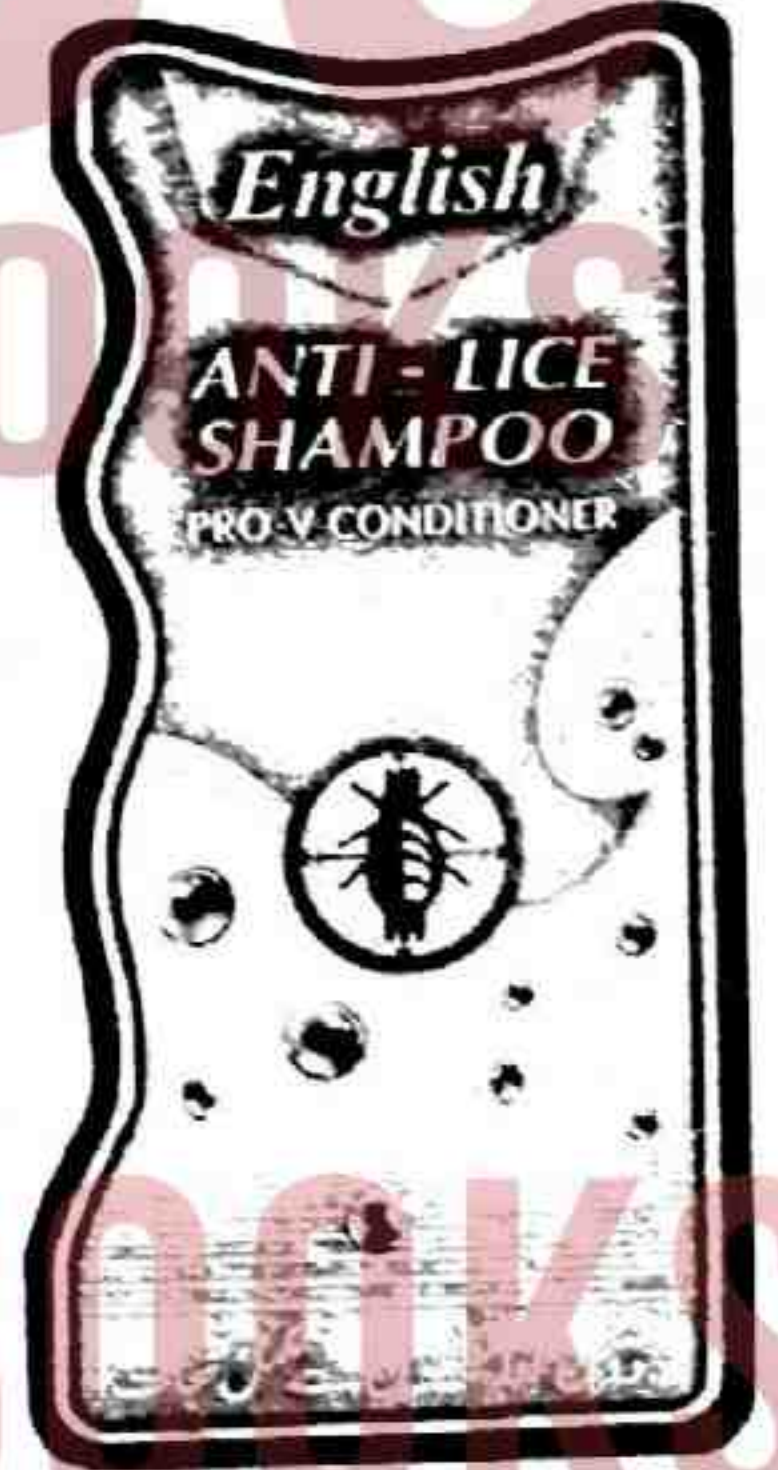
سر نہ کُھجائیں..  
Healthy ہو جائیں!

DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

URDUSOFTBOOKS.COM

URDUSOFTBOOKS.COM



HOLOGRAPHIC PRINT

اصل کی پہچان

5 منٹ میں جوڑوں اور لکھوں سے مکمل نجات

DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS



A Quality Product of  
Sarwana & Sohzihm

facebook.com/snscares

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM



# MEDICAM

## DENTAL CREAM

Dentist's 1<sup>st</sup> Recommendation

# 1

## 10 PROBLEMS SOLUTION



TGP (Teeth Gum Protection) Advanced Formula with Fluoride

# MEDICAM

DENTAL CREAM

A REAL DENTAL CREAM FOR TEETH & GUMS PROTECTION.



f /salammedicam  
www.medicamgroup.com



BAKE  
PARLOR

DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM



## لائس کھاتے جاؤ۔۔۔ ٹوائز پاتے جاؤ۔

LITES لایا آپ کے لئے ڈیروں انعامات۔۔۔ اپنے قریبی دکاندار سے LITES اسٹوری بک حاصل کریں

اور LITES کے بکٹ میں موجود 12 پیکرز کا کر اسٹوری بک مکمل کریں اور جیتیں زبردست فوری انعامات۔

1 اسٹوری بک مکمل کرنے پر، فوری انعام ----- 1 ہڈ Lites بٹل باکس

2 اسٹوری بک مکمل کرنے پر، فوری انعام ----- 1 ہڈ Lites کرکٹ بیٹ

3 اسٹوری بک مکمل کرنے پر، فوری انعام ----- 1 ہڈ Lites 2 in 1 دائرہ بیل + ٹیج باکس

5 اسٹوری بک مکمل کرنے پر، فوری انعام ----- 1 ہڈ Lites اسکول بک



DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM



زیب النساء  
مشاق احمد قریشی

بانی سہ ماہی  
سہ ماہی

قصص اکبر

سہ ماہی

سعیدہ شاد

نائب سہ ماہی

طاہرہ احمد قریشی

سہ ماہی

جمہوریت

سہ ماہی

روشنی احمد

39	جلد
01	شمارہ
2017	اپریل

اشتہارات اور دیگر معلومات  
0300-8264242

# آئینہ

رکن آل پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی  
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹر  
رکن چیف آف کانسٹریکشن

[aanchalpk.com](http://aanchalpk.com)

[aanchalnovel.com](http://aanchalnovel.com)

[www.aanchalpk.com/blog](http://www.aanchalpk.com/blog)

[onlinemagazinepk.com/recipes](http://onlinemagazinepk.com/recipes)

 /Naeyufaq Aanchal &  
Hijab official group

 /women.magazine

DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM



# سازگار ہندو

## ابتدائیہ

- 14 مدیر سرگوشیاں  
15 عشرت گودھروی حمد  
15 صائم چشتی نعت  
16 مدیر در جواب آل

## دانش کدہ

- 20 مشتاق احمد قریشی السلام علیکم

## ہمارا آنجل

- 24 ملیحہ احمد کرم ملک / عائشہ حسین  
اسماء نور / رانی اسلام

## میری سالگرہ ہے

- 27 سعیدہ ثار سرورے سالگرہ نمبر

## زندگی کے رنگ

- 33 ایڈمنز پینل فیس بک سرورے

## سلسلہ وارد ناول

- 119 اقرا صغیر احمد تیری زلف کے سر ہونے تک  
147 نازیہ نازی شب بھر کی پہلی بارش

## مکمل ناول

- 41 چراغ خانہ رفعت سراج  
169 ذرا مسکرا میرے گمشدہ فاخرہ گل  
63 بادل دل اور آنکھیں یاسمین نشاط  
201 رزم یاراں مصباح علی سید

## ناولٹ

- 223 سیدہ غزل زیدی حریم عشق

## افسانے

- 57 طلعت نظامی میری رات کا چراغ  
139 رفاقت جاوید مہک  
163 راحت وفا ضرورت  
197 تمثیل زاہد مسیحا

پبلشر: مشتاق احمد فستریٹی پرنشر: جمیل حسن ابن حسن پرنٹنگ پریس

ہاکی اسٹڈیم کراچی فستری کا پتہ: 7 مندرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400



Watch Us On  
**You Tube**

چہرے کے فالتو بالوں کا

بہت ہی آسان علاج



Health Care Club



چہرے کی جھڑیوں کا

بہت ہی آسان علاج



Health Care Club







# سرورق: ماریہ رضوی ..... آرائش: روز بیوٹی پارلر ..... عکاسی: موسیٰ رضا

## مستقل سلسلے

269	جویریہ سالک	247	طلعت نظامی	ہومیوکارنر
273	شہلا عامر	249	میمونہ رومان	بیاض دل
282	شائلہ کاشف	251	طلعت آغاز	ڈش مقابلہ
285	ہومیوڈاکٹر ہاشم مرزا	255	روبین احمد	بیوٹی گائیڈ
289	حنا احمد	257	ایمان وقار	نیرنگ خیال
000	قائیں	263	ہما احمد	دوست کا بیخ آئے
				کترنیں
				آپ کی صحت
				ہم سے پوچھیے
				آئینہ
				یادگار لمحے

خط و کتابت کا پتہ: ”آنچل“ پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200، فون: 021-35620771/2  
 فیکس: 021-35620773 کیے از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز۔ ای میل: info@aanchal.com.pk





رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ ”جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ رب العزت اس پر دس نعمتیں نازل فرماتے ہیں۔“  
(صحیح مسلم..... 621)

## سرگوشیاں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اپریل ۲۰۱۷ء کا آنچل بطور سال گرہ نمبر حاضر مطالعہ ہے۔

میں تہہ دل سے اپنی تمام قاری اور لکھاری بہنوں کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے اپنی دلی مبارکباد اور ڈھیروں دعاؤں سے نوازا اور خصوصاً اپنی لکھاری بہنوں کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتی ہوں جن کی لگن کوشش اور تعاون سے ہم قدم بقدم بڑھتے ہوئے آج اس مقام تک پہنچ سکے ہیں ان تمام بہنوں کا بھی شکریہ جنہوں نے آنچل کے سال گرہ نمبر کو جانے سنوارنے میں اپنی خوبصورت اور دلنشین تحریروں کے ذریعے سال گرہ نمبر میں بھرپور تعاون کیا ان تمام بہنوں سے معذرت جن کی تحریریں اس سال گرہ نمبر کی زینت نہیں بن سکیں۔ میری اور میری ساتھیوں کی کوشش تو ہمیشہ یہی رہتی ہے کہ تمام خوبصورت تحریریں شائع کر دی جائیں لیکن صفحات محدود ہوتے ہیں ان میں مدد دے ہوئے ہم زیادہ سے زیادہ افسانے ناول اور اقسلا کوشاں کر سکتے ہیں ان کے علاوہ مستقل سلسلوں کے صفحات ہیں جو انتہائی پسندیدہ ہیں ان میں بھی کمی نہیں کی جاسکتی۔ بہنوں کا اصرار یہی ہے کہ ان میں مزید اضافہ کیا جائے لیکن ایسا فی الحال ممکن نہیں۔ میری کوشش تو یہی ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ بہنوں کی تحریریں شامل اشاعت کی جائیں اس کے باوجود بھی بہت سی بہنوں کو شکایات دہ جاتی ہیں ان کی شکایت کے ازالے کے لیے ہی ادارے نے اپنے دوسرے ماہنامہ حجاب کا اجرا کیا ہے لیکن بہنوں کی تحریروں کا اس قدر دباؤ ہے کہ تمام موصول ہونے والی قابل اشاعت تحریروں کو شامل کرنا ممکن نہیں ہو پاتا ہے اگر بہنیں انتظار کریں تو یقیناً ان کی تحریر اپنا نمبر آنے پر ضرور شامل اشاعت کر دی جاتی ہے لیکن ہماری بہنوں سے انتظار برداشت نہیں ہوتا یہ چاہتی ہیں کہ ادھر ان کی تحریر ملے اور ادھر فوراً ہی اشاعت پذیر ہو جائے لیکن ایسا اس لیے ممکن نہیں ہوتا کیونکہ ان سے پہلے آنے والی تحریروں جو انتظار کی قطار میں بے صبری سے اپنی باری کا انتظار کر رہی ہوتی ہیں ان کو پہلے شامل اشاعت کیا جائے گا اس باراتنی تفصیل سے تشریح کی اس لیے ضرورت پیش آ رہی ہے کہ کچھ نئی دیر لانے لکھنے والی بہنوں نے اپنی شدید ناراضگی کا اظہار کیا ہے ان کے خیال میں ادارہ میں اپنے رشتہ داروں جاننے والوں یا سفارشی تحریروں کی شائع کرتے ہیں لیکن ایسا ہرگز نہیں آپ سب پڑھنے اور لکھنے والی بہنیں میری عزیزی رشتہ دار ہی تو ہیں ایسا ہرگز نہیں کہ کسی خاص فرد کو فوقیت اس لیے دی جاتی ہے کہ ان سے میرا میرے ادارے کے کسی فرد کا کوئی خاص تعلق ہوتا ہے آپ کی تحریر ہی سے ہمارا اور ہمارے قارئین کا رشتہ جڑا ہوتا ہے یہی سچ حق ہے۔ بے صبری تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو بھی پسند نہیں آئیں اب چلتے ہیں اس ماہ کے آنچل کی جانب آنچل کی سال گرہ آپ سب کو مبارک ہو۔

﴿اس ماہ کے ستارے﴾

طلعت نظامی اپنے مختصر موثر افسانے کے سنگ ہدایت کی روشنی لیے حاضر ہیں۔

باسمیں نشاط اپنے لفریب انداز میں مکمل ناول کے سنگ جلوہ گر ہیں۔

نکی اور اچھائی کی مہک دور تک اپنا اثر قائم کرتی ہے عداقت جلوہ کی منفرد کاوش۔

مجبوری اور ضرورت انسان سے بہت کچھ کرواتا ہے جاپے راحت و قاف کے انداز میں۔

اپنے دکھ میں ہر کوئی کسی مسیحا کا متلاشی نظر آتا ہے ایسی ہی احوال پیش کرتا تمثیلی زاہد کا خوبصورت افسانہ۔

محبت و چاہت کی انوکھی داستان مصباح علی سید کے ہلکے پھلکے لکھنے والے انداز میں۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

☆ میری مات کا چراغ

☆ بادل نول اور آنکھیں

☆ مہک

☆ ضرورت

☆ مسیحا

☆ رزمیاریاں

دعا گو

قصر آرا



# حکیم زاد نعتیں

میں مدت سے اس آس پر جی رہی ہوں  
خدا کب بلا لے مجھے اپنے در پہ  
کبھی تو نے گا دعائیں وہ میری  
میں مدت سے اس آس پر جی رہی ہوں  
مرے سامنے ہو وہ کعبے کی چوٹ  
وہ رکن یمانی وہ میزابِ رحمت  
میں صحنِ حرم میں کروں جا کے سجدے  
میں مدت سے اس آس پر جی رہی ہوں  
خدا نے اتارا جسے آسمان سے  
کیا نصب جس کو ہے پیغمبروں نے  
اسی سبکِ اسود کا لے لوں میں بوسہ  
میں مدت سے اس آس پر جی رہی ہوں  
وہ شہرِ حرم وہ مدینے کی گلیاں  
وہ عرفات کا دن منیٰ کی وہ راتیں  
میسر کبھی ہوں مجھے سارے جلوے  
میں مدت سے اس آس پر جی رہی ہوں  
نہیں ہے بھروسہ کوئی زندگی کا  
اسی کو خبر ہے وہ سب جانتا ہے  
بلا لے گا وہ مجھ کو مرنے سے پہلے  
میں مدت سے اس آس پر جی رہی ہوں

عشرت گودھروٹی

یا محمد ﷺ میں کہتا رہا نور کے موتیوں کی لڑی بن گئی  
آیتوں سے ملاتا رہا آیتیں پھر جو دیکھا تو نعتِ نبی بن گئی  
کلن ہے حطابِ حنت نہیں یہ بھی تسلیمِ حنت ہے بلغِ حسیں  
حسنِ جنت کو جب بھی سمیٹا گیا مصطفیٰ کے نگر کی گلی بن گئی  
جب کیا تذکرہ حسنِ سرکار کا والضحیٰ پڑھ لیا والقر کہہ دیا  
آیتوں کی تلاوت بھی ہوتی رہی نعت بھی بن گئی بات بھی بن گئی  
جب بھی آنسو گرے میرے محبوب کی سب کے سب ابرِ رحمت کے چھینٹے بنے  
ہو گئی رات جب زلف لہرا گئی جب تبسم کیا چاندنی بن گئی  
سب سے صائم زمانے میں کزود تھا سب سے بے کس تھا بے بس تھا مجبور تھا  
میری حالت پہ ان کو رحم آ گیا میری عظمت مری بے بسی بن گئی

جنابِ صائمِ چشتی







بھی جائے۔ ہماری مصروفیات کا بھی وہی عالم ہے کہ شب و روز کہاں گزرتے ہیں کچھ پتا ہی نہیں چلتا بس یہی عالم ہے ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی کچھ ہماری خبر نہیں آتی

**اقراء وکیل..... نامعلوم**

ڈیر اقرار! سدا مسکراؤ آپ گزشتہ پانچ سال سے آنچل کی قاری ہیں جان کر خوشی ہوئی بہر حال مصروفیات کی بناء پر اگر چند ماہ شرکت نہیں کر سکیں تو کوئی بات نہیں۔ آپ مستقل سلسلوں کے ذریعے ہر ماہ شریک محفل ہو سکتی ہیں۔ امید ہے اب یہ رابطہ استوار رہے گا۔ آپ بی اے کے امتحانات دے رہی ہیں ایسے میں ہماری دعا میں آپ کے ہمراہ ہیں۔ اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ سب بہنوں کو دین و دنیا کے امتحانات میں سرخروئی و کامیابی عطا فرمائے آمین۔

### مدیحہ نورین مہک..... گجرات

عزیزی مدیحہ! سدا آباد رہو! نو قد سید کی رحلت بے شک ایک بڑا سانحہ نقصان ہے اور بڑھنے والے ہمیشہ ان کی کمی محسوس کرتے رہیں گے۔ آنچل کی سالگرہ کی آپ کو بھی ڈھیروں مبارکباد۔

### ہاجرہ حیدر..... چکوال

ڈیر ہاجرہ! مسکرائی رہو آپ کا مفصل خط موصول ہوا پڑھ کر آپ کے تمام جذبات و احساسات کا بخوبی اندازہ ہوا۔ آپ کی کہانی جلد یا بدیر لگ ہی جائے گی دیگر کہانیاں پڑھنے کے بعد جلد اپنی رائے سے آگاہ کریں گے اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو بہت سی خوشیاں عطا فرمائے آمین۔

### ملالہ اسلم..... خانیوال

عزیزی ملالہ! ہنستی و مسکرائی رہو آپ کے تمام گلے شکوے سر آنکھوں پر اب جواب شکوہ بھی سماعت فرما لیجیے۔ بے شک بہن کی شادی کے بعد آپ گھریلو ذمہ داریوں میں مصروف رہیں اور ان مصروف گھریلوں میں بھی آنچل کے لیے وقت نکالا اچھا لگا اب اگر اشاعت کی بات پر ناراضگی ہے تو وجہ یہی ہے کہ بعض اوقات ڈاک تاخیر سے موصول ہونے کے سبب آئندہ ماہ کے لیے رکھ لی جاتی ہے اور ایسے دیر سویر میں بھول چوک بھی ہو جاتی ہے بہر حال آپ کے والد کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ سبحان و تعالیٰ انہیں صحت کاملہ عطا فرمائے آمین اور آپ کی نگارشات جلد شائع کرنے کی کوشش کریں گے امید ہے خفگی و گلہ دور ہو جائے گا۔

### اقصی..... بھاولنگر

ڈیر اقصی! سدا آباد رہو پہلی بار بزم آنچل میں شرکت پر خوش آمدید۔ نازیہ کنول نازی اور گلہت عبداللہ کی کہانیاں پسند کرنے کا شکریہ بے شک ان دونوں رائٹرز کی تحریروں میں زندگی کی صداقت پنہاں ہوتی ہے۔ ابھی آپ مختصر افسانے پر طبع آزمائی کریں اگر معیاری ہوا تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ آنچل کی پسندیدگی کا شکریہ آپ دیگر مستقل سلسلوں میں ہر ماہ شرکت کر سکتی ہیں۔

### صائمہ مشتاق..... سرگودھا

ڈیر صائمہ! جیتی رہو آپ نے اپنی کہانی کا جو مرکزی خیال پیش کیا ہے وہ تو بہتر ہے لیکن اب اس موضوع کے ساتھ آپ انصاف کر پائیں گی یا نہیں یہ کہنا قبل از وقت ہوگا آپ دیگر رائٹرز کی تحریروں کا بغور مطالعہ کریں ان کے انداز و اسلوب کو سامنے رکھ کر پھر اپنے موضوع پر قلم اٹھائیں اس کام میں اگر چتا خیر تو ہو سکتی ہے لیکن امید ہے کہ آپ کی لکھنے کی صلاحیت بہتر ہوگی۔ اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کی تمام مشکلات کو آسانیوں میں بدل دے آمین۔

### ابریزہ گوہر..... تونسہ شریف

ڈیر ابریزہ! جگ جگ جیو بزم آنچل میں پہلی بار شرکت پر خوش آمدید۔ بے شک آپ کا کہنا بجا ہے کہ آنچل و حجاب کی اشاعت کا اصل مقصد اصلاح اور رہنمائی ہی ہے۔ کہانی کے پیرائے میں ہلکے پھلکے انداز میں چھپی ایسی نصیحت جو قبول کرنے والے پر گراں بھی نہیں گزرتی اور بات سیدھی دل میں اتر جاتی ہے۔ ہم اور ہماری لکھاری بہنیں اسی مقصد کے حصول کے لیے کوشاں ہیں۔ آپ جیسی بہنوں کی یہ سوچ اور تعریفی کلمات ہمارے لیے قابل فخر اور باعث رشک ہیں آنچل کی پسندیدگی پر مشکور ہیں دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

### انعم زہرہ..... ملتان

ڈیر انعم! سدا سہاگن رہو آنچل کی سالگرہ کے حوالے سے آپ نے جو نظم لکھی ہے اگر معیاری ہوئی تو ضرور اپنی جگہ بنالے گی۔ تحریر میں مزید بہتری کی گنجائش ہے اسی لیے فی الحال رد کردی گئی۔ زندگی کے بے شک بہت سے روپ ہیں جو انسان پر مختلف ادوار میں برت و برت کھلتے چلے جاتے ہیں اس وقت آپ کے سامنے زندگی کس روپ میں ہے ہم ہرگز نہیں جانتے بہر حال آپ کے لیے اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کی تمام مشکلات دور فرمائے اور آپ کا دامن خوشیوں سے بھر دے آمین۔ ہمارے چند کلمات اگر آپ کے لیے باعث تسلی ہیں تو آپ کا کہنا یہ ایک



جملہ ہمارے لیے باعثِ فخر ہے خوش رہیں۔

### حمیرا قریشی..... حیدر آباد، سندھ

پیاری حمیرا! سدا آباد ہو آپ کی پریشانی بجا ہے کہ چاہتے ہوئے بھی قلم نہ اٹھانا لیکن بعض اوقات انسان ذہنی طور پر اس قدر الجھاؤ کا شکار ہوتا ہے کہ ایسی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے جیسے بھی بہت سے لوگ صرف اس لیے لکھتے ہیں تاکہ اپنے جذبات و احساسات کو لفظوں کا روپ دے کر اپنا کتھار سس کر سکیں۔ معاشرتی و معاشی تلخیوں کو اپنے انداز و اسلوب میں سب کے سامنے لاسکیں بہر حال اس قدر پریشان مت ہوں اگر ابھی طبیعت لکھنے پر مائل نہیں تو بہتر ہے کہ مطالعہ وسیع کر لیں۔ زیادہ سے زیادہ پڑھنے پر راغب ہوں گی تو خود بخود لکھنے کی طرف بھی رجحان مائل ہوگا آپ کی تحریر اس بار آٹھ نجل میں تو نہیں لگ سکی کیونکہ سال گرہ نمبر کے حوالے سے خصوصی تحریر شامل ہیں ہاں ابیہ حجاب میں شامل ہو سکتی ہے اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کی تمام مشکلات آسان فرمائے آمین۔

### شہر بانو..... اعلم پور، ملتان

ڈیر شہر بانو! شاد ہو آٹھ نجل میں پہلی بار شرکت پر خوش مدید۔ آپ اتنے سال سے آٹھ نجل کی قاری ہیں اور آج طویل عرصے بعد آپ نے اس محفل میں شرکت کی بے حد خوشی ہوئی آپ کو خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں نگارشات جلد یا بدیر لگ ہی جاتی ہیں دیر سویر کو نظر انداز کر دیا کریں آٹھ نجل سے آپ نے بہت کچھ سیکھا اور اسے اپنی زندگی میں بھی اپنایا خوشی کی بات ہے امید ہے اب ہمت کر کے سندھ بھی شریک محفل ہوتی رہیں گی۔

### دشک حبیبہ..... کواچی

پیاری رضوان! سدا سہاگن رہو یہ بات جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپ بھی اپنے ہمسفر کے سنگ زندگی کی نئی راہ پر گامزن ہو چکی ہیں اور پیادیں سدھار گئی ہیں۔ ان خوشیوں بھرے لمحات میں ہماری بہت سی دعائیں آپ کے لیے مختص ہیں۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو اس نئی زندگی میں بہت سی بہاریں دیکھنا نصیب فرمائے جہاں کبھی کسی خزاں کا گزرنہ ہو آمین۔ اگر چاہیں تو شادی کا احوال ارسال کر دیجیے گا تاکہ قارئین بھی ان خوشیوں کے لمحات سے مستر تیں کشید کر سکیں۔

### ندا بتول..... ستیانہ بنگلہ

عزیزی ندا! سدا جیتی رہو آپ سے نصف ملاقات بے حد اچھی لگی اور جہاں تک نگارشات کی اشاعت کی بات ہے تو دوست کا

پیغام شامل اشاعت ہے۔ امید ہے آپ کو یقین اور خوشی کے پل میسر آ ہی جائیں گے۔ دیر سویر تو ضرور ہو جاتی ہے لیکن کوشش یہی ہوتی ہے کہ آپ کو گلہ شکوہ کرنے سے باز رکھا جائے اور ایسا کوئی موقع ہرگز نہ آئے امید ہے اب شرکت کرتی رہیں گی۔

### صائمہ سکندر سومرو..... حیدر آباد

ڈیر صائمہ! سدا سہاگن رہو اپنے شب و روز کے معروف لمحوں میں سے ہمارے لیے وقت نکالا اور سال گرہ کی مبارک باد پیش کی بے حد مشکور ہیں۔ بے شک چھوٹے بچے کی ذمہ داریوں میں سے وقت نکالنا مشکل لگتا ہے لیکن یہ جستجو شوق اور لگن بہت کچھ کروا لیتے ہیں اپنی بچی کے مستقبل کو لے کر آپ کے ارادے بہت نیک اور مضبوط ہیں دعا ہے کہ اللہ سبحان و تعالیٰ سب کے بچوں کو ہدایت عطا فرمائے اور انہیں قرآن و سنت پر عمل کرنے کی توفیق بخشے آمین۔ آپ کی دوست لاڈل ملک کو نکاح کی ڈھیروں مبارک باد تجاویز نوٹ کر لی ہیں جلد پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔

### اقراء مزمل آصفہ دائود..... ظاہر پور

ڈیر اقراء! خوش رہو آپ کا خط پڑھ کر تمام شکوے و مشکلات کا اندازہ ہو گیا ہے بے شک آپ کا گلہ بجا ہے ہمیں ہر ماہ کثیر تعداد میں ڈاک موصول ہوتی ہے کوشش تو یہی ہوتی ہے کہ آپ سب بہنوں کو شامل کر لیا جائے لیکن مخصوص صفحات اور آپ بہنوں کی کثیر تعداد کی بناء پر سب کو شریک کرنا دشوار ہوتا ہے اسی لیے عموماً ایسے شکوے و مشکلات پیدا ہو جاتے ہیں ویسے کوشش کریں گے کہ آپ کا گلہ دور ہو جائے اور آپ کی نگارشات جلد شائع ہو جائیں امید ہے خفگی دور ہو جائے گی آپ کی سال گرہ کی نظم شامل کرنے کی کوشش کریں گے۔

### اقراء حفیظ..... کھلا بٹ ٹائون شبھری پور

ڈیر اقراء! شاد ہوا آپ کی ارسال کردہ تحریر ”جذبہ“ پڑھ ڈھلی آپ نے اپنے جذبات و احساسات کا لفظوں کے ذریعے خوب اظہار کیا ہے اور ہیر و رن کے شوق کو بھی خوب اچھے طریقے سے ادا کیا ہے۔ کہانی کے اینڈ سے جو اصل بات سامنے آئی ہے بے شک وہی اس کہانی کی اصل تقسیم ہے اور اسی کی بدولت ہم اندازہ تحریر کی کمزوری پر کپور دماز کرتے ہوئے اسے قبولیت کا درجہ دے چکے ہیں۔ ابھی اس میدان میں آپ طفل مکتب ہیں لہذا بہت سی جگہوں پر اصلاح کی گنجائش ہے فی الحال یہ تحریر کانٹ چھانٹ اور اصلاح کے عمل سے گزرنے کے بعد لگ جائے گی یہ کامیابی مبارک ہو۔

### نیلیم شہزادی..... کوٹ مومن

ڈیر نیلیم! خوش آمدید! سلطنت آٹھ نجل میں اس پیاری سی شہزادی



تو کیسے گل صنوبر ہا کر دار ہیں ہم ماہِ کمیل آ جاؤ لوٹ کر تم میری  
خاموشی میرا فسون میری توبہ میرے اللہ چاہتوں کے بھرم شاندار  
جوڑی بدلے کی آگ ملے ہو تم مکن چاہتوں کا تیرے سنگ جینا  
ہے صلتاں کی مٹا اور میری خطا میں سفر اور منزل میرا خواب جو پورا  
نہ ہو سکا مٹا کا آئینہ میرے محرم کی صورت میں محفل بڑا آدمی  
لاوارث ہالہ نور کیا کھویا کیا پایا تیری راہ پر گلہ نہیں کسی سے کاغذی  
ہیر و قصہ ایک رات کا جدلی خدا کی رضا رنگ زندگی کے حرف  
اضافی محبت و فالور یقین عذاب لحوں کی راحتیں اور حوری خوشی حلائی  
محبت جنت میں طوفان بھیڑ -

### قابل اشاعت:-

افلاطون کے جانشین محبت کہیں جسے فیصلہ سنہرا دور جذبہ  
زندگی کا اصل مقصد کیا ہے ہیں یہ فیصلے قدرت کے کئی قربانی میرا  
عشق بھی تو بس کی ہارش شکریا چل آہٹ دسترس مجبتیں تو اور بھی  
ہیں بلا عنوان دسترس آہٹ -



### مصنفین سے گزارش

- ☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لگائیں صفحہ کی
- ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں
- اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔
- ☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل
- کرنا لازمی ہے۔
- ☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر
- ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔
- ☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے
- نا قابل اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کر دیا ہے۔
- ☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔
- ☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط
- تحریر کریں۔
- ☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے
- ارسال کیجئے۔ 7، فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

کی آمد بے حد اچھی لگی۔ ”سنہرا دور“ بے شک آپ نے ایک اچھے  
موضوع پر ہلکے پھلکے انداز میں قلم اٹھایا ہے جسے پڑھ کر بہت سے  
لوگ اپنے سنہرے دور میں پہنچ جائیں گے۔ آپ کی یہ تحریر جلد  
شمال کرنے کی کوشش کریں گے ہاری آنے کے انتظار میں مت  
رہیں اپنے لکھنے کے سلسلے کو مزید آگے بڑھائیں جب ہم تک پہنچ  
جائے گی تو ایک نہ ایک دن شائع بھی ضرور ہو جائے گی۔ کیا خیال  
ہے آپ کا ”پیوستہ رنجہ“ سے امید بہار رکھ ٹھیک کہا ناں؟

### اقراء لیاقت..... حافظ آباد

عزیزی اقراء! جگ جگ جیو آپ کی تحریر افلاطون کے  
جانشین پڑھ ڈالی ہلکے پھلکے موضوع پر لکھی یہ تحریر گفتگو اور دلچسپی کا  
سبب بنی۔ آپ نے کچھ مخصوص لوگوں کی نشاندہی کی ہے اگرچہ  
انداز میں مزید بہتری کی گنجائش ہے لیکن یہ بھی قبول ہے مزید محنت  
و کوشش جاری رکھیں۔

### رابعہ بھٹی..... ستیانہ، فیصل آباد

ڈیر رابعہ! سدا خوش رہو آپ کی تحریر ”شاندار جوڑی“ پڑھ لی  
محبت کے موضوع پر لکھی روایتی تحریر اور اس سے بڑھ کر انداز تحریر کی  
کمزوری نے کہانی کو بے حد متاثر کیا۔ آپ ابھی لکھنے سے زیادہ  
پڑھنے پر توجہ دیں جب مطالعہ وسیع ہوگا تو بہتر لکھنے میں مدد ملے گی  
امید ہے اس ناکامی سے مایوسی کی بجائے محنت کرنا سیکھیں گی۔

### صبا احمد خان..... ٹوبہ ٹیک سنگھ

ڈیر صبا! سدا سہاگن رہو آپ کی مین ”تحریریں راز ہے ہر  
بات میں گلہ نہیں کسی سے“ اور ”بھروسہ ان اعتماد“ موصول ہوئی۔  
پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے جس کی بناء  
پر ”راز ہے ہر بات میں“ منتخب بھی ٹھہری لیکن باقی دو تحریریں آچل  
میں اپنی جگہ بنانے میں ناکام ٹھہریں۔ حساس موضوع کو اپنے قلم کا  
حصہ ضرور بنائیں لیکن اپنی تحریر میں جو طلاق کی منظر کشی کی وہ ٹھیک  
نہیں۔ دونوں میں رشتہ نہ ہوتے ہوئے ایک چھت کے نیچے ہونا  
یہ بات قابل قبول نہیں۔ رشتوں کا تقدس قائم رکھتے ہوئے موضوع  
کا چناؤ کریں۔ دوسری تحریر میں احساس کمتری دکھائی گئی ہے جو کہ  
خوش آئند بات نہیں تھی۔

### نا قابل اشاعت:-

امید کا ستارہ محبت اک فریب مٹی کے بندے جمہوریت شجر  
سے امید بہار رکھ تیری وفا پھیری والا بلا عنوان رنگیلے لوگ کیا عجب  
ہے محبت چاہتوں کے درمیان ٹھنڈی چھاؤں کئی دوستی آرزو قیدی  
آتش عشق مسگریٹ نوشی یادیں خواہش کا لباس حکمرانی پیار ہوا بھی



جیسا خود اس سورۃ مبارکہ الکوث کا متن گواہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب رنج و غم کا احساس ہوا تو رب کائنات نے ان کی دل جوئی، حوصلہ افزائی کے لیے الکوث عطا کیے جانے کی بشارت سے سرفراز فرمایا، حالانکہ یہ حقیقت روز روشن کی طرح اٹل ہے کہ اللہ کا نبی نہ ہی کبھی مایوس ہوتا ہے نہ ہی ناامید۔ لیکن اسلام کے مخالفین کے کہنے اور کرنے سے دوسرے لوگوں کو یہ محسوس نہ ہو کہ نبی مایوسی کا شکار ہو رہا ہے۔ اس سے اُن کے ہمتیوں میں بددلی و مایوسی پھیلنے کا خدشہ پیدا ہوتا اور شیطان انہیں ورغلاتا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے کہ شیطان اپنا حربہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر آزمائے انہیں بہکانے کی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ عظیم بشارت سنادی جو رہتی دنیا تک ہر مسلمان کے لیے بھی ویسی ہی عظیم خوش خبری کی حیثیت رکھتی ہے جیسی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھی۔ قرآن حکیم کا ایک ایک لفظ بے شک نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔ جو رہتی دنیا تک امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اسے لوگوں تک پہنچانے والے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح جس طرح امتحان و مشکلات سے گزرے وہ اپنی ذات مبارک کے لیے نہیں بلکہ اپنی امت کے لیے ایک عملی نمونے کے طور پر ان تمام عملوں سے گزارے گئے تاکہ آنے والی نسلیں کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو کر شیطان کے بہکائے میں آکر بھٹک نہ جائیں۔ مسلم امت پر اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی خاص کرم و احسان ہے کہ اس نے ہمارے لیے قدم بہ قدم رہنمائی، رہبری کا مکمل اہتمام و انتظام فرمادیا۔ چونکہ یہ دین اسلام وہی دین ہے جو اللہ کا پسندیدہ دین ہے جس کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی اور تکمیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی جو رہتی دنیا تک کے لیے ہے۔ اسی لیے اس میں ہر عمل ہر حرکت کے بارے میں احکام الہی موجود ہیں۔ بس ہمیں کلام الہی سے رجوع ہی کرنا ہے۔ سورۃ الکوث بھی اہل ایمان کے لیے ایک مجمع فروزاں ہے۔ روز قیامت جب ہر



طرف ایک شور برپا ہوگا۔ نفسا نفسی کا عالم ہوگا ہر کوئی حواس سے بے گانہ پاگلوں کی طرح پریشان پھرتا ہوگا۔ بس وہی موقع ہوگا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے صالح افراد بڑے سکھ چھین آرام سے حوض کوثر سے فیض پارے ہوں گے جس کو حوض کوثر سے آب کوثر پینا نصیب ہو جائے گا اسے نہ تو کبھی پیاس لگے گی اور نہ اس پر کوئی گھبراہٹ اور پریشانی طاری ہوگی اور سب سے اہم بات یہ کہ جسے آب کوثر نصیب ہو جائے گا وہ بخشش الہی کا حقدار بھی ہوگا۔ یہ اللہ کا بہت بڑا انعام ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر کہ اللہ نے ان کی تسلی کا روز آخرت بھی بندوبست فرمادیا۔ اللہ ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی توفیق نصیب فرمائے اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی سعادت عطا فرمائے تاکہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے اور حوض کوثر سے سیراب ہونے کے حق دار بن سکیں آمین۔

مولف:- مشاق احمد قریشی

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

سورۃ الکوثر کی سورۃ ہے اس کا نمبر شمار قرآن کی ترتیب میں ۱۰۸ ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۱۲واں ہے۔ اس سے قبل صرف گیارہ سورتیں نازل ہوئی تھیں اور قرآن حکیم کی باقی ۱۰۲ سورتیں اس سورہ کے بعد نازل ہوئیں۔ اس سورہ مبارکہ میں ۳ آیات اور دس کلمات ہیں جب کہ ۳۲ حروف اس میں استعمال ہوئے ہیں۔ اس لیے یہ سورہ مبارکہ کلمات اور حروف کے اعتبار سے تمام دیگر سورتوں سے مختصر اور چھوٹی ہے مگر اپنے معنی و شریح کے اعتبار سے بہت بڑی اور اہم ہے۔

لفظ کوثر صرف اسی آیت مبارکہ میں استعمال ہوا ہے اس کے لغوی معنی بہت زیادہ چیز تہ بہ تہ جما ہوا غبار اسلام نبوت خیر و احسان بہت زیادہ نئی آدمی سردار بہشت کی نہر۔ کوثر ”کثرت“ سے ماخوذ ہے۔ ثلاثی مزید ملحق بہ رباعی مجرد بمعنی خیر کثیر آیت کریمہ میں کوثر کی تفسیر محققین نے یہی کی ہے اور خیر کثیر میں وہ تمام نعمتیں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا میں مبذول فرمائی گئیں یا آخرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی جائیں گئیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا پیغمبری علم و عمل دنیا و آخرت کی مجدد عزت اور تمام انبیاء کرام علیہ السلام پر بزرگی و شرف بھی خیر کثیر میں داخل ہے۔ ایسے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اتار ہوا قرآن حکیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش کیا ہوا دستور حیات انسانی بھی خیر کثیر میں شامل ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں کوثر سے مراد محض کثرت نہیں ہے بلکہ خیر بھلائی اور نعمتوں کی کثرت بھی ہے۔ ایسی کثرت جو افراط و فرادانی کی حد تک پہنچی ہوئی ہو۔ بے شمار بے حد حساب بھلائیاں اور نعمتیں۔

اس سورۃ مبارکہ کے نزول کے سبب کو سمجھنے کے لیے ان واقعات و حالات کا جائزہ لینا ضروری ہے جس کے سبب اس سورۃ کا نزول ہوا تب ہی یہ بات سمجھ میں آسکے گی کہ رب کائنات نے کیوں اپنے محبوب رسول کریم کی دل جوئی کو اہم سمجھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھرپور انداز میں دل جوئی فرمائی۔ ابتداء میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی آٹے میں نمک کی مانند کفار مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں پر عرصہ حیات تک کر رکھا تھا۔ لیکن مسلمانوں کو جوابی کارروائی کا حکم نہیں تھا جیسا کہ سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے۔

ترجمہ۔ تم بھی معاف کرو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لائے (سورۃ البقرہ۔ ۱۰۹)

اسی دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب جن کا آپ کی تربیت و پرورش میں بڑا ہاتھ رہا انتقال ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دشمنان اسلام کے درمیان آپ کے چچا ابوطالب ایک ڈھال کی حیثیت رکھتے تھے۔ ابوطالب کے انتقال کے بعد کفار مکہ اور دشمنان اسلام کے ظلم و ستم میں شدت و تیزی آ گئی۔ ابھی اس عظیم سانحہ سے پوری طرح سنبھل بھی نہ پائے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی الہیہ ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا وصال ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ صدمہ بڑا ہی شدید تھا گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ ان تیزی سے بدلتے حالات اور پورے غموں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قدر رنجیدہ کر دیا تھا۔ ان حالات کو مد



نظر رکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین حق کی اشاعت و تبلیغ کے لیے طائف کا سفر اختیار کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو طائف کے لوگوں سے ہمدردی اور امداد کا خیال اس لیے بھی آیا کہ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ کے بہت سارے رشتے دار رہتے تھے مگر ان ہارسوخ لوگوں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہیں دیا اور انتہائی بے رخی اور سردمہری کا مظاہرہ کیا۔ بلکہ ان لوگوں نے طائف کے بچوں کو اکسایا اور ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر مار مار کر شدید زخمی بھی کر دیا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک سے خون نے بہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتوں تک کو بھر دیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر کے باہر ایک باغ میں پناہ لی اس باغ کے مالک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمدردی کا سلوک کیا اور شہر پسند بچوں کو مار بھگایا۔

اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اجازت چاہی کہ طائف کے لوگ اپنی حد سے تجاوز کر گئے ہیں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں تو اس بستی کو الٹ کر نیست و نابود کر دیا جائے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ساری انسانیت کے لیے رحمت للعالمین بنا کر بھیجا گیا ہوں بہت ممکن ہے کہ ان کی آنے والی تسلیس سچائی اور حق کو اپنائیں اور مسلمان ہو جائیں۔ ان ہی واقعات و حادثات کے باعث اس سال کو ”عام الحزن“ یعنی غم کا سال کہا جاتا ہے۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس مکہ تشریف لائے تو کفار مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ شہر میں داخل نہیں ہونے دیا۔ کئی بار کی کوشش کے بعد کفار مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شرط پر داخلے کی اجازت دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں قیام کے دوران تبلیغ و اشاعت دین نہیں کریں گے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ شہر کی حدود سے باہر بازاروں میں اور میلوں میں تبلیغ دین حق کرنے لگے۔ کفار مکہ کے ان انتہائی سخت رویوں کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی صبر و برداشت سے کام لینا پڑ رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی صبر و استقامت اور برداشت سے خوش ہو کر رب کائنات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دل جوئی اور انعام کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ سورہ مبارکہ نازل فرمائی تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دل جوئی اور حوصلہ افزائی ہو سکے اور بھی بہت سے انعامات الہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نوازا جن میں معراج کا واقعہ سب سے اہم ہے جسے آگے چل کر تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔

یہ سورہ کوثر خالص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے متعلق ہے جس طرح سورۃ النبی اور سورۃ الانشراح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھیں۔ ایسے ہی یہ سورۃ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غبار خاطر دور کرنے کے لیے اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے پیش گوئی کے طور پر نازل کی گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیر کثیر دیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو دھمکی دی گئی ہے کہ ان کی جزا کاٹ دی گئی۔ لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہیے کہ اپنے رب کا شکر ادا کریں۔

سورۃ مبارکہ ابتدائی دو ربوبت کی عکاس ہے یہ داعی اور دعوت اسلام کی جھلک پیش کر رہی ہے۔ اس سورۃ مبارکہ سے یہ اندازہ بھی بخوبی ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہر طرف سازشیں ہی سازشیں کی جا رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو اذیت دی جا رہی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت حق کا راستہ روکا جا رہا تھا۔ اور رب کائنات کس طرح اپنے محبوب اور ان کے مٹھی بھر ساتھیوں پر مہربان تھا یہ اس کی ہی تصویر کشی ہے۔ اس سورہ مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی جزا کاٹ دی جائے گی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روشن مستقبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہا ہے جس کا وعدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب آپ سے کر رہا ہے۔ دراصل اس سورہ مبارکہ میں ہدایت، خیر اور ایمان کی حقیقت واضح کی گئی ہے کہ ان میں کثرت برکت، دوام اور پھیلاؤ ہے جب کہ دوسری سمت شرک و کفر ہے جس کی قسمت میں قلت، خسارہ اور جزا کاٹنا یعنی مٹ جانا ہے اور غافل لوگ چاہے اس کے برعکس سوچتے رہیں۔

جیسا کہ ولایات میں آتا ہے کہ ابتدا میں قبیلہ قریش کے شہزادہ اباش افرار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر وقت پیچھا کیا







## کون ملک

اسلام علیکم! آج کل کے تمام قارئین کو میرا پیار بھرا سلام قبول ہو۔ کیا حال ہیں سب کے اسید ہے کہ ٹھیک ہوں گے جی تو جناب عالی! ملنی نیم از کرن ملک اینڈ آئی لانگ اٹ ویری مچ کیونکہ یہ میرے پیارے سے ابو جان نے جو تجویز کیا ہے۔ 13 اکتوبر 1995ء کو میری اس دنیا میں تشریف آوری نے میرے والدین کا دامن خوشیوں سے بھر دیا۔ میرا حلق کجرات کے ایک خوب صورت گاؤں خان پور کھوکھر سے ہے، ہم ماشاء اللہ چھ بہن بھائی ہیں میں سب سے بڑی ہوں اور مجھ سے چھوٹے میرے پانچ بھائی سعد ملک، علی تیمور شلویز، عبد الرحمن اینڈ حمزہ ملک جو کہ میرے عزیز از جان ہیں۔ حال ہی میں سیکنڈ ایئر کے ایگز امرڈیئے ہیں اور اب رزلٹ کا بے مبری سے انتظار ہے۔ میرے بھائیوں میں سب سے زیادہ سعد سے بنتی ہے، ہم لڑتے ہیں لیکن ہم میں پیار بھی بہت ہے۔ رسالے پڑھنے کی از حد شوقین ہوں، ماہنامہ کرن شعاع اور خواتین پڑھتی ہوں مگر ان سب میں آج کل از دابیٹ۔ مسٹ فیورٹ ناول سیرا آئی کے ”یہ چاہتیں یہ شدتیں“ اور ”ٹوٹا ہوا تارا“ ہیں۔ میں نے آنکھوں کی کلاس سے ڈائجسٹ پڑھنے شروع کیے جس کی وجہ سے ابو جان سے ڈانٹ پڑتی تھی پر ہم بھی اپنے نام کے ایک ڈانٹ سن لی پر ڈائجسٹ پڑھنا نہ چھوڑے۔ پسندیدہ رٹرز میں ٹاپ آف لسٹ سمیرا شریف طوطا، اقراء صغیر احمد، عمرہ احمد، عشنا کوثر، سردار، مریم نازیہ کنول نازی اینڈ سعد یاسل کاشف ہیں۔ ہاں تو جناب میرے بہت سے شوق ہیں سب سے پہلے ہر ماہ آج کل خریدنا اور پھر ایک ہی دن میں ختم کرنا۔ ہاتھوں میں چوڑیاں، مہندی اور انگلیوں کا لازمی ہونا میرا شوق نہیں بلکہ جنون ہے۔ کپڑوں میں لانگ ٹیٹس، چوڑی دار، پاجامہ اور بڑا سا دوپٹہ پسند ہے۔ فیورٹ کلرز پنک، ٹلیک، براؤن اور اسکاٹے بلو ہیں۔ کھانے میں بریانی، تورمہ جبکہ میٹھے میں کھیر اور گاجر کا حلوہ پسند ہے، پسندیدہ شخصیات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس، قائد اعظم محمد علی جناح، حضرت مولانا ناصر مدنی صاحب، قاری خالد مجاہد اور میرے محترم استاد قاری جواد حسین صاحب شامل ہیں۔ فیورٹ کتاب قرآن مجید ہے۔ غصے کی تیز ہوں مگر جتنی جلدی آتا ہے اتنی ہی جلدی اتر بھی جاتا ہے اب آتے ہیں خوبیوں اور خامیوں کی طرف تو جناب میرے اندر خوبیاں ہی خوبیاں ہیں، خامیاں کوئی نہیں (آہم)۔ سب سے پہلے

مبین آپنی سے خوبیاں پوچھیں تو کہنے لگیں کہ دل کی سچی ہوا میری  
سے پوچھا تو کہنے لگی کہ تم اگر خامیوں کا پوچھتی تو بتا بھی دیتی اب جس  
میں خوبیاں ہو ہی نہ اس کا بتاؤں کیا۔ میرے نزدیک میں سب کے  
ساتھ مخلص ہوں کس کا دل نہیں دکھائی اور سب کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتی  
ہوں۔ خامیاں مجھ میں بہت سی ہیں بقول جویریہ جہاں جاتی ہو وہاں  
کوئی نہ کوئی دوست بناتی ہو (اب بھلا یہ کوئی خامی ہوئی)۔ کبیر بھائی  
کے نزدیک میں کڑکڑ بہت کرتی ہوں (کو بھلا اب بندہ ہر وقت منہ  
کے ساتھ ٹیپ چکا کر بیٹھا رہے) ارم کے نزدیک اگر تم میں کوئی خوبی  
نہیں ہے تو خامی کچھی نہیں ہے۔ میری ماما جان کے نزدیک میں غصے  
کی تیز ہوں، میری بہت ساری فریڈز ہیں جن میں مبین آپنی جویریہ  
ارم، امبرین، کنزہ، نورین، آمنہ، عیسا، اینڈ سمیہ شامل ہیں۔ کزنز میں  
موسٹ فیورٹ ذیشان بھائی ہیں جو کہ سعودیہ میں ہیں (آئی مس  
یوں بھائی)۔ میری زندگی میں ناقابل فراموش واقعہ غزالہ آپنی کی ڈیٹھ  
ہے جو کہ میری کزن تھیں، قدر میں سے گزارش ہے کہ تین دفعہ خلوص  
دل سے دودھ شریف پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے غزالہ آپنی اور ان کی والدہ کی  
معفرت کی دعا کریں، کیا پتا آپ میں سے کسی کی دعا ان کے حق میں  
بہت جلد قبول ہو جائے۔ اف یار اب اتنے غصے سے تو مت گھرو  
جاری ہوں آخر میں سب کے لیے ایک خوب صورت میسج ”اللہ سے  
جب بھی مانگو بھروسے کے ساتھ کہ یا اللہ جب میں نے تجھ سے نہیں  
مانگا تب بھی تُو نے مجھ دیا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ میں تجھ سے مانگوں اور  
تو عطا نہ کرے“ اللہ حافظ۔

## عائشہ حسین

عزیزانِ من! آپ سب پر اور تمام مسلمانانِ دنیا پر سلامتی ہو  
قلعہ دیدار سنگھ میں جی جی آئیے مجھ سے ملیے میں ہوں عائشہ اور میرا  
پورا نام عائشہ بشارت علی ہے اور میرے دادا مرحوم کا نام محمد حسین  
تھا۔ مجھے اپنے نام کے ساتھ دادا ابو کا نام بہت اچھا لگتا ہے اللہ کے  
فضل و کرم سے ۱۹ اگست کو جہان فانی میں تشریف لائی آشہ میرا ابو  
ہے مگر اشارہ پر یقین نہیں رکھتی۔ ماشاء اللہ ہم چار بہنیں اور دو بھائی  
ہیں اور میں یعنی ہم (ارے ہنسنا نہیں ادب سے) سب سے  
بڑے ہیں۔ مجھے اپنی فیملی خصوصاً اپنے بھائیوں سے بے حد پیار  
ہے فرسٹ ایئر کی اسٹوڈنٹ ہوں اور عالمہ فاضلہ بھی ہو۔ مطالعہ  
کرنا بہت ہی اچھا لگتا ہے اور میسجنگ کرنا بھی پسند ہے۔ نیورٹ  
کلرز بلک اور گرے ہیں کرے نکھیں بہت پسند ہیں اور آچل  
سے وابستگی میری کزن بھائی کے ذریعے ہوئی۔ ام افنان نام ہے  
ان کا محترمہ کا میری تمام کزنز کو آچل بہت پسند ہے۔ مرجانی ہیں  
آچل دیکھ کر میری بہنوں کو بھی آچل بے حد اثر میکرتا ہے۔  
نیورٹ رائٹرز اقراء صغیر احمد، عمیرہ احمد، نمرہ احمد، عفت سحر اور آمنہ



چونچیں لڑانا مزہ دے جاتا ہے۔ مغرور مت سمجھیں، لگتی ہوں مگر ہوں نہیں۔ اب چلنا چاہیے اس تعارف کو پڑھ کر کیسا لگا رہے ضرور دیں، پلیز آخر میں میرے تمام فیملی ممبرز جو ہم میں آج نہیں ہیں اور تمام مرحومین جو مسلمان ہیں عالم اسلام سے رخصت ہو چکے ہیں ان کی مغفرت کی دعا کر دیں، پلیز اللہ نگہبان۔

### سیدہ اسماء نور

السلام علیکم! ڈیر آچل اسٹاف اور میری جان سے عزیز تر میری آچل کی بستاریاں، سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اپنا تعارف کیسے کرواؤں؟ یاد آیا آج سے تیس سال پہلے 4 اپریل 1994ء کو اس دنیا کے جھیلے میں ایک نہایت حساس نرم و نازک اور ایک بہت درد دل پری نے آنکھ کھولی تو اپنے ارد گرد حقیقی اور سچے اور پر خلوص رشتوں کی جھرمٹ میں خود کو گھرے پایا۔ مجھے حروف عام میں اسی کہا جاتا ہے آپ بھی کہہ سکتے ہیں۔ سرگودھا شہر کے نزدیک ایک گاؤں میں اپنے پیارے سے گھر میں بہت سکون کی زندگی گزار رہی ہوں گاؤں کا نام نہیں بتا سکتی۔ میرے والد محترم عربی ٹیچر ہیں اور امی جان گھریلو خاتون ہماری کاسٹ سید ہے۔ ہم سات بہن بھائی ہیں چار سسٹرز اور تین برادر۔ بڑی سسٹرز کی شادی ہو چکی ہے اور ایک بہت پیاری سی بیٹی کی ماما ہونے کا اعزاز حاصل کر چکی ہیں پھر میرا نمبر ہے یعنی دوسرا۔ میں فی الحال سنگل ہوں اشار برنج حمل ہے اور تھوڑا بہت یقین بھی ہے اگر میرے مزاج پسند ناپسند اور خوبیوں خامیوں کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں تو نیچے دیکھئے۔ میرا مزاج ایسا ہے کہ اگر کوئی پتھر مارے تو پھر بھی اس کو پھول ہی پیش کرتی ہوں۔ زندگی میں دو انسانوں نے میرا اعتبار اور مان توڑا ایک وہ جس کو میں نے حد سے زیادہ چاہا اور ایک وہ جس نے مجھے چاہا۔ باقی مجھے کسی سے کوئی گلہ نہیں ہاں اگر کوئی آچل فرینڈز میرا اعتبار جوڑنا چاہے تو موسٹ ویلکم۔ زندگی میں صرف ایک دوست بنائی، خوش اخلاق ہوں سب کے ساتھ بہت جلدی فری ہو جاتی ہوں اور دل کرتا ہے کہ منافق اور دھوکے باز لوگوں کے نقاب الٹ دوں۔ قد میرا پانچ فٹ اور پانچ انچ ہے اس کے اوپر تین فٹ کالے لمبے سیاہ بال ہیں جو میری پٹلی کمر پر گھنا بن کے چھائے رہتے ہیں جیولری میں مجھے موتیا کے پھولوں کا زیور پسند ہے اور رنگوں میں بے بی پنک اور وائٹ میرے فوٹو ہیں۔ علامہ اقبال اور فیض احمد فیض بہت پسند ہیں میرا دل کرتا ہے میں بھی علامہ اقبال صاحب کی طرح کوئی کتاب لکھوں جس میں آج کی سوئی ہوئی نوجوان نسل کو بیدار کرنے کا پیغام ہو۔ میں نے ماضی میں بہت سی غلطیاں کی ہر کسی پر اعتبار جلدی کرتی تھی لیکن اس کا بہت نقصان اٹھانا پڑا اب ہر قدم سوچ کر اٹھاتی ہوں اور اپنا ہر فیصلہ اللہ پر چھوڑ

ریاض ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ اور ابن انشاء کمال لوگ ہیں ان شاء جی جو بھی لکھ گئے نایاب ہے۔ فیورٹ شاعر فرزا احمد، پروین شاکر اور عائشہ غازی ہیں۔ میرا فیورٹ ناول ”جھیل کنارہ کنگر“ اور ”وہ جو قرض رکھتے تھے جان پر“ اور بہت ہیں کیا کیا لکھوں؟ فیورٹ پروفیشن آرمی اور انجینئرنگ ہے۔ فیورٹ نیوز کاسٹرو جیہ ثانی اور عائشہ بخش ہیں۔ فیورٹ ڈریس ٹیٹھیں شلوار دوپٹہ ہے۔ رشتوں میں خلوص کے رشتے اپیل کرتے ہیں مگر ماں کا رشتہ ناقابل بیاں ہے۔ اساتذہ سے پیار ہے فیورٹ ڈش وہ ہے جو کوئی بھی پکا کے پیش کرے (مگر پیار سے)۔ خوبی یہ ہے کہ لڑائی کے بعد اندر کا جس ٹکٹے ہی ٹھیک ہو جاتی ہوں اور خانی میں جلد بھلا دیتی ہوں لوگوں کو اگر وہ خود سے مجھے یاد نہ کریں تو میں بھلا دیتی ہوں۔ اوقات میں رکھتی ہوں سب کو مگر ایک بات اور بھی ہے میں آؤٹ اسپون بھی ہوں آپ مجھے صاف گو بھی کہہ سکتے ہیں اپنی فیملی کے ہر فرد سے پیار ہے تایا ہوں یا پھوپھو کزنز (میل فی میل) بچے بڑے ماموں ممانیاں خالائیں اور سب سے آخر میں ثانی اماں سے (سب سے زیادہ بھٹی) عشق ہے۔ مجھے اپنے اللہ سے بس اتنی عمر چاہیے کہ اس کے حضور حاضری لگے اور پھر دنیا میں غیر حاضری لگ جائے آمین بالکل میری پھوپھو کی طرح (جواب ہم میں نہیں ہیں میری امی جان کے پاس ہیں ناں)۔ فرینڈز بہت ہیں مگر وہی پرانے بھلا دیتی ہوں مگر میرے خاص دوست میرے پیارے ہینڈسم ماموں عرفان حسین ہیں اور خالہ کی بیٹی ہے کوئل۔ میرے ننھے منے ارحم (کزن نیا نویلا) ہے اسے بھی لو ہو گیا ہے۔ وہ ہستی جس کے لیے میں جان بھی دے سکتی ہوں (اگر وہ لینا چاہے) تو میرے ابو جان ہیں انہیں مجھ سے بہت شکایت رہتی ہے (اللہ دور کرے) اور میری امی جان! مجھے ان کی ڈانٹ بہت مزے کی لگتی ہے انہیں جھگ کرنے کا اپنا ہی مزہ ہے۔ میں ایک حد تک نانی گرل ہوں اپنی فرینڈز کو روتے سے ہنسانے والی، لکھنے کا شوق ہے دبیر کا مہینہ آئس کریم کولڈ ڈرنک بہت پسند ہے۔ میرا دل چاہتا ہے میں آئس کریم پارلر چلاؤں تاکہ آئس کریم بھوک تو مٹے مجھے پاکستان سے خطرناک حد تک عشق ہے اور سیر کرنے کا شوق ہے۔ حجاز (سعودیہ) تو ان شاء اللہ ضرور جاؤں گی انہوں نے کام آ کے اچھا ٹیل ہوتا ہے غصہ بہت آتا ہے (سائنس کم آتے ہیں غصہ زیادہ)۔ دوست مریم طیبہ اور فرحت اب بھی یاد آتی ہیں کیوں؟ (ہتا نہیں) جوتے جمع کرنے کا شوق ہے (پڑتے بھی رہتے ہیں امی سے)۔ میرا بھتیجا ہے عبداللہ ظفر اس کی دل موہ لینے والی حرکتیں پیاری لگتی ہیں انہی بہن کو اس کے ”انہوں“ کا نام لے کر چھیڑنا اور اس کی دھیمی سی مسکراہٹ دیکھنا اچھا لگتا ہے اپنی بہنوں سے بہت لگاؤ کے باوجود بھی کبھی



دیتی ہوں میرا دل چاہتا ہے کہ میں اللہ جی کے پیارے گھر کی اور  
روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے جاؤں اور پھر واپس  
نہ آؤں۔ میں اپنا دل دوسروں کے لیے ہمیشہ صاف رکھتی ہوں  
دوسروں کے بارے میں کبھی غلط نہیں سوچا۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ  
وسلم اور علامہ اقبال میرے پسندیدہ ہیں آپ بھی سوچ رہے ہوں  
مگر کہ یہ اتنی بورنگ لڑکی کون ہے جس اتنی سی ہے میری کہانی میری  
زبانی آخر میں ایک اچھی بات کے ساتھ اجازت "عظمتی" ماننے اور  
گناہ چھوڑنے میں دیر مت کیجیے اور ہمیشہ اس رشتے کی قدر کریں  
جنہوں نے آپ کو حد سے زیادہ پیار دیا اور ان کے لیے آنسو مت  
بھائیں جنہوں نے آپ کو تلخ فیس دیں "شکریہ" اگر مجھے ناچیز کا  
تعارف پسند آئے تو دوستی کا ہاتھ ضرور بڑھائیے گا کیونکہ مجھے کسی  
تخلص اور سچی دوست کی بہت ضرورت ہے والسلام۔

### دانی اسلام

تمام قارئین کو میری طرف سے پیار ہمارا سلام سنائیے کیسے ہیں  
آپ سب؟ مزے میں ہیں نا تو چلے مبدولت اب اپنا تعارف  
کروانی ہیں میرا نام دانی اسلام ہے۔ پیار سے گھر میں سب مجھے  
راجا کہتے ہیں آپ تو حیران ہوتے ہوں گے کہ کیسی لڑکی ہے جس  
کا نام ہمارا چارکھا ہوا ہے تو جناب اس کے پیچھے بھی ایک کہانی ہے بعد  
میں سنائی ہوں۔ ایف ایس سی کر چکی ہوں میرا ایک سال ضائع  
ہو گیا ہے کچھ پراہنہ تمہیں اس لیے میں آج کل فری ہوں اسکول  
لائف کو بہت انجوائے کیا تعلیمی معیار بہت اچھا تھا سو تمام ٹیچرز  
کے ہر دلعزیز تھے۔ ہر معاملے میں ٹیچر آگے رکھتے ایک حد  
تک سنجیدہ ہوں کام سے کام رکھتی ہوں۔ اسکول لائف بہت یاد  
آتی ہے اب بھی جب اسکول لائف کو یاد کرتی ہوں تو دل میں  
خوشیوں کا ایک جہان آباد ہو جاتا ہے دل چاہتا ہے ایک مرتبہ پھر  
بچی بن جاؤں اور اسکول کے مزے لٹوں لیکن کالج لائف میں ایسا  
کچھ بھی نہیں ہوتا ٹیچر نا آتی ہیں ٹیچر دیتی ہیں اور چلی جاتی ہیں اس  
لیے اسکول ٹیچر کی محبت اور ان کی میرے لیے اہمیت بہت یاد آتی  
ہے۔ اب بھی کبھی کبھار اسکول جاؤں تو میرا تعارف ٹیچرز کچھ اس  
انداز میں کروانی ہیں یہ ہمارے پچھلے جج کی سب سے اعلیٰ جنت  
سپر ب لڑکی اور ان الفاظ پر میرا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ ہاں ہی نہ  
چلا پندرہ سال کس طرح گزر گئے چلیں اب اپنی فیملی کے متعلق  
کچھ بتاؤں ہم چھ بہنیں اور دو بھائی ہیں جو میرے ممالیہا نے بہت  
منتوں اور مراہوں سے خدا تعالیٰ سے لیے ہیں جب ہمارا کوئی  
بھائی نہ تھا تو ممالیہا مجھے ہی لڑکوں والے کپڑے پہنائی جو کہ میں  
میٹرک تک پہنچتی رہی ہوں اور میرے پیارے میرا نام راجا رکھ دیا  
کیونکہ شکل و صورت سے بالکل لڑکا ہی لگتی ہوں لیکن اب تو

مابدولت لڑکیوں والے کپڑے پہنچتی ہیں۔ اب کچھ عادات کے  
بارے میں بات ہو جائے کسی کو تکلیف نہیں دے سکتی اور نہ ہی بد  
اخلاقی کا مظاہرہ کر سکتی ہوں۔ وہ لوگ سخت ناپسند ہیں جو کسی کا  
غصہ کسی پر اتاریں ناراضگی کسی سے ہو اور موڈ آف سب سے  
کر لیں۔ بہت ملتسار ہوں کو تنگ کا شوق تھوڑا بہت ہے چکن ر  
وسٹ پاستا ہاٹ چکن رول اور فرائیڈ منٹن چانپ اچھی بناتی  
ہوں۔ بڑی عادت یہ ہے جو بات دماغ میں گھر کر جائے اس کو پورا  
کر کے چھوڑتی ہوں۔ سہیلیاں نہیں بناتی۔ موسم برسات اڑیک  
کرتا ہے بارش کی دیوانی ہوں جب بارش ہوتی ہے تو تمام کام چھوڑ  
کر بالکنی میں کھڑی ہو کر بارش کے مزے لٹتی ہوں۔ بارش کے  
بعد مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو اور آٹا گوندھتے ہوئے آنے والی  
مہک اچھی لگتی ہے۔ کبھی غور کیجیے گا کپڑوں میں کھلے پانچوں دلی  
شلوار لانگ شرٹ اور بڑا سادہ پٹا چھانگتا ہے عموماً سادگی پسند ہوں  
کسی کی شخصیت میں اس کی بول چال اور اخلاق کو نوٹ کرتی ہوں  
عموماً اچھے اخلاق والے لوگ متاثر کرتے ہیں۔ شاعری کر لیتی  
ہوں کوشش کرتی ہوں کہ اسلام کے طور طریقوں کے مطابق زندگی  
گزاروں۔ رائٹرز میں عمیرہ احمد سعدیال نازیہ کنول نازی اور مریم  
عزیز اچھا لگتی ہیں اس دنیا میں مجھے سب سے عزیز صرف ممالیہا  
ہیں اس کے علاوہ میرے دو چھوٹے بہن بھائی جن سے میں بہت  
پیار کرتی ہوں اور مزے کی بات بتاؤں میرا بھائی مصوم الحسن کہتا  
ہے کہ ما جو میں تمہیں ہیروں کا ہار دواؤں گا بڑا ہو کر میں اپنے ممالیہا  
سے بہت محبت کرتی ہوں۔ ممالیہا بہت برائیڈ مائنڈڈ ہیں یونہی سٹی  
لیول تک پڑھنے کی بھی اجازت ہے۔ ممالیہا ہیں ڈاکٹر بتاؤں گی  
اور پیپا کہتے ہیں پولیس میں بھرتی کرواؤں گا اور یہ خیال اچانک ہی  
پپا کو ہٹا نہیں کیسے آیا دیے میں بہت لگی ہوں کہ مجھے اس قدر  
کیئرنگ ممالیہا ملے رشتہ داروں میں کوئی بھی خلوص نہیں ہے سب  
مطلبی ہیں اس لیے زیادہ پیار و توجہ ممالیہا سے ملی۔ بیٹھے میں گڑ  
والے چاول خاص ممالیہا کے ہاتھ کے پسند ہیں۔ یا اللہ میرے ممالیہا  
کا سبب قیامت ہمارے سر پر رکھنا میری زندگی کی ہر خوشی اللہ آپ  
کو دے دے۔ مجھے معلوم ہے آپ نے بہت دکھ اور پریشانی  
جھیلی ہیں جو کچھ بھی ہم سب کے لیے کیا ہمیں پڑھلایا بڑی بہن کو  
اسٹوڈنٹ چھوٹی کو پارلر بنا کر دیا اور مجھے پڑھا رہے ہیں ہم سب کو  
آپ دونوں پر فخر ہے کیونکہ خاندان میں سے صرف ہم ہیں جو پڑھ  
رہے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو لمبی زندگی دے آمین۔





چاہت ہو، خوشی ہو، ادا ہو، تیرے لفظوں میں  
 مہنگی ہوئی ایک شام تیری سالگرہ ہو

س: آنچل سی وابستگی کی وجہ کیا ہے اور کس کے ذریعے آپ کا آنچل سے رشتہ جڑا؟

س: کس مصنف کی تحریر نے آپ میں لکھنے کے شوق کو ابھارا؟

س: 2016ء کے کس ٹائٹل کو بیسٹ قرار دیں گی؟

س: آنجل کے سلسلے ڈش مقابلہ سے آپ نے کبھی کوئی ڈش تیار کی اور کی تو کیسا تجربہ رہا تعریف یا تنقید؟

س: امیر خانداری سنبھالتے ہوئے کچن میں آپ کا پہلا دن کیسا رہا اور آپ نے سسرال میں پہلے دن کیا پکایا تھا یا کیا پکانے کا ارادہ ہے؟

س۔ آنچل کے کسی مستقل سلسلے میں آپ تبدیلی کرنا چاہیں تو کون سا سلسلہ اور تبدیلی کیا ہوگی؟

س: اپنی سالگرہ کے دن آپ کے جذبات و احساسات کیا ہوتے ہیں؟

میری بال گروپس

سعودیہ نشر

## ياسمين نشاط..... لاہور

(۱) سب سے پہلے تو آج کل کے سب لوگوں کو جو اس کی ترقی اور بہتری کے لیے کوشاں رہتے ہیں ان سب کو مبارک باد و ہوا اللہ کرے دین دو گئی بات چو گئی ترقی کرے آمین۔

آج کل سے دلہنگی ظاہر ہے بحیثیت لکھاری رہی کہ ہادی تحریریں اس میں شائع ہوں میرا آج کل کا ساتھ چند مہینوں پر محیط ہے لیکن یہ واقعی ایک بہترین جریہ ہے کہ اس میں زندگی کے ہر پہلو کے لیے رخنہ ملے۔  
موجودہ میری ایک بہت عزیز دوست نے مجھے آج کل کا بتلایا تھا۔

(۲) بہت بچپن میں نے کہانیاں پڑھنی شروع کیں شاید تب جب سب لڑکیاں گڑیاں کھیلتی ہیں میں اپنی پاکٹ منی بچا بچا کر بچوں کے سامنے خریدا کرتی تھی پھر ڈائجسٹ پڑھنا شروع کیے اور میٹرک کرنے تک میں بانو قدسیہ، اشفاق احمد اور ممتاز مفتی کو پڑھ چکی تھی ڈائجسٹ میں عزیز سید، رفعت ماہد سجاد، آسیہ ذاق، رفعت سراج ان سب کی تحریریں بہت متاثر کرتی تھیں ان سے ہی سیکھا۔

(۳) کیسٹا نامشکل ہے۔

(۴) اکثر و بیشتر اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میرے ہاتھ میں بہت لذت ہے عام مصالحوں سے تیار سادہ سی ڈش بھی سب کو بہت پسند آتی ہے۔ میرے شوہر نامہار کبھی کھانے میں نقص نہیں نکالتے اچھا بنا ہوگا تو زیادہ کھائیں گے برا ہوگا تو کم کھا کر اٹھ جائیں گے کبھی کچھ نہیں کہیں گے اور مجھے ان کے کھانے سے پتا چلتا ہے کہ کھانا زیادہ مزیدار پکا ہے یا.....

زیادہ تر یہ لڑکا ہے یا.....

(۵) میں نے بہت بچپن میں کھانا پکانا شروع کر لیا تھا شاید بہارِ صل کی عمر میں وجہ ای کی علالت تھی شروع شروع میں تو پوچھ پوچھ کر پکا لیا

کرتی تھی پھر آہستہ آہستہ خود ہی سب کچھ اچھا بننا شروع ہو گیا۔ اب تو ما  
شا اللہ ہر کھانا پرفیکٹ پکنا چلا۔ سر ل میں پہلے دن ناشتہ ہی تیار کیا تھا  
کیونکہ اور کوئی تھا ہی نہیں بلکہ میرے سر ل میں ناشتے کا کانسپیٹ ہی  
نہیں تھا میری دیہانی جاب کرتی تھی وہ لسی بنا کر رکھ جلیا کرتی تھی جسے  
میرے سانس سر اور دیہ پی لیا کرتے تھے میں نے جب پر اپنا ناشتہ تیار  
کیا تو میرے سر اور دیہ بہت خوش ہوئے اور کہا بہت عرصہ بعد گھر کا  
ناشتہ ملا ہے پھر باقاعدہ تو کھیر ہی پکائی تھی اور میری پکائی کھیر کے چمچے  
بہت دھنک ہیں سو بڑی تعریف ہوئی تھی۔

(۶) نہیں سارے سلسلے اچھے ہیں باقی آپ لوگ کرنا چاہیں تو آپ کی مرضی تھی نا وہ بھی اچھے ہی ہوں گے۔

اپنی سرکشی و اس کے سوا کسی اور چیز سے اس کی دلچسپی نہیں ہوتی۔ (۷) ہائے جذبات اور احساسات اب تو ہر جذبہ پر سکون ہو گیا ہے۔ غصہ، غلہ، شکایتیں، سب کچھ ختم ہی کر ڈالی ہیں وقت کے ساتھ ساتھ بہت کچھ بدل جاتا ہے۔ سالگرہ منانے کا رواج ہمارے سرال میں بہت زیادہ ہے شادی سے پہلے کالج لائف میں بس دوستوں کے ساتھ ہلکی پھلکی ٹریٹ ہو جاتی تھی لیکن سرال میں تو باقاعدہ ہر بندے کی سالگرہ سلیم ریٹ کی جاتی ہے، ہم بھی شروع شروع میں مناتے تھے لیکن پھر منانا چھوڑ دی شوہر صاحب پسند نہیں کرتے لیکن گھر میں جس کی بھی سالگرہ ہو اس دن اس کو اچھے ریسٹورنٹ میں بہترین ڈنر کرواتے ہیں خصوصاً بچوں کو تو جذبات و احساسات کیا ہونے ہیں میں ویسے بھی ان چیزوں کو زیادہ سیریس نہیں لیتی کبھی سوچتی تھی کہ ڈھیر سارےوش کرنے والے لوگ ہوں ڈھیر سارے تحائف اور ہمارے نام کی سرکاری چھٹی (آہم) تو پھر سالگرہ منانے کا لطف بھی ہو لیکن ہزاروں خواہشیں ایسی کہ.....

## ترہت جلیں ضیاء... کراچی

(۱) سب سے پہلے تو آپ سب کی خدمت میں السلام علیکم آجمل

مشاف، رائٹرز، قارئین، شاعر و شاعرات اور آئینل سے جڑے ایک  
 ایک فرو کو دل کی گہرائیوں اور بے پناہ محبتوں کے ساتھ ماہنامہ آئینل

منالکمرہ نمبر سالکمرہ نمبر سالکمرہ نمبر

27

آنچل • اپریل • ۲۰۱۷ء

سنگره نمبر سنگره نمبر سنگره نمبر



ڈائجسٹ کی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو! نچل سے وابستگی کی وجہ یہ ہے کہ جب سے ہوش سنبھالا مگر میں آنچل کو دیکھا اس زمانے میں غالباً سلی کنول (مرحومہ) ایڈیٹر ہوا کرتی تھیں بڑی بہنیں نگہت باجی اور عفت (مرحومہ) پڑھا کرتی تھیں تب پڑھنے کا شعور تو نہیں تھا مگر اس ڈائجسٹ سے ایک انسیت اور لگاؤ ضرور ہو گیا تھا سو وقت کے ساتھ ساتھ یہ رشتہ مضبوط ہوتا گیا۔

(۲) میں نے بچپن میں بنیا نقوی کو زیادہ پڑھا ان کے لکھنے کا انداز اور بے ساختگی مجھے اچھی لگتی تھی وہ ہلکے پھلکے انداز میں خوب صورت اور مزے مزے کی تحریریں لکھا کرتی تھیں اور میں ان کے افسانوں کو بہت شوق سے پڑھا کرتی لکھنے کے جراثیم تو خون میں شامل تھے کیونکہ بڑی بہنیں لکھتی تھیں مگر انداز بنیا نقوی کا اپنا تھا۔

(۳) نومبر ۲۰۱۶ء کا نائل مجھے بہت اچھا لگا تھا جس میں ماڈل نے آنچل کو نائل سے پکڑا ہوا تھا ایک وہ ماڈل بھی معصوم تھی اوپر سے اس کے سر پر آنچل تھا اور ایک ہاتھ سے آنچل کو پکڑے وہ اچھی لگد ہی تھی۔

(۴) الحمد للہ الحمد للہ میرے پکائے ہوئے کھانوں کی ہمیشہ تعریف ہی ہوئی ہے آنچل ڈش مقابلے کی بھی کافی ساری ریسپیٹ میں نے ٹرائی کی ہیں اور ہمیشہ اچھی تیار کی ہیں اور جس نے کھایا پسند ہی کیا ہے کافی لوگ مجھ سے دیکھی لکھوا کر بھی لے جاتے ہیں۔

(۵) شادی سے پہلے ہی سنبھال لیا تھا مگر اتنا زیادہ بوجھ نہیں تھا اور بہنیں بھی تھیں اصل امتحان تو شادی کے بعد شروع ہوا تھا الحمد للہ شادی کے ہفتے بعد ہی میں نے تائی امی (ساس) کی فرمائش پر شامی کباب، کشمی دال اور چاول پکائے تھے بہت جلدی اور بہت اچھے تیار ہوئے تھے سب کو بہت پسند آئے تھے اور مجھے انعام میں سوٹ ملا تھا۔

(۶) نہیں، میرے خیال میں سارے سلسلے مناسب ہیں ہاں یہ کہوں گی کہ جیسے ڈش مقابلہ نام ہے تو اس لحاظ سے ہر ماہ کسی ایک ڈش پر انعام آنچل ڈائجسٹ کی صورت میں بھیجوں گی یا کسی خاص موقع پر جیسے عید، بقرعید، برسات کے حوالے سے ڈش مقابلہ کراؤں گی جس میں انعام ہوں۔

(۷) میں یہ سوچتی ہوں کہ زندگی کا ایک اور قیمتی سال پونہی ضائع ہو گیا اللہ تعالیٰ مجھے وقت پر وقت دے رہا ہے لیکن میں صحیح معنوں میں وقت کا استعمال نہیں کر پارہی میں اپنی زندگی سے وہ فائدہ نہیں اٹھا رہی جو مجھے اٹھانا چاہیے اپنے لیے اپنے آرام کے لیے اپنی ضرورتوں کے لیے سب کچھ کرتی ہوں مگر..... بس مجھے حقیقت میں یہ احساس ہوتا ہے کہ زندگی کا ایک اور سال نکل گیا میں کتنی جلدی زندگی سے دور اور موت کے قریب ہوتی جا رہی ہوں۔

حرا قریشی..... ملتان

شاہ جب سے تیری سالگرہ ہے

سب ہی ساکت حروفِ دلِ با  
لبوں پانے لگے ہیں  
عزیز "عود" لوہان  
سب خوشبوؤں کے رنگ  
میری انگلیوں کی پوروں پر  
سر سرانے لگے ہیں

میرے دل کے دروازے پر  
گلابوں کی چپاں پڑی ہیں  
محبت سے پیش کی گئی تحائف کی  
بیتیاں کھڑی ہیں  
اے محبوب میرے  
اے آنچل پیارے  
کیوں نہ خوش ہوں  
آج اس موقع پر  
کہ جب دل کو بھی  
یہ کہتے میں سن رہی ہوں  
کہ

یہ وہ ستارہ ہے جواقی سے کہیں پرے  
میرے دل کے کنج پر سکونت پذیر ہے  
یہ وہ سیپ عتیق ہے جو گہرائیوں کا بڑا دلکش سفیر ہے۔  
یہ وہ بادل ہے جاناں جو محبت برساتا کثیر ہے۔  
یہ وہ ساز ہے آواز جس کی ہر سازندے سے امیر ہے۔  
یہ وہ پرندہ ہے خوش گلو "آواز کردیتی" جس کی زنجیر ہے۔  
ارے اب یوں کیوں؟  
میری آنکھوں میں جھانکتے ہو  
سماعتوں کو کیوں سنتے ہو  
گرد یکھا ہے تو دیکھو  
گر سننا ہے سنو

سمندر کی گہرائیوں میں جو کھوجاؤ  
فلک کی بلند یوں پر جو سوچاؤ  
ہو اس دنیا میں کہیں  
آب و تاب جس کی  
سب سے جدا سب سے الگ  
یہ وہ اک ننھا منا بچہ شری ہے  
سالگرہ جس کی آج وقوع پزیر ہے.....  
(۱) وابستگی؟

غور سے جس شے کو دیکھا تو نظر آیا مجھے



تو ہر اک گل میں رنگ بونظر آیا مجھے۔

سچ کہوں تو اس جریدے کا آب بڑا میٹھا میٹھا ہے اور فکر و نظر کا پیاسا دل اس کی محبت سے پر لہجے کی چاشنی میں ڈھلنے پر ہمہ وقت مصر رہتا ہے۔ اس جریدے سے وابستگی کسی دیرینہ تعلق پر مبنی نہیں ہے مگر یاد کے شبستانوں میں اس کی رفاقت طویل تر ہے اور آج کل دل و دماغ انہی پر کیف لحات کے نرغے میں رستے ہیں۔

ہوا کچھ یوں کہ ایک باد ہا کر غلطی سے آنچل کوہ حرا کے سپرد کر گئے اے یہ کیا؟ کون سا ڈائجسٹ آگیا چلو دیکھتے ہیں اندر سے کیا ہے؟ حیرت کی سرگوشیاں گروفلوج سے کسی رازدار کی طرح برآمد ہوئیں۔ اہل اس کے کہ فہرست پر نظر ڈالی جلتی براہ راست وسط سے انگلیوں کی نرم و نازک پوروں نے اسے چھوا تو گویا لبوں پر گل سے کھل گئے آنچل کا وہ صفحہ اس وقت نظروں کے تصرف میں تھا عید سروے کے سوالات جس پر موجود تھے سونے پر سہاگہ سوالات کی عین پیشانی پر میرا ذاتی شعر موجود تھا جس کو خواتین ڈائجسٹ کے سروے میں بھی کسی نے استعمال کیا تھا شعر یہ تھا (بڑی جج دج سے سنوئی ہے عید لہن کی طرح لگتی ہے) اس شعر کی وساطت سے محبوب من آنچل ڈائجسٹ سے وابستگی ممکن ہوئی۔ ایک ایسی وابستگی جس کی پتلیوں سے لطف دہرانی کی کئی کرنیں پھوٹتی ہیں اور رگ ریشے کو اپنے حصار میں لے کر محبت کے کھونٹے سے باندھ دیتی ہیں۔ اس پہر دل محبت کی مقدس آماجگاہ بن جاتا ہے قصہ مختصر اے شعر کے توسط محبوب من سے وابستگی ہوئی اور ہا کر کی ایک احسن نادیہ غلطی کے باعث یہ شہتہ جزلدعا ہے سدا تاحیات لب بقیہ قائم رہے آمین۔

ہوئی جب سے وابستگی تجھ سے حرف میرے آہنگ آفریں لہس سے

اوراق پر تیرے

بصورت دوستی

جگمگانے لگے ہیں

شعاعیں شفق کی

رنگ بھی قوس قزح کے

نور بن کر میری تحریروں کے بطن پر آنے لگے ہیں

مقام ابدیت پر بیدار فکر کے اصداف کو س کرتے

طرح طرح کی صحنیں پر چھائیں مرعش لبوں پر منڈلانے لگے ہیں

ہو جن سے وابستہ محبت کے کد شتے

کچھ ایسی تصویریں

کچھ ایسے نقش و نگار بنانے لگے ہیں۔

(۲) تحریری شوق کی تودل کے بیچ سے آمباری ہوئی اور پھر اس کو تانور

شجر کا روپ دینے میں محبوب من عزیز ی آنچل کلیدی کردار ادا کر رہا

ہے ہاں مصنفین میں میرا سب سے پہلا تعارف عمیرہ احمد فرحت

اشتیاق راحت جبین اور پھر نمرہ احمد سے ہوا جس سبک روی سے نصب

الحین کی جانب رخ کیا مزید مقبول نفوس کی جانب دواں دواں ہے۔

(۳) خوابیدہ خیالات کے ان دیکھداز ہیں۔

عنوان تیرے ساز شب کی آواز ہیں۔

آنچل کے سرورق سے لے کر ”ہم سے پوچھئے“ تک محبوب من

آنچل کی بانی مدیرہ سے مدیرہ معاونین کی پرشوق سعی جھلکتی ہے۔ سوا آنچل

کا ہر سرورق ہی ہمیں محبوب ہے جنوری کے سرورق پر سانولی سلونی

حسین اپنے پرکشش حسن کے سنگ جلوہ گر تھیں۔ فروری کا سرورق محبت

کے سرخ رنگ میں عیاں کرتا صنف نازک کو حسن کے بھی ہتھیاروں

سے لیس لگا۔ مارچ کے سرورق کے تو انداز ہی کبھی نرالے تھے اپریل

کے سرورق پر عروسی حسن کا شاہکار موجود تھا کہ اس پر تو میرا دل بھی جی

جان سے آگیا تھا۔ مئی کے سرورق پر موجود دوشیزہ تیز طرار اور غصے کی

بجلیاں گر لیتی محسوس ہوئی۔ جون کا سرورق موسم گرما میں مل جانے والے

ٹھنڈے شربت کی طرح تھا۔ جولائی کا بھی ٹھیک لگا۔ اگست کا مسکراتا

پیام تھا۔ ستمبر پر گاؤں کے حسن کا سافطری رنگ عیاں تھا۔ اکتوبر کا کیا

بتاؤں کہ کیسی شان سے سورج کی کرنوں کی مانند آنکھوں پر آ کر ٹھہر گیا

تھا۔ نومبر کے سرورق پر عقاب سی نگاہیں تھیں۔ دسمبر کا سرورق بانفس

نفس باوقار مہذب خوب صورتی کے علی نمونے سے مزین تھا۔

باکمال ہے بے حساب ہے۔ ہر سرورق تیرا جواب ہے۔

(۴) کرپسی پڑھ کر گا جر کا حلوہ تیار کیا تھا جسے حرا کے علاوہ سب نے

ہی کھایا تھا۔ چونکہ محنت کے ساتھ درود پاک کی برکت بھی شامل تھی

پھر لذت کیونکر نہ ہوتی۔ رگ جاں گڈی نے تعریف کی بچوں نے

حزے کیے تنقید کا سامنا نہیں ہوا بس تم بالائے تم حرا نے چکھا تک

نہیں جس پر گڑیا باجی کو بھی خوب ملال رہا تھا۔

(۵) سسرال ہے نہیں سوا لطف زیست پر قرار ہے۔ ہر کیف گھر

میں امور خانہ داری سنبھالتے جب پہلی بار روٹی بنائی تو بھائی نے کہا کہ

”گول نہیں ہے“ جس پر بابا جان کلیہ کہنا حرا بچے کا سیروں خون

بڑھا گیا ”میری بیٹی روٹی جلی ہوئی بھی پکائے گی تو میں وہ بھی کھاؤں گا۔“

(۶) دوست کا پیغام آئے میں اگر پسندیدہ مصنفین کی تحاریر سے

چند سطریں بھی قارئین بھیج کر میں تو لطف دو بالا ہو جائے یہ بھی ممکن

ہے ان سطروں کو پڑھ کر وہ شخص بھی تحریر پڑھنے پر آمادہ ہو جائے جو

مصروفیت یا کسی اور امر کے باعث نہ پڑھ سکا ہو۔ پھر کیا خیال ہے۔

(۷) احباب من جب یاد رکھتے ہیں تو دل کی دیواریں پر بہت

سے ان کہے احساسات بھی رقم ہونے لگتے ہیں اور اس روز کے

شفاف آئینے پر اپنا عکس دکھلاتی یادوں کے منظر جب بھی عیاں ہوتے

ہیں تو ایک نادیہ خوشی ہوتی ہے جس کے ہمراہ ہن پر محبت اپنے تغیرات

لکشی سے وقوع پذیر کرتی رہتی ہے۔

اس شعر کے ساتھ اجازت







رکھے، آپ کو مبارکباد دے اور تحائف دے۔

آپچل ڈائجسٹ اور پوری ٹیم کو میری جانب سے سالگرہ کی ڈھیروں مبارکباد۔

### سندھ مرتضیٰ..... کراچی

(۱) آپچل سے تعلق سمیرا شریف طہر کی وجہ سے بنا ان کا ”ٹوٹا ہوا تارہ“ شروع ہوا تھا تو میں نے آپچل ڈائجسٹ لینا شروع کیا کیونکہ سمیرا کا ”یہ چاہتیں یہ شدتیں“ میں کتابی شکل میں پڑھ چکی تھی اور تب سے ان کی فین تھی اور فیس بک کے ذریعے جب پتا چلا کہ ان کا نیا ناول شروع ہو رہا ہے تو میں آپچل کے لیے بغیر نہیں رہ سکی اور بعد میں پتا چلا کہ میری اور بھی کچھ پسندیدہ رائٹر بھی یہاں لکھتی ہیں یوں آپچل سے وابستگی ہوئی جو شادی کے بعد بھی برقرار رہی ماشاء اللہ۔

(۲) مجھے لکھنے کا شوق نہیں ہے صرف پڑھنے کا ہے پڑھ کے اس رائٹر سے کہانی دیکھ کر تیرہ کر لیڈائن ٹیڈ کر لی بس ہی کا شوق ہے۔ (۳) ٹائٹل دیکھنے کا اب موقع نہیں ملتا کیونکہ ڈائجسٹ بیڈ پر لاتے ہی میری بیٹی ملیحہ آگے پیچھے کے عجز پھاڑ لیتی ہے اکثر ڈائجسٹ کے تو اس سوال کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

(۴) بہت ساری ٹرائی کی شادی سے پہلے بھی بعد میں بھی الحمد للہ پہلی ڈش بہاری چکن تھی جو آپچل سے دیکھ کے ٹرائی کی تھی۔

(۵) بہت ٹینشن تھی جب پہلی بار کھیر پکارتی تھی جبکہ سب کچھ میری سندوں نے کیا تھا میں نے صرف چھچھو چلاپا تھا میں اپنی بہنوں سے کہنا چاہوں گی کہ سسرال میں ہر ہر موقع پر ٹینشن ہوگی تو آپ لوگ گھبرا میں نہیں بلکہ صرف اللہ سے دعا اور اس کے کلام کے ذریعے مدد مانگیں اللہ ہر جی ہر بہن کا نصیب بہترین کرے آمین۔

(۶) نہیں آپچل میں کوئی تبدیلی نہیں چاہتی، بس دعا ہے کہ آپچل کا معیار دن گزرنے کے ساتھ بڑھے آمین۔

(۷) شادی سے پہلے منائی تھی پر اب نہیں مناتی کیونکہ اسلام میں اس کی کوئی منجائش نہیں ملتی اللہ ہم سب کو ہدایت کی راہ پر چلنے کی توفیق دے آمین۔

آخر میں آپچل کی ٹیم، آپچل کے رائٹرز اور آپچل کے ریڈرز کے لیے دعائیں اور نیک تمنائیں خوش رہیں۔

### فرح بھٹو..... حیدر آباد

(۱) آپچل سے وابستگی کی وجہ اس کی معیاری کہانیاں ہیں جو نہایت مہذب اور لطیف برائے میں قاری کے دل کو چھو جاتی ہیں اور آپچل سے میں اپنی بہن کے توسط سے حریف ہوئی۔ میری بہن کو ڈائجسٹس پڑھنے کا بہت شوق تھا سو ایک دن اس کا شوق میرے ہاتھ لگ گیا پھر یہ شوق جنوں بن گیا۔

(۲) کوئی ایک تحریر یا مضمون نہیں ہیں جن کو پڑھ کر میں نے لکھنا

چاہا ہو۔ جب آپ مسلسل اچھا ادب پڑھتے رہتے ہو اور آپ میں اللہ نے لکھنے کی صلاحیت رکھی ہے تو آپ کے اندر کا لکھاری خود بہ خود انگڑائی لے کر بیدار ہو جاتا ہے۔

(۳) ڈسمبر کا ٹائٹل اچھا لگا۔ (۴) میں اکثر ڈشز ٹرائے کرتی ہوں آپچل کے سلسلے ڈش مقابلے سے۔ بہت اچھی بنتی ہیں۔

(۵) میں نے سسرال میں بہت دیر بعد کھانا پکایا۔ یہاں باورچی موجود تھا۔ سو اس نے جس دن چھٹی کی تب مجھے موقع ملا اور اس دن میں نے کچن کڑھائی پکائی تھی جو سب کو پسند آئی۔

(۶) آپچل کے سب سلسلے مجھے بے حد پسند ہیں اور اپنی جگہ پرفیکٹ ہیں۔ ایک کی تھی وہ بھی آپ نے پوری کر دی کہ لکھاری اپنی قابل اشاعت اور ناقابل اشاعت تحریریں آپچل میں دیکھ لیتے ہیں اور اس طرح طویل انتظار کی زحمت سے بچ جاتے ہیں۔

(۷) سالگرہ تو وہی تھی جو بچپن میں منائی جاتی تھی۔ تب تو جنم دن کے موقع پر ایسا لگتا تھا کہ آسمان سے کوئی پری اتر آئی ہے اتنی زیادہ ہمت ملتی تھی لہذا کی طرف سے اور بہت زیادہ اہتمام کیا جاتا تھا بڑے ہو کر بھی بہت اچھا لگتا ہے۔ سالگرہ دل لہان اپنے اور دوست احباب یاد رکھتے ہیں ڈھیر ساری ڈشز وغیرہ ملتی ہیں پر بچپن کا اپنا مزہ تھا۔

### حنظلہ اشرف..... کوٹ لہو

(۱) پہلے پہل تو بس آپچل میں شامل تمام سلسلوں کو پڑھتی تھی سوائے تحریروں کے تمام ناولز کے ٹائٹل شوق سے دیکھتی تھی۔ پھر بعد میں پڑھنا شروع کیا تو بس ایسی شروعات ہوئی کہ ختم ہی نہ ہو سکی ہاں سے وابستگی کی وجہ یہ کہ ڈائجسٹ بہت پسند ہے میری کزن رضوانہ ہاجی جو کہ میری دوست بھی ہیں انہی کے ذریعے اور بڑی بہن اقراء کے ذریعے آپچل سے شدتہ جزا۔

(۲) میری کوشش ہوتی کہ ڈائجسٹ میں شامل تمام تحریروں کو قیود محبت سے پڑھوں اور پڑھتی بھی ہوں آپچل میں بھی تقریباً سب دائرز کی تحریریں پڑھ رہی ہیں۔ ہمیشہ اچھی تحریریں پڑھ کر بہت اچھا لگتا ہے۔ لکھنے کا شوق تو بہت پہلے سے تھا تب ڈائجسٹ بھی نہیں پڑھتی تھی صرف بچوں والی کہانیاں پڑھتی تھی ہمیشہ دل میں خواہش جاتی کاش میں بھی کچھ لکھ سکوں۔ جو بھی اچھا لکھتی ہیں ان سے متاثر ہوں۔

(۳) تقریباً سب ہی ٹائٹل اچھے لگے۔

(۴) ڈش مقابلے والے سلسلے کو بھی کبھاری پڑھتی ہوں، سلسلے میں شامل کبھی کوئی ڈش تیار کرنے کی کوشش نہیں کی مگر کچھ آؤٹسٹل پکاتا ہوں ترکیب نامی جی سے پوچھ لیتی ہوں۔

(۵) فی الحال یہ تو یاد نہیں کہ کچن میں جا کر سب سے پہلے کیا پکایا تھا۔ بڑی بہن اقراء اور میں کافی شرمیلی ہوتی تھیں تو مل کر آئے روز



کچھ نہ کچھ پکالیتی تھیں وہ اس لائق ہوتا تھا کہ خود پکاتے تھے اور خود ہی کھاتے اور حریفیں کرتے تھے۔ الحمد للہ ابھی تو والدین کے گھر راج کر رہے ہیں۔ آپ نے سوال پوچھا تو جواب بھی دینا ہی پڑے گا سسرال جا کر سب سے پہلے وہ ڈش پکالوں کی جو سب کی فرمائش ہو گی ویسے مجھے تو بریانی زیادہ پسند ہے (آہم آہم)

(۶) آنچل کے مستقل سلسلے سب ہی اچھے ہیں اور مجھے پسند ہیں۔ سوان میں کوئی تبدیلی نہ لائی جائے۔

(۷) اپنی سالگرہ والے دن بھی بے پناہ خوش تو کبھی بہت اداس۔ اگر انہوں کا ساتھ میسر ہو تو ہر دن پر مسرت ہوتا ہے الحمد للہ مجھے ہمیشہ چاہنے والوں کا ساتھ ملا ہے کبھی اگر خوش نہ بھی ہوں تو سب کھلکھلانے پر مجبور کر دیتے ہیں ہر خوشی کے موقع پر میری پیاری بہنیں میرے ساتھ ہوتی ہیں تو سالگرہ کا دن بھی اچھا گزرتا ہے۔ اپنے احساسات کو لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی۔

### انجمن خان..... آسٹریلیا

(۱) آنچل سے وابستگی ۲۰۰۴ میں ایک رشتے دار کے ذریعے ہوئی جو میری بہن اور کزن کو کہانیوں کے بارے میں اس انداز سے بتا رہی تھیں کہ تھوڑے فاصلے پر بیٹھے ہونے کے باوجود میں دلچسپی سے انہیں سن رہی تھی۔ بس پھر جب بہن نے ڈائجسٹ منگولیا تو اس کے پڑھنے کے بعد میں نے بھی ڈائجسٹ پڑھا اور پھر ہر گزرتے ماہ کے ساتھ آنچل سے تعلق مضبوط ہوتا گیا۔

پہلی کہانی کا نام تو یاد نہیں لیکن اس میں ہیر و کا نام ضمائر شاہ تھا۔ اس وقت سب قسط وار آدمی سے اوپر ہو چکی تھیں سو صرف ناول اور افسانے پڑھتی اور وہ بھی پہلے اینڈ چیک کرنے کے بعد سیڈ اسٹوریز تب زیادہ پسند نہیں تھیں۔ البتہ اب اپنا ہاتھ دھکی موڑ پر ہی قلم سے ہٹاتی ہوں اور زندگی میں ایک ہی قسط وار ناول پڑھا، اس کا ذکر نہ کرنا نا انصافی ہے ”محبت دل پہ دستک“ آج بھی وہی فیورٹ ہے۔

(۲) کسی ایک کا نام تو نہیں بتا سکتی لیکن مجھے عالیہ حرا کا انداز تحریر بہت پسند ہے ہلکا پھلکا سا اسی لیے میری کوشش ہوتی ہے انہی کی طرح ہلکا پھلکا لکھوں۔

(۳) آسٹریلیا آنے کے بعد ایک ڈائجسٹ بھی قریب سے نہیں دیکھا لیکن دسمبر ۲۰۱۶ میں میرا افسانہ تھا اسی کو کئی بار غور سے دیکھا۔ بیسٹ ٹائٹل اسی کو کہوں گی۔

(۴) شادی سے پہلے اور بعد تک کھانے پکانے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ قسمت بھی الحمد للہ اچھی تھی کہ سسرال میں بہن کا ساتھ نصیب ہوا، وہ ہی کھانا وغیرہ پکاتی، ڈشز ٹرائی کرتی جو کہ بہت اچھی بنتیں۔ لیکن اب پچھلے کئی سالوں سے بچوں کے لیے (اکیلا ہونے کی وجہ سے) خود کو تنگ کرنی پڑتی ہے سو اب کبھی کبھی پکالیتی ہوں اور ماشاء

اللہ کافی اچھا بنالیتی ہوں۔

(۵) یہاں آنے کے بعد کچن میں پہلا دن اچھا تھا، بھائی نے بہت تعریف کی (وجہ تین سال سے گھریلو کھانے سے دوری تھی) خیر اب جب سب پکانا آ گیا ہے تو کچن میں جانا بھی اچھا لگتا ہے اور بچوں کے لیے کھانا پکانا بھی بہت اچھا لگتا ہے۔

(۶) آنچل جیسا ہے پرفیکٹ ہے۔

(۷) اچھا لگتا ہے بہت اچھا لگتا ہے جب کوئی دوست ڈش کرے دل سے ان کی محبت کی مقروض ہوتی ہوں۔ لیکن سب سے زیادہ جس کے ڈش کرنے کا انتظار ہوتا ہے وہ شخص (شوہر صاحب) کبھی یاد ہی نہیں رکھ پائے ڈیٹ۔ سوان سے ٹائم گزرنے کے بعد گلہ کرتی ہوں۔ اور سات سال گلہ کرنے کے بعد اب امید ہے اگلی بار انہیں یاد ہوگا۔ اور جس دن انہوں نے ڈش کیا بے شک سب سے آخر میں ہی سہی لیکن وہ دن بہت خوب صورت ہوگا۔

### فوزیہ احسان رانا..... حاصل پور

(۱) آنچل سے وابستگی کافی پرانی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے آنچل سب کو اپنی محبت کے آنچل تلے بہت اپنائیت سے سمیٹ کر رکھتا ہے آنچل سے رشتہ ایسے جڑا کہ میری پھوپھو راحت آنچل پڑھا کرتی تھیں بس وہی ذریعہ بنی ہیں۔

(۲) سعدیہ اہل کاشف بہت اچھا لکھنے والی ہیں عشنا کوثر سردار بھی منفرد طرز تحریر کی مالک ہیں بہت سی سینئرز اور اچھا لکھنے والی رائٹرز کو پڑھا تو لکھنے کا شوق ہوا۔ احساس اجاگر ہوا کہ میں بھی لکھ سکتی ہوں۔

(۳) ۲۰۱۶ء کا نومبر کا ٹائٹل مجھے بہت پسند آیا۔ میں اسے بیسٹ قرار دوں گی۔

(۴) ایک دفعہ گلاب جاسن بنانے کی ترکیب آنچل میں بتائی گئی تھی اور میں نے ٹرائی کی تھی بس ٹھیک ہی بن گئے نہ تعریف ہوئی نہ تنقید۔

(۵) اسور خانداری میں سب سے پہلے بریانی بتائی تھی اور سسرال میں پہلی ڈش کھیر پکائی تھی اور میں اسے سسرالیوں کو اکثر کھانے پر انویٹ کرتی رہتی ہوں اس لیے کوئی ایسی چیز نہیں جو پکا کے کھلانے کی حسرت ہو۔ ساتھ ہی ہیں سب۔ دعوتیں چلتی رہتی ہیں ماشاء اللہ

(۶) آنچل کے سارے سلسلے ہی بہترین ہیں رائٹر اور قاری کو جگہ ملتی ہے کوئی تبدیلی نہیں چاہوں گئی۔

(۷) اپنی سالگرہ کے دن کیک کا منچے ہوئے احساس ہوتا ہے کہ ایک سال اور گزر گیا جذبات یہ ہوتے ہیں کہ یا اللہ اگلا سال اس دن اماں سے گزر جائے۔ اللہ ہم سب پر اپنا خاص کرم رکھے۔

(بانی مئی کے شمارہ میں)





# زندگی تنگ

ایڈمنسٹریشنل

پچھ سال کی ہوگی۔ ہم لوگ سی سائڈ کچن پر گئے تھے اس نے مجھ سے ریت کا گھر بنانا پلانے کی فرمائش کی میں نے جلد بازی میں ایک گھر بنادیا اور اس میں ہاتھ مار کے ایک حواڑ بنایا اس نے پتا ہے مجھ سے کیا کہا؟

کا کا اس گھر میں تو جو رہے گا اس کا تو دم ہی گھٹ جائے گا اس میں تو کوئی کھڑکی ہی نہیں ہے تو اسے ہوا ہی نہیں ملے گی اور میں اتنی چھوٹی سی بچی کے منہ سے یہ بات سن کر حیران رہ گئی تھی اور میں نے بند کھڑکیاں کے نام سے ایک افسانہ لکھا کیا پتا تھا کہ یہ اس کی اپنی کہانی بن جائے گی۔ دس سال پہلے بیس سال کی عمر میں اس کا برین ہیمرج میں منتقل ہو گیا۔ صرف بند کھڑکیوں کی وجہ سے۔  
تو یہ ہوتی ہے میرے لکھنے کی وجہ۔

## عفت سحر ظاہر

اسلام علیکم میں نے آج تک خود کی کہانی نہیں لکھی مگر ہر کردار میں رائٹر کی اپنی ہی جھلک ہوتی ہے۔ ہر کردار کا فیصلہ رائٹر کا فیصلہ ہوتا ہے میں خود کو کردار کی جگہ رکھ کر سوچتی ہوں کہ اس کی جگہ میں ہوتی تو کیا کہتی یا کیا فیصلہ کرتی۔  
زندگی کے واقعات تو نہیں مگر عاقبتوں کی جھلک تو کہانی میں لازمی ہے۔ میرا سٹینس آف ہیویر بالکل ویسا ہی ہے جیسا میرے کرداروں کا۔ میں رشتوں کے متعلق ویسی ہی کیرنگ ہوں جیسے میرے کردار رائٹر کے پازٹیو کردار حقیقت میں خود رائٹر ہوتا ہے غلط کردار کو سمجھانے والا کردار رائٹر کی اپنی ذات ہوتا ہے وہ کہانی بن ہی نہ پائے۔

ہاں جی بالکل۔ خاص طور پر قسط وار لکھتے ہوئے بہت اونچ منٹ ہو جاتی ہے کرداروں کے ساتھ۔ ہر کسی کی خوشی۔ خوش اور غم لو اس کرتا ہے۔ میری خوشی یا غم نے آج تک میری تحریر کو متاثر نہیں کیا۔ میں جیسا لکھنا چاہتی ہوں ویسی لکھتی ہوں۔

محبت ہاں۔ یہ واحد عنصر ہے جو میں اپنی لائف میں سے اپنی کہانیوں میں ڈالتی ہوں۔ ہمیں اکثر پوچھا جاتا ہے کہ آپ دونوں کی لومیرج ہے؟ تو اپنے میاں صاحب کے بہت سے جملے میں ہیرو سے کہلوانی ہوں ہلہلہا میرے سوٹ والے ہیرو اس لیے بہت پر اعتماد لوگ اور کیرنگ ہوتے کہ میرے ہسپنڈ ماشاء اللہ سے ایسے ہیں۔ امید ہے کہ آپ کی تشفی ہو گئی ہوگی ان جملات سے خوش رہیں۔

## فاخرہ گل

میرا نہیں خیال کہ رائٹر کے لیے کسی بھی طرح کرداروں پر اثر

آنچل کے آفیشل گروپ پر آپ کے پسندیدہ مصنفین سے ان کی تحریروں کے حوالے سے ہمارے آفیشل گروپ اور چیچ کے ایڈمنسٹریشنل ایک ایڈیشنل سروے کا اہتمام کیا۔ اس سروے میں بہت سے نوآموز رائٹرز نے بھی حصہ لیا۔

سروے کا سوال یہ ہے۔

ہر انسان کو زندگی کے واقعات پوری جزئیات سے یاد رہتے ہیں چاہے وہ بچپن کے ہوں یا زندگی میں آنے والے دوسرے عوار سے ہوں تو کیا ہماری رائٹرز اپنے زندگی میں گزرنے والے واقعات، خوشیاں، غم، محبتیں، عادات میں اپنی کہانیوں میں شامل کرتی ہیں؟ کیا آپ کی کہانی کے کرداروں میں آپ کا عکس جھلکتا ہے؟ کیا آپ کی خوشیاں کرداروں کے ساتھ مست مگن ہوتی ہیں اور آپ کے غم آپ کے کرداروں کو بخیمہ کرتے ہیں؟ اس سروے میں مصنفین کی جانب سے موصول ہونے والے جوابات قارئین کے لیے پیش کئے جا رہے ہیں۔

## سیما مناف

میں نے ہمیشہ لوگوں کے دکھوں پر لکھا ہے انسان کا مشاہدہ وسیع ہو اور اور وہ حساس بھی ہو کہانی بن جاتی ہے میں ہر افسانہ اور ڈراما اسی کیفیت میں لکھتی ہوں۔

رخسار وٹے ٹے پر میری خالہ زاد بہن کی کہانی تھی بے خودی میں نے ایک اخبار میں ایک خبر پڑھ کر لکھ دیا خبر پڑھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے کیا محبت اتنی جنونی بھی ہو سکتی ہے؟ کیا اس سے پہلے عورت کو محبت کے نام پر نہیں لوٹا گیا؟ دوشیزہ ڈائجسٹ میں مجھے اس پر ایوارڈ ملا۔ پسندیدگی کے باوجود کچھ لوگ اس پر باتیں بھی بنا رہے ہیں کہ محبت کرنے والا ہیرو ایسا کیسے کر سکتا ہے تو کیا لڑکیوں کے ساتھ ایسی زیادتیاں نہیں ہوتیں؟ پلیز اس کے اینڈ تک صبر کریں مجھے یقین ہے کہ اس ڈرامے کو لکھنے کا مقصد آپ کو پتا چل جائے گا۔

اسی طرح بند کھڑکیاں جو میں ہم ٹی وی کے لیے لکھ رہی ہوں۔ اس کا پس منظر کئی سالوں پہلے میری اکلونی بھانجی حرا کی ایک چھوٹی سی بات پر لکھا ہوا ایک افسانہ تھا وہ اس وقت صرف پانچ یا



میں ہیں بہت خوشی کے پل بہت دکھ کے لمحات ٹھوکر سے ملا سبق یا کوئی یادگار بات جس نے مجھے کچھ سکھایا ہو۔

میں نے جب بھی لکھا بدل سے لکھا ہاں یہ قبول ہے کہ پہلے بے حد حیالی دنیا میں رہتی تھی۔ سب کو اپنی طرح بے لوث گمان کرنی تھی۔ رائٹر میرے لیے باورائی مخلوق تھیں۔ میں نے شاید یہ جو ہدہری کو پڑھ کے رسالے پڑھنا شروع کیا۔ یہ کہا جائے کہ میں صرف ان کی تحریر کے لیے دس سالہ لیتی تھی تو بے جا نہیں ہوگا۔ آج وہ ہم میں نہیں۔ اللہ انہیں جنت میں جگہ دے۔ بے حد افسوس کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ ان سے کبھی بات نہ ہو سکی۔

بات ہو رہی تھی خیالی دنیا کی لیکن جب چھوٹی سی عمر میں ایک معتبر ادارے کی اسٹنٹ ایڈیٹر بنی تو جیسے ساری رعنائی کی قلمی کھل گئی۔ ادبی لوگوں سے بڑا بے ادب کوئی نہیں جب کھلا تو دل اتنا برا ہوا کہ لکھنا چھوڑ دیا۔ جن کو آپ **ماورائی مخلوق** سمجھیں وہ گری ہوئی حرکت کریں تو ان سے زیادہ آپ ہرٹ ہوتے ہیں کہ انہیں بہت لونچائی پہ کھاتھا۔ برداشت نہیں ہوتا۔

پھر پچھلے سال کم بیک کیا کہ سب ہضم کرنے میں دس سال لگ گئے اور میں بھی اچھوڑی سے نکل آئی تھی۔  
میری ہر تحریر کسی جملے واقعے روئے کی مرہون منت ہوتی ہے۔  
میں نے کبھی بھی صفحے بھرنے کے لیے نہیں لکھا۔  
میں اپنے کرداروں کے ساتھ ہستی ہوں ان کے ساتھ روتی ہوں۔ ابھی میرے قاتل مجھے جینے کا حق تو دو آنسوؤں کے بیج لکھنا ختم ہوا۔ لکھ ہی نہ سکی اور آنسو پیر پہ گر رہا تھا۔ مجھے کرداروں کا دکھ اپنا دکھ محسوس ہوتا ہے۔ ہیر و کار و مینک جملہ مجھے شرمانے پہ مجبور کر دیتا ہے۔ تب ہی شاید ریڈرز نے بہت کم لکھنے کے باوجود مجھے یاد رکھا ہوا تھا۔

میری محبت، شدت سب میری تحریر میں جھلکتی ہے۔ میری ہیروئن کا ہر محاذ پہ ثابت قدم رہنا، سچ بولنے سے ناڈنا، ہیرو کو چیلنج کرنا، مکے مارنا ان سب میں رحمانہ آفتاب موجود ہے۔ جو چیز دل سے لکھی جائے وہ دل تک ضرور پہنچتی ہے۔ یہ میرا ایمان ہے۔

سعدیہ عابد

سعدیہ عابد جو ایک عام لڑکی ہے وہ کسی بھی تحریر میں آپ کو نہیں ملے گی کیونکہ ہم اپنی ذات پتال نہیں لکھتے کہ ہمیں ملتا ہے کہ فکشن زیادہ تر تخیل اور مشاہدے کے ذریعے تخلیق ہوتا ہے اور ذات کا عکس تو سوانح عمری میں اتارا جاتا ہے اس لحاظ سے ہم اپنے کسی بھی تال میں نہیں ہیں اپنی فیملی کو کبھی نہیں لکھیں کہ اس کے لیے ڈائری



میں بالکل مانتی ہوں کہ ہر انسان کو اپنے گزرے پلوں میں سے کچھ کچھ واقعات یاد رہ جاتے ہیں بچپن سے لے کر اب تک کی زندگی میں جو بھی ہوا ہوتا ہے چاہے وہ بچہ یا چھوٹی سی چھوٹی خوشی بھی اور بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ ہمیں یاد رہ جاتا ہے دوسروں کو نہیں رہتا۔

اور جب ہم بطور لکھاری کچھ بھی تخلیق کرتے ہیں یونہی ہمارے کردار جو ہم بناتے ہیں ان میں ہم اپنا عکس بھی ڈال دیتے ہیں اور ضروری نہیں کہ صرف اپنا ہی عکس ہو ہمارے ارد گرد اتنے کردار موجود ہوتے ہیں کہ ان کو بھی ہم اپنی تحریروں میں بھر دیتے ہیں۔ کیوں کہ جب ہم لکھ رہے ہوتے ہیں کوئی بھی کردار تو ہمارے دماغ ہمارے ہی ارد گرد موجود لوگوں کو سوچتا ہے اور پھر ان کا مشاہدہ کرتا ہے پھر ہمیں ان کی کوئی خاصیت یا برائی اپنے کرداروں کے لیے پسند آ جاتی ہے اور ہم انہیں لکھ ڈالتے ہیں۔ لکھاری کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ جب وہ لکھے تو اپنے مزاج کو بھی اس حساب سے لکھے۔ میں لکھنے کے معاملے میں زیادہ شوخ نہیں ہوں سنجیدہ موضوعات پر زیادہ لکھا ہے تو اپنے اندر کی تلخیاں یا خوشیاں اس تحریر میں شامل کر دیتی ہوں۔ کچھ تحاریر میری مختلف ہیں جن میں ہلکا پھلکا مزاج بھی شامل ہے تو اس کی وجہ بھی یہی ہوتی ہے کہ ایسا کچھ ہو چکا ہوتا ہے۔

جب ہم اپنے جخلیق کردہ کردار کو لکھ رہے ہوتے ہیں یا ان کے حوالے سے سوچ رہے ہوتے ہیں تو تصور میں وہ کردار آ جاتا ہے اور جو ہم نے اُس کے حوالے سے لکھا ہوتا ہے وہ ویسی ہی حرکتیں کر رہا ہوتا ہے ہمارے تخیل میں تو جناب کوئی کبھی کردار ہو ہم بھی اُس کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں اور اُس کو محسوس کرتے ہیں جیسے کہ وہ کردار ہمارے ساتھ ہی موجود ہو۔

جیسا کہ میں نے بتایا کہ ہم لکھتے ہوئے اُن کرداروں کو تصور کرتے ہیں تو اُن کے جو حالات ہوتے ہیں اُسے محسوس بھی کرتے ہیں۔

بھئی ایک بات بتاؤ۔ جب آپ لکھتے ہو تو کیا صرف تمخیاں،  
اپنے اندر کی اداسیاں، ناکامیاں ہی لکھتے ہو؟ نہیں ناں؟ ہمیں خود کو  
خوش رکھنا ہوتا ہے تو اس حساب سے اپنے کرداروں کو بھی خوش دینی  
ہوتی ہے پھر وہ چھوٹی سی چھوٹی خوشی ہی کیوں نہ اُس میں جب  
محبت کا رنگ چھلکتا ہے تو بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ میری کوشش  
یہی ہوتی ہے کہ میں جو کبھی لکھوں اچھا لکھوں بے شک وہ محبت پہ  
ہو یا معاشرتی لیکن ہر کردار اچھا ہو سادہ ہو معصوم سا ہو۔ کوئی کردار برا



بھی ہوتا ہے اس میں بھی اس کی یہ خوبی ہی تو ہوتی ہے۔  
میں رومانوی کہانیاں نہیں لکھ سکتی لیکن کوشش کرتی ہوں کہ کچھ  
رنگ بھروں اور جب میں نے یہ کوشش کی تو میری پڑھنے والیوں  
نے مجھے جو کہاں چھوڑیں۔ مجھے تو پچی شرم آتی ہے ضروری نہیں کہ  
رومانوی کا مطلب غلط اخذ کیا جائے، رنگ و بہار، پھول، سمندر  
نظارے بہت سی چیزیں ہوتی ہیں جن کی منظر کشی کر کے آپ کچھ  
رومانوی انداز دے سکتے ہیں۔

### فرح طاہر

بالکل ایسا ہی ہوتا ہے کہی نہ کہی کسی نہ کسی لفظ میں کردار میں  
رائٹر خود کو بیان کر جاتی ہے۔ ہمارے رائٹرز سے جڑے واقعات، اُن کی  
خوشی اُن کے غم کا کہانیوں سے جڑے سوال کا تو ایسا بالکل ہوتا ہے،  
اکثر ہم سے جڑایا ہمارے ارد گرد ہوتا چھوٹا سا واقعہ چھوٹی سی بات  
پوری کہانی لکھنے کا سبب بن جاتی ہے۔ چھوٹے سے پوائنٹ کنوٹ  
کر کے ہم کہانی بنا ڈالتے ہیں۔ اور جب میں کہانی لکھتی ہوں تو میں  
پوری طرح خود کو اپنے کرداروں میں اپنے لفظوں میں ڈھال لیتی  
ہوں ایسے میں میری خوشی میرا غم میری کہانی کے کرداروں میں ڈھل  
جاتا۔ جہاں میں خوش ہوتی وہاں میرے لفظ کھلکھلا اٹھتے ہیں اور  
جس لمحے میں اداس ہوتی ہوں میرے لفظ سنجیدگی کا لبادہ اوڑھ لیتے  
ہیں۔ البتہ میری پوری کوشش ہوتی میرے لفظ بھلے سے اداس ہوں  
مگر ممکن نہ ہوں۔ پھر جب بات آتی کرداروں کی تو میں اپنی کہانی  
کے کرداروں کے سنگ ہنستی بھی ہوں جہاں وہ اداس ہوتے تو اُن  
کے دکھ پر باقاعدہ ممکن نہیں ہوتی ہوں۔ اس سارے مرحلے میں یہ  
بات کہنا بالکل بجا ہے کہ ایک لکھاری اپنے ہر کردار میں اپنے ہر لفظ  
میں موجود ہوتا ہے۔ ابھی تک میں خود اپنے اوپر کوئی کہانی نہیں لکھ  
سکی ہوں ہاں مگر میری بہت سی کہانیاں میں نے اپنے ارد گرد سے  
اصل مواد اٹھا کر لکھی ہیں اور ہوتا بھی یہی ہے۔ میں پوائنٹ تو اصل  
ہی ہوتا ہے پھر کہانی کی باقی ایجنڈیشن تصوراتی ہوتا ہے جس میں  
بہت سی جگہوں پر لکھاری کبھی کسی کردار میں اپنی عادت کو نمایاں  
کر جاتا ہے۔ اور کبھی کبھی اپنی کہانی کے کسی ایک کردار میں مکمل طور  
پر خود کو بیان کر جاتا ہے۔

اور آپ کا آخری سوال کہ کیا ہماری محبتیں ہماری کہانی کو رنگین  
بناتی ہیں ہاں ایسا بھی ہوتا ہے کبھی کبھی ہماری محبتیں ہمارے  
کرداروں کو رنگین کر دیتی ہیں۔ مگر اصل میں جب رائٹر پوری طرح  
خود کو کرداروں میں ڈھال کر کہانی لکھتا ہے تو اُس وقت کرداروں کی  
محبت ہمیں رنگین بنا کر چپکے چپکے مسکرانے پر مجبور کر دیتی ہے اور

جب ہم اس طرح مسکرا کر اپنے کردار کی محبت میں گم ہوتے ہیں تو  
انجان لوگ ہمیں مشکوک نظروں سے دیکھنا شروع کر دیتے ہیں تب  
ہمیں انہیں سمجھانا پڑتا ہے کہ جی ہم بطور لکھاری اپنے لکھے ہوئے  
کردار سے محبت ہو گئی ہے یا ہو رہی ہے اس سے آپ خود اندازہ لگا  
سکتے ہیں کہ لکھاری اپنی کہانیوں میں کس حد تک موجود ہوتا ہے۔

### نفیسہ سعید

کہاں میں میرے کردار میرے اُس پاس سانس لیتے ہیں۔ میں جو  
کچھ لکھتی ہوں اس میں میری زندگی کا ہر ایک لمحہ شامل ہوتا ہے۔

### ماہم علی

ہاں جی ہم جو کچھ اپنے ارد گرد دیکھتے ہیں وہی لکھتے ہیں۔ میں  
نے زیادہ نہیں لکھا مگر جتنا بھی لکھا اس میں نصیحتیں ہی لکھیں تو میں  
خود ایسی ہوں تو ویسا ہی لکھا۔ اور واقعی لکھتے وقت کرداروں کے ساتھ  
محبت ہو جاتی ہے۔ وہ خوش ہوں تو ہم مسکراتے ہیں وہ دکھی ہوں تو  
ہمارا چہرہ بھی غم کی تصویر بنا ہوتا ہے۔

### ثمینہ فیاض

جی میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ حقیقت ہر انسان اپنے  
اند ر مثبت اور منفی پہلو دونوں پہلو رکھتا ہے۔ جب ہم منفی کردار لکھتے  
ہیں تو چاہے ایجنڈیشن ہی کیوں نہ ہو سوچ رائٹر ہی کی ہوتی ہے اسی  
طرح جب کوئی مثبت کردار لکھتے ہیں تو رائٹر کی پوزیٹو سوچ جاگ  
جاتی ہے۔ ارد گرد کا ماحول اور واقعات بھی اپنا اثر ڈالتے ہیں۔ اور خود  
پر بیتی بھی کبھی ذہن کے کسی کونے سے باہر جھانکتی ہے تو کاغذ پر خود  
باخود قلم بند ہو جاتی ہے۔

### بشری گوندل

میرے زیادہ ناگزیر کامیڈی ہیں۔ مجھے کامیڈی لکھتے ہوئے  
زیادہ مزا آتا ہے۔ لیکن عام لائف میں بہت سیریس ہوں۔  
سیریس اسٹوریز لکھتے ہوئے میں کافی اداس ہو جاتی ہوں بلکہ  
رونے لگ جاتی ہوں۔ فل اسٹوریز تو میں نہیں لکھتی لیکن کچھ ایلاگز اور  
کرداروں میں رائٹر موجود ہوتا ہے۔

### دابعہ افتخار

کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی کردار میں رائٹر موجود ہوتا ہے۔ میں  
نے کم لکھا لیکن وہی لکھا جو دل سے محسوس کیا۔ اپنے ارد گرد چلتی  
پھرتی کہانیوں کو پہلے خود پڑھا پھر لکھا۔

### رضوانہ آفتاب

جہاں تک میری کہانیوں کی بات ہے مجھے اپنی کہانیوں میں اپنا  
عکس نہیں دکھتا (یہ میری خودی رائے ہے) کیونکہ سنا چاہتے ہوئے



رائٹر کبھی بھی ماحول اور ارد گرد سے کٹ کر نہیں لکھتا، ہم جو لکھتے ہیں وہ کہیں نہ کہیں حقیقت میں ہو رہا ہوتا ہے۔ ابھی حال ہی میں کرن ڈائجسٹ میں میرا افسانہ ”ردائے شہر“ شائع ہوا ہے جو کہ حقیقی کہانی تھی۔

جی ہاں تحریر موڈ پر بہت ڈیپنڈ کرتی ہے اور میرے کردار میرے دل کے بہت قریب ہیں ان کی خوشیوں پر ہنستی ہوں اور دکھوں پر روتی بھی ہوں۔

### عائشہ پرویز صدیقی

میں اپنی تحاریر میں کرچکی ہوں یکا مل اور مزے کی بات پکڑ میں بھی آگئی۔

### مسکان احزم

میں تو ابھی چھوٹی سی رائٹر ہوں۔ میرا پہلا سلسلے وار ناول ”مہر و وفا“ بھی میرے قلم سے بتدریج تخلیق ہو کر ریڈرز تک پہنچ رہا ہے اس لیے ان سوالوں کا جواب میں اسی ناول کے حوالے سے دوں گی۔ جی بالکل اس کہانی کے کچھ کردار ایسے ہیں جو مجھے اپنے جیسے دکھائی دیتے ہیں۔ جو میرا عکس ہیں۔ ہر کردار کی کوئی نہ کوئی عادت مجھ سے ضرور ملتی ہے۔ مجھے آری سے بہت محبت ہے اس لیے میں اس کہانی میں اپنے کرداروں کے ذریعے اپنے دل کی بات لوگوں تک پہنچا رہی ہوں۔ وہ جو کچھ میں کرنا چاہتی تھی وہ اب میرے یہ کردار کر رہے ہیں۔

میں محبت کے یہ کردار لکھتے ہوئے بہت پر جوش ہوتی ہوں۔ اس لیے میری خوشیاں ان پر اثر انداز نہیں ہوتیں بلکہ ان کی خوشیاں میرے اندر کا موسم بدل دیتی ہیں۔

میرے غم میرے کرداروں کے آگے کوئی معنی نہیں رکھتے۔ یہ اپنی دوش بہد ہے ہیں۔ میرا اس موسم ان پر خزاں مسلط نہیں کر سکتا۔

آخری سوال کا یہی جواب دوں گی کہ میری محبت میرے ناول کے کردار ہیں۔ ان کی ہر محبت جو وہ لوگوں سے کرتے ہیں وہ جو اس ملک سے کرتے ہیں وہ حقیقی زندگی میں مجھ پر بہت گہرے اثرات چھوڑ رہے ہیں۔ ان کی محبتیں میری زندگی کو نکمین بنا رہی ہیں۔

### شہباز اکبر الفت

میں نے ابھی تک جو چند ایک کہانیاں لکھی ہیں ان میں سے کئی ایک جزوی طور پر میری زندگی اور ذات سے ہی متعلق ہیں بالخصوص قسمت کی پڑیا، نئے جوتے اور کہانی کار۔ قسمت کی پڑیا تو خیر میری آپ بیتی کا ہی حصہ تھی لیکن نئے جوتے لگ بھگ اسی فیصد اور کہانی کار بھی تقریباً ستر فیصد میری اپنی کہانی ہے اور ان کا

بھی میرے کرداروں میں دکھ کا عنصر بھر جاتا ہے کہانی غمگین ہو جاتی ہے حالانکہ میں دکھی لڑکی نہیں ہوں شاید کچھ زیادہ حساس ہوں اس لیے ایسا ہو سکتا ہے۔

ہاں کچھ ایسے واقعات کو ضرور اپنی کہانی کا جزو بناتے ہیں جو حقیقی زندگی میں رونما ہوئے ہوں کرداروں کے ساتھ ذاتی وابستگی ہو جاتی ہے ان کے ساتھ ہنستے روتے ہیں واصل یہ ہمارا ہی عکس ہے جو کرداروں میں جھلکتا ہے۔

حقیقی زندگی میں ہم جیسا کر نہیں سکتے کردار کو اپنی جگہ رکھ کر وہ کام کرواتے ہیں دل کو بے حد تسکین ملتی ہے

ہاں بالکل کچھ ایسے ڈائلاگز ضرور ہوتے ہیں جسے میجر سے کافی کر کے ضرور لکھتی ہوں اس سے کہانی میں محبت اور مزاج دونوں کا رنگ عود کر آتا ہے۔

### فدا حسنین

اپنی زندگی میں آنے والے واقعات تحریر نہیں کیے اب تک آگے کروں گی یا نہیں کچھ کہہ نہیں سکتی۔ میری کہانی کے واقعات زیادہ تر سبجڈ ریز پر مبنی ہوتے ہیں جیسے سختیاں جھیل کے سونا قیمتی بنتا ہے میں اپنے کردار بھی ایسے ہی کندن بنتی ہوں۔

میرے ہر کردار میں کہیں نہ کہیں میری جھلک ضرور موجود ہوتی ہے۔ بھلے وہ مثبت کردار ہو یا منفی مگر آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ محبت کا فسانہ یا کبھی کبھی کی ہیر و مندا حسنین کا پرتو ہے ہاں ان میں میری جھلک ضرور موجود ہوگی خوشی کے عالم میں میرے کردار مشکل دور سے گزرتے رہتے ہیں کیونکہ اس مشکل دور کے بعد میں نے خوشیاں لکھنی ہوتی ہیں۔

میرے غم میرے کرداروں کو حساس بنا ڈالتے ہیں میری محبتیں میری کہانی کو خوبصورت بنا ڈالتی ہیں

### حمیرا نوشین

رائٹر اپنی زندگی کے مختلف ادوار میں مختلف کیفیات سے گزرتا ہے اور یہ سچ ہے کہ اس کی تحاریر میں یہ سب جذبات و کیفیات کئی جگہوں پر جھلکتے ہیں۔

دکھ میں وہ جس کیفیت سے گزرتا ہے وہ اسے اپنی کسی بھی تحریر میں ضرور صفحہ بر قراطاس پر بکھیر کر سکون محسوس کرتا ہے اور خوشی کے لمحوں کو الفاظ کا پیرا، ہن اور حاکر تسکین حاصل کرتا ہے کہ میں نے ابھی بہت مختصر لکھا ہے مگر میں نے بہت سی کہانیاں میں اپنی خوشی، محبت و محرومی کے جذبات تحریر کیے۔

### بشوی سیال



مرکزی کردار میں خود ہوں حاصل خود پر جو ہتی ہو، اسے زیادہ صراحت، بہتر تاثر اور جذبات کی چاشنی کے ساتھ تحریر کیا جاسکتا ہے ابھی جو میری دو نئی کہانیاں آرہی ہیں فیک آئی ڈی اور ایک کا ابھی نام نہیں رکھا مان کا بھی میری زندگی سے گہرا تعلق ہے۔

### محمود ظفر اقبال ہاشمی

میں اس سے باہر کچھ نہیں جو کچھ میری تحریروں اور میرے کرداروں کے اندر ہے۔

### افشاں علی

خود ساختہ یا خیالی سی دنیا بسا کہ خود نمائی سے بہتر، اپنے آس پاس بکھری کہانیوں کو یکجا کرنا، اور اپنے اندر اٹھتے جذبات و طوفانوں پہ بند باندھ کر صفحہء بیض پر تحریر کرنا گو بلا ایک فنکار کا اصلی فن ہے۔ میں ہمیشہ معاشرتی موضوعات پر لکھتی ہوں۔ اب ان کہانیوں کے کرداروں میں میری جھلک دکھائی دیتی ہے یا ان کہانیوں میں میرا عکس نیاں بس اتنی سی ہے، کہ ان کہانیاں میں کہیں نہ کہیں میں موجود ہوتی ہوں، جنہیں میری بصارت و حساسیت نے محسوس کیا ہوا انہی کرداروں کو سمیٹ کر میں قلمبند کرتی ہوں آخر میں بس اتنا کہوں گی،

تقید کیجئے نہ تقریر کیجئے  
جوا نکد لکھتی ہے اسے تحریر کیجئے

### ڈاکٹر صبا خان

ہر انسان کی زندگی میں بے شمار واقعات اور کہانیاں ہوتی ہیں، جو دیوار زندگی میں رکھے ایک ایک اینٹ کی طرح ہوتی ہیں، شاعر اور ادیب وہی ہوتے ہیں جو ان کو منظر عام پہ لاتے ہیں، اور ہر ادیب کی ہر کہانی اس دیوار کی ایک ایک اینٹ ہوتی ہے جسے وہ نکال کے باہر کرتا ہے لہذا ہر کہانی میں کہیں نہ کہیں اپنی جھلک ضرور ہوتی ہے۔

### صبا احمد خان

میرا قلم سے سناتے جڑا ہی اس وجہ سے ہے کہ میں اپنے چند لوگوں کے بھیا تک روپ لوگوں تک لاسکوں، میری جتنی بھی کہانیاں ہیں وہ سب حقائق پر مبنی ہیں۔ ان میں کبھی ناکہ میرا کردار شامل ہے۔ میں اپنی خوشیوں سے کرداروں کو مست نہیں کرتی بلکہ ان کو خوشیاں دئے کر ان کو مست کرتی ہوں۔ کبھی کبھی میرے اندر کے غم میرے کرداروں کو رنجیدہ کر دیتے ہیں۔ محبت کا جذبہ تو ہے ہی رنگین۔ میری زندگی میں شاید محبتوں کی کمی نے ہی مجھے یہ احساس دلایا تھا کہ محبت کا جذبہ کتنا نکمیں ہے۔

### نادیہ احمد

یہ تو ایک لازمی امر ہے کہ ہر لکھاری کی کہانی میں کہیں نہ کہیں اس کی شخصیت کا رنگ جھلکتا ہے۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے قلم اٹھلایا ہی اس وقت جاتا ہے اپنے اندر کا غبار باہر نکالنا ہو پھر وہ بھلے محبت ہو، نفرت ہو یا معاشرے کا اصلاحی پہلو جہاں تک بچپن کے واقعات کا تعلق ہے تو جی ہاں میں نے ان میں سے چند ایک کو اپنی کہانی کا حصہ بنایا ہے یا میری کوئی ایسی فیکٹس ہو تو میں اس میں اپنے قلم سے کہانی کا رنگ بھرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ کہانی کے کرداروں میں مجھ سے زیادہ میرے سائیڈ پلےز کا عکس جھلکتا ہے۔

میں وہ لکھتی ہوں جو مجھے اچھا لگتا ہے کہانی تو آپ کے بچے کی طرح ہوتی ہے پہلی سطر سے آخری حرف تک آپ اسے بڑھتا ہوا دیکھتے ہیں اس کے واقعات کو محسوس کرتے ہیں تو یہ ایک فطری عمل ہے کہ کرداروں سے انسیت ہو جاتی ہے پھر چند کردار تو یوں بھی آپ بہت سنوار کر لکھتے ہیں تو ان سے لگاؤ ہو جاتا ہے۔

### صدف آصف

ایسا ہوتا بھی ہو شاید، مگر زیادہ تر معاشرے کے کردار یا ان میں پھیلی کہانیوں سے متاثر ہو کر لکھا ہے، ویسے یہ بات تو سچ ہے کہ کہانیوں میں کبھی کبھی لکھاری کا رنگ بھی جھلک جاتا ہے۔ مگر ایسا ہونا ضروری نہیں، ہمارے اپنے مشاہدے اور جگہ جگہ پر لکھنا پسند کرتے ہیں، ہمارے ارد گرد پھیلے ایسے دلچسپ کردار جن کو پکڑ کر اپنے افسانے کا حصہ بنا لیتے ہیں، گویا انگوٹھی میں نگینہ فٹ ہو جیسے غم کہانی کے کرداروں پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ ہاں محبت ضرور اثر دکھاتی ہے ویسے ہمیں اپنے بچپن کے واقعات مکمل جزئیات سے یاد نہیں ہیں۔

### غزالہ جلیل داو

جی ہاں میری تحریروں میں میری جھلک ہوتی ہے۔ چاہے وہ کسی بھی کیفیت کی ہو..... کیونکہ جب ہم لکھتے ہیں تو لاشعوری طور پر کردار کی انگلی تمام کر چلنے لگتے ہیں۔ بہت ساری کہانیوں میں میری جھلک دکھائی دیتی ہے۔

### ہواۃ العین سکندر

جی سب کردار ہمارے ارد گرد ہی موجود ہوتے ہیں لیکن اپنی ذات پر لکھنے کا تجربہ نہیں ہوا اس کی کئی وجوہات ہیں شاید اس کی وجہ میری ریزروذ طبیعت ہو مگر کہانیوں میں جو محبت کے رنگ جھلکتے



حد قریب ہیں۔ بالخصوص ”بھائی جان“ کا کردار۔  
خوشیاں اور غم تھوڑا بہت اثر تو کرتے ہیں مگر میں ان کی وجہ  
سے کبھی اپنی کہانی کو اور اپنے کرداروں کو بھٹکنے نہیں دیتی۔  
کچھ نہیں..... یوں تو ہر رائٹر کی طرح میں بھی اپنی کہانی پورے  
دل سے لکھتی ہوں مگر میں اپنی کہانی میں ملن رشتوں اور ان کے مابین  
ہوئی ہر بات کو سب سے زیادہ دل سے سستی ہوں جو محبتوں سے  
گندھے ہوں ان کو لکھتے ہوئے میں اپنا دھیان ذرا بھی بھٹکنے پر مڑی  
طرح نہ بھٹکاتا ہوں۔

### عمارہ عماد

میری کہانیوں میں میں خود بھی ہوتی ہوں اور کئی ایسے واقعات  
بھی ہوتے ہیں جو میں نے خود دیکھے اور خود جھیلے ہیں اور میرے کئی  
احساسات بھی جو کہانی کے کردار بیان کر رہے ہوتے ہیں۔ ایک  
لکھاری معاشرے سے ہی کہانیاں اور کردار لیتا ہے اور اپنی جھلک  
بھی ضرور ہوتی ہے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ میں کچھ غلط دیکھوں تو  
اس حقیقی کردار کو روکنے یا سمجھانے کی استطاعت نہ ہو تو اس کی  
نشاندہی اپنے افسانوں کے ذریعے کر کے خود کو پرسکون محسوس کرتی  
ہوں۔ میں نے ایک ناول لکھا اس کے منفی اور مثبت کردار میرے  
بہت دیکھے بھالے ہیں۔ جیسے آج کل میں ایک ناول لکھ رہی ہوں  
اس میں ہیرو کے والد کا کردار بہت مثبت ہے تو اس کی خصوصیات  
لکھتے ہوئے میں نے اس کردار کے ذریعے اپنے ابو جی کو بیان کیا  
ہے اس لیے میں نے تو جو کچھ بھی تھوڑا بہت لکھا ہے ان میں خود  
بھی ہوں اور میرے والد گرد بستے لوگ بھی ہیں۔ میرے غم یا خوشیاں  
میرے کرداروں کو متاثر تو کرتے ہیں لیکن بہت اثر انداز نہیں  
کرتے میں نے انہیں جیسے لکھنا ہو ویسے ہی لکھتی ہوں بلکہ لکھتے  
ہوئے میں ان کے احساسات کو خود پر اثر پذیر ہوتا محسوس کرتی  
ہوں۔ جی محبت بھی کہانی پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس کا رنگ بھی کچھ  
نہ کچھ تحریر کا حصہ بنتا ہے۔

### صباح رفیق چیمہ

اکثر اوقات شامل کرتی ہوں۔ جیسے وہ ایک ملکہ محبت میں سین  
جب ولاد آفندی اپنی ڈائری پہ یہ الفاظ لکھ رہی ہوتی ہے کہ میں صبح فجر  
کے لیے اٹھنا چاہتی تھی خلوص دل سے نیت بھی کرتی الارم بھی لگاتی  
لیکن پھر بھی میری آنکھ نہ کھل پاتی یہ اس بات کی واضح علامت تھی  
کہ میرا اللہ مجھ سے ناراض ہے۔ ایسا میرے ساتھ حقیقت میں ہوا  
اور یہ الفاظ تب میں نے اپنی ڈائری پہ لکھے تھے جنہیں بعد میں میں  
نے ناول میں شامل کر لیا۔

ہیں اور کنجیاں لگتی ہیں یہ سب وہی ہے جو معاشرے سے آپ  
نے لیا ہوتا ہے۔ قلم اٹھاتے وقت کوئی خاص سوچ نہیں ہوتی پھر  
جب لکھنا شروع کریں تو کردار بولنے لگتے ہیں ہنستے بھی ہیں اور  
روتے بھی ہیں ان سب کے ساتھ ہر تحریر میں آپ کا خاص انداز  
ضرور چھلکتا ہے اور آپ کی چھاپ چھوڑ جاتا ہے۔

### صائمہ قریشی

میں سمجھتی ہوں کہ ایک رائٹر کے پاس ایک ”تیسری آنکھ“ ہوتی  
ہے جس سے وہ ہر دکھ، خوشی، پریشانی اور محبت کو ایک خاص نظریے  
سے دیکھتے ہیں، ہر اینگل سے اس کو پرکھتے ہیں۔

میرے خیال میں ہر رائٹر کی انتہائی ذہنی زندگی، اس کی سوچ،  
اس کی محبت بغیر سب اس کی آئیڈیل ہوتی ہے اور وہ ہر جذبے کو  
جس زلوے سے بھی دیکھتا ہے وہاں محبت موجود ہوتی ہے۔ عملی  
زندگی میں چاہے وہ ویسا نہ کر سکے جیسے چاہتا ہے لیکن اپنی کہانیوں  
میں اپنے کرداروں کی قسمت کے فیصلے کرنے کا اختیار رائٹر کے پاس  
ہوتا ہے اور ہر کردار چاہے وہ جیسے ماہ کا بچہ ہو یا ساٹھ سالہ کوئی کردار  
رائٹر کی جھلک اس میں ہوتی ہے کیونکہ رائٹر اس کو ویسے تخلیق کرتا ہے  
جیسے وہ آئیڈیل پرستلی ہو جسے وہ آئیڈیل بنا ڈالتا ہے۔

ہاں میری تحریروں میں میرا اپنا تجربہ میری خوشیاں، میرے غم  
سب ہوتے ہیں اور میری محبت میری کہانیوں میں ہوتی ہے،  
ہیروئن کی بر جھٹکی ہو یا ہیرو کا رونا ٹھک انداز سب میری زندگی کا حصہ  
ہیں۔ لیکن ابھی تک صائمہ قریشی سامنے نہیں آئی ہے ابھی تک وہ  
اپنا کردار لکھ نہیں سکی ہے۔ حساس کردار ہو یا شوخ چنچل کردار میرے  
شب و روز کی وجہ سے کبھی اثر انداز نہیں ہوئے۔ وہ کردار ویسے ہی  
ہوتے ہیں جیسے میں چاہتی ہوں کے ہو۔

حساس دل بھی بہت کچھ تخلیق کر داتا ہے  
ویسے یہ کچھ تئیں ساری میری اپنی ہیں

### سائمہ عید

میرا خیال ہے کہ ایک رائٹر کا عکس اس کے کرداروں میں  
کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی انداز میں جھلک ہی جاتا ہے چاہے ایک  
فیصد ہی سہی۔ زندگی کے واقعات اور رائٹر کا موڈ کہانی پر بہت اثر  
انداز ہوتا ہے۔

واقعات لکھتی تو نہیں پر ہاں زندگی کی ایک کی ضرور اپنی کہانیوں  
میں اکثر اوقات شامل کرتی ہوں ”بھائی“ کی کمی۔ میرا ناول ”بن  
تیرے میں ہوں بے نشان“ میرا پہلا ناول تھا پر مجھے لگتا ہے کہ وہ  
اسی لیے میں اچھے سے لکھ پاتی کہ اس کے کردار میرے دل کے بے



کی زمین سے پر پھوٹتے ہیں وہ حقیقت الفاظ نہیں ہوتے وہ دل کی چیخ ہوتے ہیں آہ بکا ہوتی ہے جو درد کے سمندر میں ڈوبنے سے نکل آتی ہے ایک لکھاری وہی لکھتا ہے جو دیکھتا ہے اور جو محسوس کرتا ہے لکھاری بھلے دوسروں کی زندگی میں رونما ہونے والے واقعات لکھ رہا ہو مگر کیفیات وہ ہوتی ہیں جو اس کا دل محسوس کرتا ہے کہ وہ کوئی بھی ہو اس کے محسوسات میں لکھاری کا عکس ہوتا ہے میری تحریر کے ہر غم اور ہر خوشی میں میرے ذاتی محسوسات شامل ہیں میری شخصیت کے بہت سے رنگ میری تحریر کے کرداروں میں چھلکتے ہیں۔

### کوثر ناز

جی بالکل ایسا ہوتا ہے۔ ہر رائٹر اپنی کہانی کے تقریباً سبھی کرداروں میں موجود ہوتا ہے چاہے وہ منفی ہو یا مثبت۔ میں ہمیشہ وہی لکھتی ہوں جو محسوس کرتی ہوں میں اپنے کرداروں کو خود جیتی ہوں ان کی خوشی لکھتی ہوں تو خوش ہوتی ہوں۔ غم لکھتی ہوں تو اداس بھی ہوتی ہوں۔ کہانی لکھاری کی سوچ کی عکاسی کرتی ہے۔

### مریم جہانگیر

میں نے ایسا کچھ نہیں لکھا جو میں نے محسوس نہ کیا ہو!

### قراۃ العین خرم ہاشمی

میری تحریروں کی بنیاد دو چیزوں پر ہے۔ ایک میرا مشاہدہ اور دوسرا میری حد سے بڑھی ہوئی حساسیت۔ اس لیے جو بھی لکھا اس میں کہیں نہ کہیں میری سوچ کا کوئی رنگ ضرور جھلکتا ہے۔ اپنے بچپن کا لائف پھر میرا لائف کے بہت سے تجربات و واقعات اپنی کہانیوں میں لکھے ہیں۔ بلکہ زیادہ تر وہ ہی لکھا جس نے حساسیت کی سطح پر آ کر بہت شدت سے ہلچل مچائی اور اپنے ہونے کا شور ڈالا۔

### عربشہ سہیل

ہاں بالکل ایسا ہی ہے۔ بلکہ میرا ماننا یہ ہے کہ ہر لکھاری اپنی کہانی کے کسی نہ کسی کردار میں اپنا عکس دکھاتا ہے اور اپنی ذاتی زندگی کے واقعات قلم بند کرتا ہے۔ اسی طرح میں نے بھی اپنی کہانیوں میں بہت سی ایسی باتیں لکھی۔ یہی وجہ ہے کہ لکھاریوں کو حساس کہا جاتا ہے۔

بشکریہ فیس بک گروپ پورچ ایڈمنز

صبا عیشیل حنا مہر راز و رفاقت علی ٹاور طلحہ معمر خان ترین نعیم۔



تھوڑا بہت میرا عکس میری ہر کہانی کے کرداروں میں اکثر جھلکتا ہے۔ بالکل اگر کرداروں کی زندگی میں خوشیاں لکھ رہی ہوتی ہوں جب تو میں بھی خود کو ایسے خوش محسوس کرتی ہوں جیسے میں ان کی دنیا ہی کا تو ایک حصہ ہوں۔ نہیں ایسا بالکل نہیں ہوتا کہ میرے غم میرے کرداروں کو بخیمہ کریں میں جتنا مرضی غم زدہ ہوں بھی تو میں اپنے کرداروں پر اثر انداز نہیں ہونے دیتی۔

میری محبت کہانی کو رنگین بنادے اگر میں دنیا کی تلخ حقیقتوں سے نظر چراغوں بلکہ اکثر اوقات میرے ساتھ ایسا ہوتا ہے اگر میں محبت پہ لکھ رہی ہوں تو میرے دماغ پہ یہ سوال بار بار دستک دیتا ہے کہ ایسا حقیقت میں کب ہوتا ہے جیسے کہانیوں میں محبت مل جاتی ہے ایسے حقیقی زندگی میں کب ملتی ہے محبت بہت نایاب ہوتی ہے۔

### افشاں شاہد

پہلے تو عمدہ سوالات پوچھنے پر داد تحسین قبول کیجیے۔ ہر کہانی میں تو رائٹر کا عکس نہیں چھلک سکتا کیونکہ ہر کردار کا ایک اپنا وجود ہوتا ہے جو اکثر ارد گرد کے لوگوں سے متاثر ہو کر رائٹر کے قلم سے وجود میں آتا ہے۔

میں کوشش کرتی ہوں کہ جس بھی کردار کے بارے میں لکھوں اسے محسوس کروں اور جب افسانے میں ہر روئے روئے تو میری آنکھیں بھی نم ہو جائیں اور میری خوشیاں اور غم کرداروں پر اثر انداز ہوتے ہیں ایک دفعہ ایک جگہ میں بہت ہرٹ ہوئی تھی اور میں نے دوسری صبح اس پھوٹیشن پر افسانہ لکھا تھا لیکن میں محبت کے بارے میں لکھتے وقت بہت احتیاط سے کام لیتی ہوں یا پھر میں بہت کم اظہار کرتی ہوں اس لیے محبت کے بارے میں کھل کر نہیں لکھ پاتی۔

### فرح بیٹو

میری کہانیوں میں ارد گرد کے واقعات زیادہ ہوتے ہیں۔ جو اس پاس یا معاشرے کی باتیں مجھے پن کرتی ہیں وہ میں لکھ لیتی ہوں۔ اور اب تک افسانے جو لکھے ہیں میرے مشاہدے پر مشتمل ہیں۔ میں ہوں ان میں مگر بہت کم کہیں جھلک دکھا دیتی ہوں اپنی وزنہ تھوڑے پر بن کر صرف لطف اندوز ہوتی ہوں کرداروں کی خوشیوں میں خوش اور غم پر افسردہ ہوتی ہوں۔ خود کی کوئی بات یا واقعہ کہانی میں ہی سہی شامل کرنا میرے لیے انتہائی مشکل ہے۔ کیونکہ میں ایسی ہی ہوں ریزوڈ اپنی خوشیاں اپنے غم سینت سینت کر کے کھنڈی۔

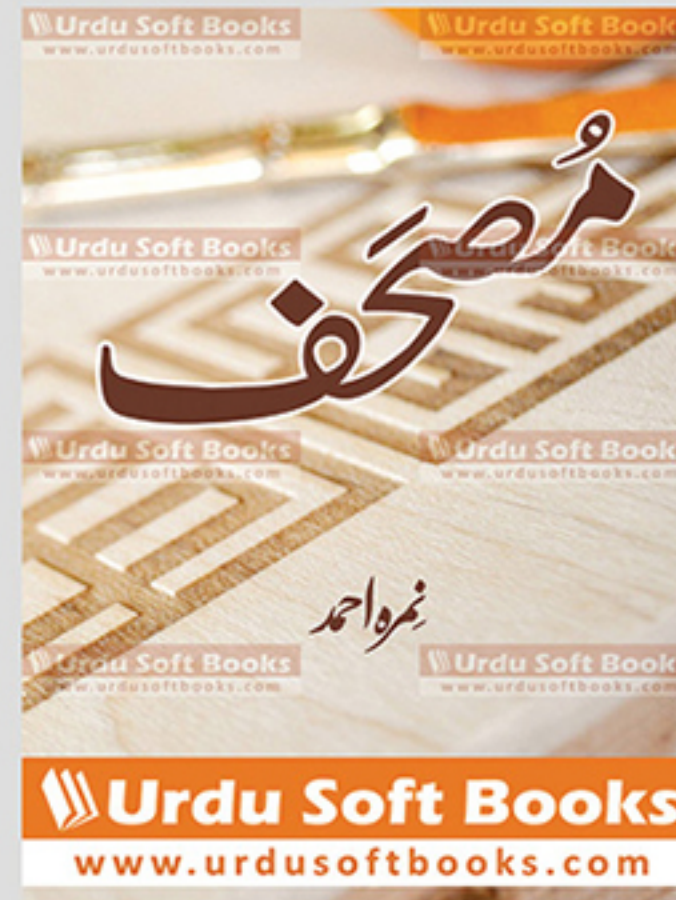
### جہانہ آفتاب

جو الفاظ قلم کی نوک سے بہتے ندی کی مانند قرطاس پر موتیوں کی طرح بکھر جاتے ہیں وہ الفاظ حاصل دل سے نکلتے ہیں اور جو لفظ دل



## Download These Beautiful PDF Books

## Click on Titles to Download







# URDU SOFT BOOKS

DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

WWW.URDU SOFT BOOKS.COM

URDU SOFT BOOKS.COM

URDU SOFT BOOKS.COM

URDU SOFT BOOKS.COM

URDU SOFT BOOKS.COM



حیاتِ ناز  
روزِ سراج

DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

WWW.URDU SOFT BOOKS.COM



سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر

کھلا رہے ہیں پھول چمن بے قرار ہے  
لکھی ہے ہر شجر شکایت پیار کی  
سنیے میں جب دبائی گئی خواہشیں نمودار  
فریاد زبان نے بے اختیار کی

سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر

عالی جاہ کے لیے یہ خبر کسی طوفان سے کم نہیں ہوتی کہ پیاری کو  
سجدہ یہ خود جا کر گھر لے آئی تھی۔

(ابا کے پڑھے)

پیاری رو رو کر اتنی نڈھال ہوئی کہ تکیہ پر سر رکھتے ہی گہری  
نیند میں چلی گئی۔ دانیال کافی دیر سے بیڈ کے کنارے پر بیٹھا  
اس کی طرف ایک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔ چہرے پر عجیب بے بسی  
کی کیفیت تھی اس کے لیے یہ ایک انتہائی لذت ناک بات تھی  
کہ انتہائی اصرار اور سمجھانے بجھانے کے باوجود پیاری نے  
ایک نوالہ منہ میں نہیں ڈالا تھا وہ خالی پیٹ سو رہی تھی اور ڈاکٹر  
نے بڑی سختی سے تاکید کی تھی کہ اس کے کھانے پینے کا خیال رکھا  
جائے اور بلڈ پریشر لوہونے کی وجہ کم خوراک ہی ہے لہذا جومز  
اور پروٹین والی غذا میں اس کو کھلائی جائیں جومز اور پروٹین والی  
غذا میں تو دور کی بات اس نے تو چائے ڈبل روٹی تک لینے  
سے انکار کر دیا تھا۔

مشہود اپنی جان کا دشمن اور ان کی خوشیوں کا قاتل بن رہا تھا  
مسئلے کا صرف ایک ہی حل سمجھ میں آتا تھا اور وہ یہ کہ کسی طرح  
سے پیاری کی طرف سے مشہود کا دل صاف ہو جائے تو تمام  
حالات خود بخود معمول پر آ جائیں گے۔ یہ خیال آتے ہی اس  
نے اپنے جسم میں خاصی توانائی محسوس کی اور جیسے فلکست خوردہ  
انداز میں اٹھ کھڑا ہوا کمرے میں ہلکی روشنی پھیل گئی تھی اس  
نے وال کلاک میں ٹائم دیکھنے کی کوشش کی۔ بارہ اور ایک کے  
درمیان کا وقت تھا پایا ابھی تک نہیں آئے ایک خیال بجلی کی  
طرح اس کے دماغ میں کوندا اس نے اپنا موبائل اٹھایا اور ایک  
نظر پیاری پر ڈالی اور کمرے سے باہر چلا آیا۔

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

دانیال پیاری کو اپنے کمرے میں لے آتا ہے تب پیاری مشہود کے گھر میں تنہا ہونے پر غمگین ہو جاتی ہے دانیال اسے صبر کا دامن تھامے رہنے کا کہتا ہے اور جلد ہی حالات بہتر ہونے کا یقین دلاتا ہے دانیال اسے آرام کرنے کا کہتا کمرے سے نکل جاتا ہے سعید یہ کی گھر پہنچ کر جو دلی حالت ہوتی ہے اس کو اپنے چہرے پر بھی ظاہر کرنے احتیاط کر رہی ہوتی ہے جبکہ مانو پھوپھو مسلسل سعید کے سر پر سوار ہوتی ہے سعید یہاں نہ بتاتی اپنے کمرے میں آ جاتی ہے سعید یہ کو عالی جاہ پر غصہ آ رہا ہوتا ہے کتا خرودہ مانو آ پا کو لینے ابھی تک کیوں نہیں آیا تھا مشہود قید سے آزاد ہونے میں ناکام ہو جاتا ہے مشہود کا بھوک سے برا حال ہوتا ہے تب وہ وحشی اسے زبردستی اٹھا کر کھانے کی طرف اشارہ کرتا ساتھ آئی عورت کو پانی کا گلاس زمین پر رکھنے کا کہتا ہے مشہود کو پہلے سے کہیں زیادہ اس سے خوف محسوس ہوتا ہے۔ مانو آ پا بے کار بیٹھے رہنے سے اکتا کر سعید یہ کی تلاش میں کچن میں جھانکتی کچن خالی دیکھ کر ششدر رہ جاتی ہے سعید یہ کھانے کا انتظام کرنے کا کہہ کر مانو آ پا کے پاس سے اٹھتی ہیں۔ عالی جاہ کا ایک پارٹی سے جھگڑا ہو جاتا ہے اور پیسے اس پارٹی کو دینے ہوتے ہیں وہ غلٹ میں گھر داخل ہوتا لا کر سے پیسے نکالتا ہے پیسے کی ضرورت سے کم ہوتے ہیں تب اسے مانو آ پا کا خیال آتا ہے اور ملازم سے پوچھنے پر مانو آ پا کا دانیال کے گھر میں موجودگی کا پتا چلتا ہے۔ پیاری کی طبیعت اب پہلے سے بہتر ہوتی ہے تنہائی میسر آتے ہی وہ سو گئی تھی لیکن جاگتے ساتھ ہی پہلا خیال بھائی کا آتا ہے اس کی تنہائی کے احساس سے آبدیدہ ہو جاتی ہے تب دانیال اسے کمال فاروقی کی آمد کا بتاتا ہے۔



سلسلہ رک گیا اب سب اچھا ہے۔“ دانیال نے ہمت کر کے اپنا سارا اعتماد سمیٹ کر باپ کی آنکھوں میں دیکھا۔

وہ کمال فاروقی کا نمبر ڈائل کر رہا تھا، یہ ہٹا کرنے کے لیے







URDU SOFT BOOKS

DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

# Medora

Perfumed Talc

خوشبو جو دل کو بہائے  
تار کی چوہر کوئی پیار ہے



خوشبو کی دنیا کے 8 شگفتہ احساس

MEDORA OF LONDON

DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM















اپنائیت یہ کہ خدا خواستہ اپنائیت کا یہ احساس نہ چھن جائے جب دل سجدے کرتا ہوا اللہ سے دعا کرتا ہے یا رب العالمین اپنائیت کے یہ احساس قبر میں اترنے تک ساتھ رہیں کیونکہ اپنائیت کے احساس سے بڑی نعمت کوئی نہیں۔

دونوں نے ایک دوسرے کو چاہا تھا ٹوٹ کر محبت کی تھی دونوں کے دلوں کو پتا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے ہیں ایک دوسرے سے بہت پیار کرتے ہیں لیکن بیچ میں ایک تیسرا تھا جو ایک غیر مرئی دیوار بن کر کھڑا ہو گیا تھا اور اپنی اذیتوں کو پوری کائنات میں پھیلانے کے در پہ تھا۔ اپنے اندیشوں کو یقین مان رہا تھا اپنی بدگمانیوں کو حکمت سے خدایات گردان رہا تھا۔ پیاری زیادہ دیر کھڑی نہ رہ سکی نڈھال انداز میں اس صوفے پر جا بیٹھی جس پر سے ابھی دانیال اٹھ کر بیڈ پر لیٹا تھا۔

”ایک بات کہوں پیاری.....“ دانیال اب کروٹ لے کر اور دونوں ہاتھ اپنے گالوں کے نیچے دبا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ پیاری نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ ”ایک بات ذہن میں رکھنا کیونکہ بھی تم میری بیوی ہو اور بیوی کو اپنے شوہر کے مزاج کے تمام موسموں سے باخبر ہونا چاہیے۔“ پیاری نے پھر سوالیہ نظروں سے دیکھا وہ الجھ گئی تھی۔

”جیسے کچھ سمجھ نہ آیا ہو مجھے نا..... میرے ساتھ ایک مسئلہ ہے اگر میری نیند ٹوٹ جائے نا تو پھر مجھے جھولے میں لٹا کر جھولا بھی جھلایا جائے نا تو نیند نہیں آتی۔ اب تم نے مجھے جگا دیا ہے لہذا تمہیں اس جرم کی پیاری سی سزا ملنا چاہیے۔“ دانیال کی بات سن کر پیاری ایک دم گھبرا گئی اور دو شیزنگی کے بہت سے رنگین خواب آنکھوں کے سامنے جھلکانے لگے۔ وہ خواب جو اس عمر کا خاصہ ہوتے ہیں اور الہام کی طرح اتر اترتے ہیں اس نے لاشعوری طور پر سر کو یوں ہلایا جیسے وہ سوال سننے سے پہلے ہی انکار کر رہی ہو اور دم سادھ لیا حالانکہ اندر ایک کھوج تو جاگتی تھی کہ آخراں بات کا مطلب کیا ہے۔

”تمہاری سزا یہ ہے کہ تم وائس روم میں جاؤ ہاتھ منہ دھوؤ“ میں تمہارے لیے ناشتا منگواتا ہوں۔ بے وقوف لڑکی کل سے کچھ نہیں کھایا تم کیا سمجھ رہی ہو کہ تمہارے اس طرح بھوکا رہنے سے چٹلی بجاتے ہی سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ اتنا برا ہو چکا ہے اس کو ٹھیک ہونے میں کچھ تو ٹائم لگے گا کیا تم اس وقت تک بھوک ہڑتال کرو گی۔ اب میں تمہاری ایک بات نہیں سنوں گا اگر تم نے میری بات نہیں مانی تو میں ابھی می اور پاپا کو

ہمیشہ بالکل قریب آس پاس ہلوں گا۔ میری طرف سے محبت کی انتہا ضرور ہوگی معذرت بھی نہیں ہوگی۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے پیاری کو دونوں شانوں سے تھام لیا نیند بھری آنکھیں بکھرے بکھرے بال محبت اور نیند کے خمدار سے بوجھل لہجہ پیاری کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں۔

”اگر آپ کو واقعی مجھ سے محبت ہے اور میرا اتنا خیال ہے تو میری ایک بات مان لیں۔“ دانیال ایک دم چونکا کسی انجانے سے اندیشے نے اس کو اندر ہی اندر سہایا مگر بظاہر اس نے بہت پیار بھرے لہجے میں استفسار کیا تھا۔

”ہاں کہوں..... بلکہ حکم کرو۔“

”آپ بیڈ پر جا کر آرام سے سو جائیں بس میری اتنی بات مان لیں۔“ پیاری نے خالی پیٹ کی گڑگڑاہٹ کے دوران باقاعدہ درخواست کرتے ہوئے کہا تھا حالانکہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اگر دانیال نے واقعی اس کی بات مان لی اور بیڈ پر جا کر کروٹ سے سو گیا تو پھر کیا وہ اس کے اٹھنے تک یوں ہی بھوکی بیٹھی رہے گی۔ پہلے یہ بیڈ پر جا کر لیٹے تو سہی پھر شاید وہ ہمت کرے اور اسے بتا دے کہ اسے اس وقت سخت بھوک لگ رہی ہے۔

دانیال نے واقعی اس کی بات مان لی تھی اچھے بچوں کی طرح جا کر بیڈ پر لیٹ گیا اور دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لیے تھے پھر بڑی شریں مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

”اب ٹھیک ہے۔“ پیاری نے جواب دینے کی بجائے اثبات میں گردن ہلائی اور ساتھ ہی ہمت کرنے لگی اب اسے بتا دے کہ اسے بڑی سخت بھوک لگ رہی ہے اس سے غلطی ہوگئی وہ اسے بیڈ پر جانے کا کہہ بیٹھی حالانکہ اسے پہلے یہ بتانا چاہیے تھا کہ اس وقت وہ بہت بھوکی ہے بھوک سے نڈھال ہو رہی ہے بڑی حالت ہو رہی ہے۔ دانیال اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور وہ نظریں جھکائے کھڑی اپنی ہی فکر میں جھلا تھی۔ نکاح کا بندھن ایسا خوب صورت بندھن ہے جو نکاح کے چند بولوں کے بعد دنیا کا سب سے مضبوط ترین بندھن بن جاتا ہے اور اپنائیت کے احساس کا وہ رشتہ استوار ہوتا ہے کہ زندگی اپنائیت کی اس انتہا کو محسوس کرتی ہے جس کے خواب دیکھے جاتے ہیں کوئی اپنا ہو ایسا اپنا جس پر کچھ کہے بغیر الفاظ کا سہارا لیے بغیر خود بخود آشکار ہو جایا کرے۔ دل دل کی بات سننے نظر نظر کا اشارہ سمجھے آٹھ پہر اپنائیت کے احساس کی بارش میں بھیگا کرے اور



لے کر اسی کمرے میں آ جاؤں گا پھر دیکھتا ہوں کہ تم کیسے ناشتا نہیں کرتیں۔“ پیاری کی آنکھوں میں ایک بے ساختہ قسم کی خوشی کی چمک ابھری تھی۔

”اُف اللہ..... تو نے سن لی۔“ واقعی اس وقت ایسی حالت ہو رہی تھی کہ اگر آدھے گھنٹے تک اسے کچھ کھانے کو نہ ملتا تو شاید وہ بے ہوش ہو جاتی۔ اس نے جلدی سے اپنا سر ہلایا جیسے دانیال کی بات کے جواب میں ہاں کہہ رہی ہو حالانکہ اس کا دل تو یہ چاہ رہا تھا کہ کہے اللہ کے لیے جلدی سے کچھ منگو الو اس سے پہلے کہ تم مجھے اٹھا کر ہسپتال لے کر جاؤ اور دوبارہ سے مجھے گلو کوڑی بوتلیں چڑھنا شروع ہوں۔

دانیال کو پیاری کا جواب ہاں میں ملا تو وہ بڑی پھرتی سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور ٹیبل پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی جو صرف اسی وجہ سے اس کی ٹیبل پر رہتی تھی کہ جب وہ کچن سے نوکر کو بلانا چاہے تو فوراً آ جائے کیونکہ دن اور رات بے ترتیب تھے کھانا کھانے کا ناشتا کرنے کا کوئی وقت نہیں تھا۔ نوکر اس کے انتظار میں مستعد رہتے تھے کہ کب گھنٹی بجے اور وہ جا کر اس کی خدمات بجالائیں۔ پیاری کو اس وقت ایک نہیں دہری خوشی ملی تھی ایک تو اس کے کھانے پینے کا بندوبست کیا جا رہا تھا دوسرا یہ کہ کمال فاروقی گھر آ چکے تھے کیونکہ دانیال نے یہی تو کہا تھا کہ وہ ابھی مئی اور پاپا کو بلائے گا پھر وہ دونوں اس کو راضی کریں گے۔ پیاری کو یوں محسوس ہوا کہ بس عم کے بادل چھٹنے والے ہیں۔ مشہود کمال فاروقی کا بزنس پارٹنر بھی ہے اور بزرگ کی حیثیت سے لحاظ بھی بہت کرتا ہے۔ کم سے کم ان کی بات تو سننے پر مجبور ہوگا۔

”دیکھو فریش جوس اور ایک ہاف بوائل ایک لے کر فوراً آؤ۔“ دانیال نے نوکر کے اندر داخل ہوتے ہی وقت ضائع کیے بغیر آرڈر دیا۔ ”دس منٹ کے اندر اندر اس سے زیادہ دیر نہیں ہونی چاہیے“ اس نے مزید تاکید کی۔ نوکر مؤدبانہ سر جھکا کر اٹھے پاؤں واپس چلا گیا تھا۔

”ناشتا تو پاپا کے ساتھ کریں گے ملاقات بھی ہو جائے گی اور ناشتا بھی۔“ وہ اٹھ کر پیاری کے قریب چلا آیا۔ پیاری نے سر اٹھا کر دیکھا، کھمبے بال بڑھی ہوئی شیو۔

”اس حلے میں ناشتے کی ٹیبل پر جائیں گے۔“ پیاری کے منہ سے غیر ارادی طور پر نکلا تھا۔ دانیال نے بڑی دلچسپی سے پیاری کی طرف دیکھا۔

”تھینک گاڈ تمہیں بھی میرا حلیہ نظر آیا۔ اب ذرا حالات پر بھی نظر کر م فرمائیے۔“ وہ اس کے قریب بیٹھ گیا۔ پیاری گھبرا کر سینے لگی۔

”گھبراؤ نہیں تمہاری اجازت کے بغیر تمہیں ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔“ وہ دانیال کی نظروں کی گرمی سے خود کو کھلتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

سعدیہ جتنی دیر واش روم میں شاور کے نیچے رہیں یہی سوچتی رہیں۔ آخر کمال فاروقی کہاں ہو کر آئے ہیں اتنا بڑا چیخ..... اتنے سے دنوں میں تو کبھی نہیں آ سکتا۔ ہاں لوگ برس ہا برس بعد اپنے گھر لوٹیں تو واقعی تبدیلیاں رونما ہو سکتی ہیں۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی باہر نہیں رہے اس موڈ میں گھر سے نکلے تھے اور واپس آئے ہیں تو کیا ہیں۔ عقل حیرت کی انتہا کو چھو کر گھنٹوں کے بل گرتی جا رہی تھی دماغ لڑا لڑا کر تھک گئیں کچھ سمجھ میں نہ آیا لیکن جب غسل سے فارغ ہو کر اپنے ہاتھوں کا مساج کر رہی تھیں تب ہی ایک خیال بجلی کی طرح ذہن میں کوندا۔

”اوہ..... اچھو لی تھینک فل ہو رہے ہیں بس ان کی تو مراد پوری ہو گئی۔“

”ظاہری بات ہے دانیال سے ملاقات ہوئی ہوگی اس نے باپ کو پہلی فرصت میں بتا دیا ہوگا کہ ماں پیاری کو لے آئی ہے اور یہ سنتے ہی وہ سب کچھ بھول بھال گئے ہوں گے۔ ان کو میری فکر تھوڑی ہے ان کا سارا دھیان تو ان کے بیٹا اور بہو کی طرف ہے ان کے صدقے میں مجھ سے اتنے پیار محبت سے بات کی جاتی ہے ورنہ پینتیس سال ہو گئے جس طرح سے آج صبح بات کی ہے اس طرح سے تو شاید شادی کے شروع شروع کے دنوں میں بھی نہیں کی اُف میرے اللہ.....“ انہوں نے اپنا دایاں ہاتھ سر پر رکھ کر گویا اپنی حماقت پر سر پٹا کہ وہ اتنی سی بات نہیں سمجھ سکیں۔ یہاں تک سوچ کر انہوں نے ایک گہری سانس لی اور لوٹن کے جار کا ڈھکن بے خیالی میں میز ہامیٹر چاٹا گا کر رکھ دیا۔ کچھ دیر پہلے جو خوشی کی کیفیت خون میں دوڑ رہی تھی اس کی رفتار اچانک دھیمی پڑ گئی کیونکہ براگمان اس خوب صورت کیفیت پر غالب آ چکا تھا۔

”میری حیثیت ہی کیا ہے بس ان کے قواعد و ضوابط پر بس سرائیس سر بوتے رہو تو مسئلہ ہی کوئی نہیں۔ یہ چاہتے تھے کہ بیٹا



سورج نکلے ہی کیفیات میں ایسی تبدیلی واقع ہوتی ہے کہ اگر غور کیا جائے تو عقل حیران ہوتی ہے کہ دن اور رات کے مصارف ہی مختلف نہیں۔ کیفیات بھی مختلف ہوتی ہیں اور دوسرے یہ کہ جب فاقہ اتنا طویل ہو کہ جان پر بن جائے تو یہ انسانی نفس کی کمزوری ہے کہ پھر وہ پیٹ کے سامنے اعلیٰ درجے کی خود غرضی کا مظاہرہ بھی کرنا نظر آتا ہے۔

بھوک سے پیٹ میں بل پڑ رہے تھے اسے چند منٹ بعد کمرے میں ٹیبل سرکانے کی آواز اور پریتوں کی کھن کھن سنائی دی بس پھر تو وہ جیسے تڑپ کر باہر آئی تھی۔ دانیال ہاف بوائل ایک پرکالی مرچ چھڑک رہا تھا پیاری کو واش روم سے باہر آتا دیکھ کر بڑی گرم جوشی سے ٹیبل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے گویا ہوا۔

”بس فنافٹ شروع ہو جاؤ۔“

”میں فریش ہو کر آتا ہوں میرا مطلب ہے حلیہ ٹھیک کر کے آتا ہوں۔“ پیاری یہ سن کر ہی پرسکون ہو گئی واقعی اس وقت تو جی چاہ رہا تھا جو کچھ سامنے ہے بس ٹوٹ پڑے۔ اس نے دانیال کے اصرار کرنے کا بھی انتظار نہ کیا اور پائن اپیل جوس کا گلاس اٹھا کر منہ سے لگا لیا۔ جوس معدے میں کیا اترا آنکھوں میں زندگی کی چمک عود کر آئی آدھا گلاس خالی کر کے وہ ہاف بوائل ایک کھانے لگی۔ پیاری کو پیٹ پوجا کرتا دیکھ کر دانیال کو یوں لگا ایک آتش جہنم سرد ہو گئی ہو کم سے کم یہ اطمینان ہی بہت تھا کہ فی انٹال کسی غیر متوقع ائیر چنسی کا سامنا تو نہیں ہونے والا۔

وہ وارڈ روب کھول کر ڈریس سلیکٹ کر رہا تھا پیاری نے اتنی دیر میں ہاف بوائل ایک بھی معدے میں اتار لیا۔ پیٹ کا جہنم سرد ہوتے ہی دماغ میں جہنم سلگنے لگا وہ بے بس بھی غیر ارادی طور پر ذہن بار بار مشہود کی طرف چلا جاتا تھا۔ دانیال اس کی طرف دیکھے بغیر واش روم میں چلا گیا۔



کمال فاروقی نے تو گویا سعدیہ کے ہاتھ پاؤں ہی باندھ کر رکھ دیئے تھے صبح آنکھ کھلتے ہی وہ اعلیٰ درجے کا حسن سلوک فرمایا کہ سعدیہ کی بے بسی دیدنی تھی اس لیے کے جو کچھ کمال فاروقی نے کہا اس کے بعد نہ وہ تلخ بول سکتی تھی نہ لڑائی کا کوئی بہانہ نکال سکتی تھیں بلکہ الٹا اب تو سر پر کام پڑ گیا تھا۔

ناشتے کی ٹیبل بہت اہتمام سے سجانا بھی اس لیے بھی کہ

جیت جائے ماں ہار جائے مراد پوری ہو گئی خوش ہو گئے۔ وہ جس کیفیت میں ہاتھ روم میں داخل ہوئی تھی اس کی متضاد کیفیت میں واش روم سے باہر آئی تھیں بلکہ پیشانی پر ہلکے ہلکے بل بھی پڑے ہوئے تھے کیونکہ ان کے خیالات کی جواہر تھی اس حساب سے یہ بدگمانی ہی ان کا عقیدہ تھی۔



پیری کے لیے دانیال کے سامنے بیٹھنے کی بجائے دس پندرہ منٹ ہاتھ روم میں گزارنا کہیں زیادہ آرام دہ تھا کیونکہ وہ اب مشہود کی باتیں دانیال سے کر کے اپنی طرف سے ماحول کو بوجھل کرنے کی کوشش نہیں کرنا چاہتی تھی۔ دانیال کا لکڑی ہاتھ روم اس کے لیے واقعی بہت آرام دہ ثابت ہوا خوشبودوں سے مہکا ہوا وسیع اور کشادہ۔

وہ دانیال کی بہت خوب صورت آرام دہ کرسی پر جا کر بیٹھ گئی جس کی پشت پر موٹا سا ٹاول پڑا ہوا تھا عموماً وسیع و عریض برقعیش واش روم میں اس طرح کی چیز کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے جس کی کوئی منطقی وجہ اس کی سمجھ میں تو نہیں آتی تھی کہ واش روم کیا ایسی جگہ ہے جہاں آرام دہ کرسی پر بیٹھ کر جھولے لیے جائیں اور دنیا کے مسئلے مسائل پر غور کیا جائے لیکن بہر حال اس وقت تو یہ کرسی اس کے لیے بہت بڑی نعمت تھی۔ وہ کرسی پر بیٹھ کر آہستہ آہستہ جھولنے لگی اور چاروں طرف نظر دوڑانے لگی واقعی بہت خوب صورت واش روم تھا دانیال کی فنکارانہ مزاج کا عکاس جس میں تھھاؤں میں پروان چڑھنے والے ہرے بھرے پودے بھی تھے اور دیوار گیر آئینے بھی مختلف شیمپو لوشنز کی خوشگوار مہک روشن دانوں سے چھن چھن کر آنے والی سورج کی کرنیں واش بیسن کے دائیں جانب بہت خوب صورت دو دھیا بڑا سا گلدان جس میں سرخ اور جامنی مصنوعی گلاب عجب بہار دے رہے تھے۔ وہ رات کو بھی اس واش روم میں آئی تھی لیکن اُس وقت اس کا ذہن کہیں اور تھا وہ صرف اور صرف مشہود کے بارے میں اور اس کی تنہائی کے بارے میں سوچ رہی تھی اگرچہ وہ خیال اور سوچ ابھی تک امر نیل کی طرح اس کی جان سے گہٹی ہوئی تھی لیکن ماحول اس طرح بوجھل محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ شاید یہ رات کا ہی خاصہ ہے جو اللہ نے ہر شے کو ڈھانکنے اور ڈھانکنے کے لیے تخلیق کی ہے جس کی تاریکیوں میں شر اور گناہ پلتے ہیں۔ یہ رات جو شر والوں کے لیے پروہ ہے اور حیا والوں کے لیے..... محبت اور نور کی چادر



”نہیں اتنے سارے کپڑوں کی تو مجھے ضرورت بھی نہیں ہے گھر میں الماری بھری پڑی ہے بلکہ وہاں تو ان میں کپڑے لگانے کی جگہ بھی نہیں ہے۔“ وہ بڑی سادگی سے گویا ہوئی۔  
دانیال ایک بار پھر مسکرایا۔

”بھئی الماری میں کپڑے رکھنے کی جگہ نہیں ہے مگر اس گھر میں کپڑے رکھنے کی بہت جگہ ہے۔ ایسا کرو ان کپڑوں کو وہیں رہنے دو اور نئے کپڑے خرید کر یہاں جو وارڈ روب ہے اس کو بالکل فل کرو۔“

”لیکن میں اتنے سارے کپڑوں کا کروں گی بھی کیا؟“  
پیاری کے منہ سے بڑی بے ساختگی سے نکلا۔

”بھئی کپڑوں کا کیا کرتے ہیں میں نے سنا ہے کہ لڑکیوں کا تو کپڑوں سے پیٹ ہی نہیں بھرتا اور یہ بھی سنا ہے کہ جس کسی کو یارنی یا فنکشن میں جانا ہوتا ہے تو وہ صبح سے اس غم میں بیٹھی ہوتی ہے کہ اس کے پاس ڈھنگ کے کپڑے ہی نہیں.....“ پیاری دانیال کا یہ شکستہ سا جملہ سن کر ناچا ہتے ہوئے بھی مسکرا دی۔

”میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں مجھے ہر وقت شاپنگ کرنے کا اور بہت سارے کپڑے جمع کرنے کا بھی شوق نہیں رہا۔ بس موسم کے حساب سے ضرورت ہوتی ہے تو لے لیتی ہوں۔“ وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

”تم بڑی نرمی لڑکی ہو اور سنو نرمی اور انوکھی نہ ہوتی تو دانیال کی زندگی میں کیسے رنگ بھرتی۔ میری بیگم..... زندگی میں تو سارے رنگ تم نے بھرے ہیں اور ہاں دیکھو اللہ کے لیے اب منہ سے اچھی بات نکالنا سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا میں تمہارے ساتھ ہوں نا اور پایا..... پایا تو تم اتنی ہی عزیز ہو جتنا کہ میں اس لیے کہ پایا بہت اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ میرا خوش ہونا بہت آسان ہے بس میرے پاس پیاری کو ہونا چاہیے۔“ دانیال کے منہ سے جیسے ہی نکلا کہ بس اچھی اچھی باتیں کرنا پیاری کو فوراً ہی یاد آ گیا کہ ابھی تو اس کی راہ میں دور دور تک صرف الجھنوں اور پریشانیوں کے ٹوٹے ہوئے کا بیج بکھرے ہوئے ہیں۔ بڑی مشکل ستانے والی مسکراہٹ ہل بھر میں رنچر ہو گئی دھیان خود بخود مشہور کی طرف چلا گیا۔

دن چڑھ گیا تھا اس نے خود ہی ناشتا بھی کر لیا ہوگا ہو سکتا ہے ماسی آگئی ہو تو اس نے ماسی سے کہہ دیا ہو کہ وہ اس کے لیے ناشتا بنادے۔ پیاری کی نظریں خود بخود وال کلاک کی

شوہر کئی دنوں کے بعد گھر میں ناشتا کر رہا تھا دوسرے یہ کہ پیاری کی بھی گھر میں پہلی صبح تھی اگر وہ کوئی کمی کوتاہی چھوڑتیں تو اس کا مطلب یہ تھا کہ انہیں ان دنوں کے گھر میں موجود ہونے سے کوئی دلچسپی نہیں وہ گھر میں ہوں یا نہ ہوں ان کو کوئی فرق نہیں پڑتا اور پیاری سے ہمیشہ کے لیے پیچھا چھڑانے کے لیے تو بہت ہی ضروری تھا کہ وہ کمال فاروقی کے سامنے لاڈ پیار کا مظاہرہ کریں کہ کل کو جب کہیں سے کوئی غلط یا الٹی سیدھی بات سننے کو ملے تو وہ اس پر یقین ہی نہ کریں وہ فریض ہو کر بچن میں چلی آئیں اور خانساں کو ہدایات دے دی تھیں۔

”دیکھو بھئی تمہارے صاحب ناشتے میں مغز بہت پسند کرتے ہیں۔ مغز ضرور پکانا اور کا تو مجھے ابھی کچھ اندازہ نہیں کہ وہ کیسا ناشتہ کرتی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ نہاری پکالو چاہے چکن کی ہو ویسے بھی آج کل کے بچے بیف اور مٹن سے زیادہ چکن کی طرف بھاگتے ہیں اور ہاں تھوڑا سا انڈوں کا حلوہ ضرور بنانا اسی ریسپی سے جو مانو آپا نے تمہیں بتائی تھی۔ تمہارے صاحب بہن کی اسٹیشنری ٹیبل پر دیکھیں گے تو بہت خوش ہوں گے۔ بھئی میں نے تو کئی دفعہ تانے کی کوشش کی مجھ سے تو نہیں بننا اور اُدھر سیلے سے لٹو پڑے دکھائی دیتے ہیں اور دیکھو ناشتا جلدی لگا دینا کیونکہ تمہارے صاحب اٹھے ہوئے ہیں اور میں نے ان کو صرف دانیال اور پیاری کی وجہ سے کمرے میں روکا ہوا ہے دیر نہ لگانا ہو سکے تو ڈرائیور کی بیوی کو کوارٹر سے بلا لو وہ تمہاری مدد کر دے گی بہت ٹائم ہو گیا ہے۔“ وہ خانساں کو ہدایات دینے کے بعد بولتی ہوئی بچن سے باہر آ گئیں۔

”میرے سب کپڑے تو گھر پر ہیں یہ بڑے عجیب سے ہو رہے ہیں۔“ پیاری جو خاصی دیر سے تذبذب کی کیفیت میں تھی دانیال کو دواش روم سے باہر آتا دیکھ کر بولی۔ دانیال اس کی بات سن کر مسکرایا اور اس کے قریب آ کر دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کر گویا ہوا۔

”تمہیں کپڑوں کی کمی ہے اچھا ہے اس بہانے تھوڑی سی آؤٹنگ ہو جائے گی۔ چلو آج میں تمہیں ڈھیر ساری شاپنگ کرادوں گا تم جتنے مرضی کپڑے لے لو ابھی تک میں نے تمہیں دیا ہی کیا ہے۔“ دانیال اس کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کر رہا تھا مگر پیاری بھی کہ نظر اٹھا کر ہی نہیں دے رہی تھی۔



# URDU SOFT BOOKS

DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

URDUSOFTBOOKS.COM

URDUSOFTBOOKS.COM

## Poora Pakistan Raha Hai Bol Hashmi Ispaghool

### Hashmi Ispaghool Husk

Natural fibre for  
bowel regulation  
and reduction of  
blood cholesterol



روزانہ ہاشمی اسپغول  
قدرتی فائبر کا استعمال رکھے

✓ معدے کو صاف

✓ بلڈ شوگر کا لیول برقرار

✓ کولیسٹرول کو کم اور دل کو صحت مند

✓ قبض سے دور اور نظام ہضم کو درست

Daily Lo Fit Raho



www.hashmisurma.com



HashmiSince1794

DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM



قدموں کے حساب سے قدم اٹھا رہا تھا اور اس وقت ہوا میں اڑ رہا تھا پیاری اس کے قریب تھی اور پہلے کے مقابلے میں خاصی پرسکون تھی۔

کمال فاروقی اور سعدیہ ڈلینگ ٹیبل پر پہنچ چکے تھے اور دانیال اور پیاری کا انتظار کر رہے تھے جیسے ہی دانیال پیاری کے ساتھ ڈلینگ ہال میں داخل ہوا کمال فاروقی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے انہوں نے والہانہ اور پر جوش انداز میں بہو بیٹے کو خوش آمدید کہا۔

”واہ بھئی واہ..... ماشاء اللہ..... ماشاء اللہ“ ان کے منہ سے یہ الفاظ بے ساختہ انداز میں ادا ہوئے تھے۔ پیاری نے قریب آ کر پیشانی پر ہاتھ رکھ کر آہستہ آواز میں ساس سر کو سلام کیا۔ سعدیہ نے اپنے آپ کو سنبھالا اور آگے بڑھ کر پیاری کو گلے سے لگالیا۔

”ماشاء اللہ طبیعت کافی بہتر نظر آ رہی ہے۔ بہت اچھی لگ رہی ہو لیکن تم نے ڈریس چھینج نہیں کیا۔“ سعدیہ کے منہ سے یوں ہی غیر ارادی طور پر نکلا تھا۔ دانیال نے ماں کی طرف دیکھا۔

”مئی آپ کو پتا ہے پیاری ہسپتال سے یہاں آئی ہے اور جس حال میں یہ ہسپتال پہنچی تھی وہ بھی آپ کو پتا ہے۔ یہ تو آپ کو اور مانو پھوپھو کو سوچنا چاہیے تھا کہ کچھ ڈریس وغیرہ بھی ساتھ رکھ لیتیں۔“

”ارے بھئی یہ ناشتے کی ٹیبل پر کیا باتیں شروع کر دیں۔“ کمال فاروقی نے فوراً پیاری کو ایک کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ سعدیہ ایک دم گڑبڑائیں۔

”آئی ایم سوری بیٹا..... میرے ذہن میں بالکل نہیں رہا“ سوری۔ انہوں نے پیاری کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر اس کی پیشانی چومی پھر یوں لگا کہ جیسے کھڑے کھڑے ایک گلاس کھولتا ہوا پانی اپنے معدے میں اٹھایا ہو۔

”یا اللہ کب ختم ہوگی میری بیا زماں۔“ ہونٹ مسکرارہے تھے دل جل کر خاک ہو رہا تھا پھر انہوں نے کمال فاروقی کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

”بھئی یہ تو مجھے سوچنا چاہیے تھا دانیال ٹھیک کہہ رہا ہے لیکن مسئلہ ہی کوئی نہیں ناشتا کر کے تھوڑی دیر بعد نکلتے ہیں۔ پیاری کو بہت سارے ڈریس دلا دیتے ہیں ارے بھئی مجھے با تمہیں ڈریس دلانے کے لیے جانے کی ضرورت نہیں ہے

طرف اٹھ گئیں وہ یقین کر لینا چاہتی تھی کہ کم از کم اس وقت مشہود گھر میں اکیلا نہیں ہے اور دونوں ماسیاں گھر میں موجود ہیں کیونکہ پہلے جو ماسی آتی تھی اسے صرف کپڑے دھونا ہوتے تھے وہ بڑی پھرتی سے لکڑ پکڑ کرتی مشین لگانی اور کپڑے دھو کر آنا فائنا رخصت ہو جاتی اس کے کام کرنے کا انداز اتنا پھریتلا تھا کہ آدھے گھنٹے میں کپڑے دھوئی اور یہ جاوہ جا۔ صبح ہی صبح آ جاتی تھی آٹھ بجے سے بھی پہلے پیاری کے دل کو بڑی تقویت تھی کہ ماسی پہنچ گئی ہوگی اور شاید مشہود نے اسے اپنے ناشتے کے لیے بھی کہہ دیا ہو ویسے بھی گھر میں تمام آنے والی ماسیاں مشہود سے خوش رہتی تھیں کیونکہ وہ سخاوت کرنے میں ہمیشہ آگے رہتا تھا اور اکثر ماسیوں کے ہاتھ پر کچھ نہ کچھ رکھتا رہتا تھا۔

گھر کا نقشہ آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا وہ بالکل کھو کر رہ گئی۔ دانیال بہت غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا اس کے ہاتھ ابھی تک پیاری کے شانوں پر تھے۔

”دیکھو میں نے کہا تھا نا اپنی اور میری فضا خراب نہ کرنا نہ لٹا سیدھا سوچنا بلکہ کچھ اچھا..... آخر اچھا سا سوچنے میں جیب سے جاتا کیا ہے۔ میں کہہ رہا ہوں نا ان شاء اللہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا پاپا سب کچھ سنبھال لیں گے۔ مشہود میری اور تمہاری بات سننے کے لیے تیار نہیں لیکن وہ پاپا کے سامنے زیادہ ضد نہیں کر سکے گا۔ پاپا اسے کنٹرول کر لیں گے میرے خیال میں وہ ان کی بہت عزت کرتا ہے چلو اٹھو شاہاش۔“ مشہود نے پیاری کو کاندھوں سے پکڑ کر اور تھوڑا سا دباؤ ڈال کر بلا خر کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا۔ پیاری نے غیر ارادی طور پر دانیال کی طرف دیکھا۔

”اصل میں مشہود بھائی کی طبیعت اگر ٹھیک ہوتی تو بالکل ہی فکر نہ ہوتی ان کے کھانے پینے کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں وہ ناشتے میں صرف سیریل لیتے ہیں ہاں لچ وہ ٹھیک ٹھاک چاہتے ہیں۔ ڈنرا کٹر باہر کرتے ہیں لیکن آج کل تو وہ باہر نہیں جاسکتے بس یہی خیال آ رہا تھا۔“ آخر کار پیاری کو دانیال پر ترس آ ہی گیا اب وہ یوں بات کر رہی تھی جیسے صفائی پیش کر رہی ہو اور یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہو کہ اسے صرف اور صرف مشہود کی فکر ہے اور اس کی زندگی میں کوئی مسئلہ نہیں۔

دانیال نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور اسے اپنے بازو کے گھیرے میں لے کر دو از سے کی طرف چل پڑا وہ پیاری کے



سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر



Watch Us On  
**You Tube**

چہرے کے فالتو بالوں کا

بہت ہی آسان علاج **You Tube**



Health Care Club



چہرے کی جھڑیوں کا

بہت ہی آسان علاج **You Tube**



Health Care Club





تنہائی میں بھی کسی کے آس پاس ہونے کا جو احساس حاوی رہتا تھا آج وہ بھی چھن گیا تھا۔ آج سے پہلے تنہائی اتنی وحشت ناک نہیں تھی۔

باہر لان میں بلیاں اچانک لڑ پڑی تھیں یا کوئی بلا ڈورے ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا اور مشہود اپنے دھیان سے چونک پڑا۔ کئی طرف غرائے کی آوازیں تھیں جیسے پہلوان اکھاڑے میں لپٹنے سے پہلے اچھل کود کر کے داؤ بیج سیٹ کرتے ہیں۔ غوں غوں کی آوازوں سے سماعتیں چٹخنے لگی تھیں اور اکھاڑا بھی عین کھڑکی تلے بنایا گیا تھا جو اس کے سرہانے ایک فٹ کے فاصلے پر تھی۔ غوں غوں کی آواز کے بعد چٹخیں ہو گئیں دھب دھب کی آوازیں بھی آرہی تھیں۔ بڑے سے گھر میں چہار سو تارنگی کا راج تھا باہر مین گیٹ پر ایک پلر پر لیپ روشن تھا دوسرے پلر کے لیپ کا بلب زمانوں سے فیوز تھا۔ اس کی مرل سی سفید روشنی بس ٹھوکر کھانے سے بجاؤ دے سکتی تھی۔ اسی مرل سی روشنی میں کھڑکی کے شیشے بھی روشن تھے۔ بلیوں کے جھگڑے نے ماحول میں انتشار برپا کر کے رکھ دیا تھا۔

”یہ پروگرام کتنی دیر کا ہے یہ تو باہر جھگڑتی بلیوں یا اللہ کو ہتا تھا۔“ مشہود اعلیٰ درجے کے ذہنی کرب میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اچانک پیاری سر پر دوپٹہ جمائے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

”تنہائی بہت خوف ناک ہوتی ہے ناں بھائی۔“ مشہود کو اس کی آواز سماعت سے ٹکراتی محسوس ہوئی اس نے لاشعوری طور پر ”ہاں“ میں گردن ہلا دی۔

”آپ کو تو بلیاں تنگ کر رہی ہیں اکیلی لڑکی کو تو بھیڑیے تنگ کرتے ہیں۔“

”پیاری.....“ اس نے قطعی غیر ارادی طور پر پیاری کو پکارا جواب میں سوائے بازگشت کے کچھ نہ تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

ہوتی تھی یوں جیسے غم کی خبر سننے کے بعد کسی انسان پر دیر تک ڈپریشن کی کیفیت طاری رہے۔ اکثر وہ اٹھ کر اس بلب کو بجھا دیا کرتا تھا اس افیت ناک روشنی سے زیادہ تاریکی بھلی لگتی تھی۔ آج جانے کیسے خود بخود اس کی آنکھ لگ گئی وہ لائٹ آف کرنا بھول گیا تھا۔ باہر سے مسلسل دل دہلا دینے والی چیخوں کی آوازیں ایک تسلسل سے آرہی تھیں جی تو جانتا تھا دروازہ توڑ کر باہر نکل جائے کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ یہ چٹخیں اسی ہمدرد اور خیر خواہ لڑکی کی ہیں جو روٹن دان کے ذریعے من و سلوی اتارنے کی ڈیوٹی انجام دیتی رہی تھی۔ وہ انتہائی اعصابی تناؤ کا شکار ہونے لگا کیونکہ وہ مکمل طور پر بے بس تھا نا آنکھ سے کچھ دکھائی دے رہا تھا نہ دروازہ توڑ کر باہر نکل کر جاسکتا تھا پھر اسے باہر بھاری بھر کم ٹرک کے اشارت ہونے کی آواز آئی اتنا تو وہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ باہر کار کا انجن اشارت ہوا ہے یا ٹرک کا۔ انجن کی گڑ گڑاہٹ کے ساتھ ساتھ چیخوں کا سلسلہ جاری تھا وہ اٹھ کر بڑی بے قراری سے ٹپٹٹ لگا۔

”آخر باہر کیا ہو رہا ہے۔ گیٹ کھلا ہوا ہے ٹرک اشارت ہو رہا ہے لڑکی چیخ رہی ہے ہوا کیا ہے.....؟“ اس کا جی چاہا کہ وہ پٹنگ کھڑا کر کے اس پٹنگ کو ہی سیڑھی بنالے اور روشن دان سے لٹک کر باہر دیکھے کہ آخر ماجرا کیا ہے پھر فوراً ہی خیال آیا کہ اگر اس نے جھانک کر باہر دیکھ بھی لیا تو فائدہ کیا ہے اگر باہر کسی کے ساتھ کوئی زیادتی ہو رہی ہے تو وہ کچھ کرنے کے قابل تو نہیں ہے۔

آہستہ آہستہ ٹرک یا ہیوی وہیکل جو کچھ بھی تھا اس کی آواز معدوم ہوتی گئی اور ماحول پر ایک وحشت ناک سناٹا طاری ہو گیا اس نے بھی کھل کر سانس لی۔ مہیب سناٹے میں نسوانی چیخوں کی بازگشت سنائی دے رہی تھی نیند اچاٹ ہو گئی تھی۔ ہونہ ہو یہ اسی لڑکی کی چیخوں کی آواز تھی جو روشن دان سے من و سلوی اتارا کرتی تھی اس کا دل اسی ایک نکتے پر جم رہا تھا۔

”کہیں اسے میری مدد کرنے پر کوئی سزا تو نہیں دی گئی۔“ اچانک ایک خیال اندیشے کی صورت مشہود کے حواس سے لپٹ گیا۔ ایک تو مشکل تھی ابھی تک یہاں جو سامنے آیا تھا اس کی زبان سمجھ نہیں آتی تھی قبر میں منکر نگیر کی زبان بھی نامانوس نہ ہوگی تب ہی تو مردہ سوالوں کے جواب دے سکتا ہے۔

”یہ کمرہ تو قبر سے بھی کچھ بڑھ کر ہے۔“ اب بے بسی کی ایک لہر نے اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ لاشعوری طور پر





سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر

بے سود نہیں جیتے ہم درد کے مارے بھی  
دنیا تیری زینت ہیں کچھ خواب ہمارے بھی  
تقدیر کی دنیا میں تدبیر نہیں چلتی بھی  
موہوم بھروسے بھی لاچار سہارے بھی

سالمیہ سالمیہ سالمیہ سالمیہ سالمیہ سالمیہ سالمیہ سالمیہ سالمیہ سالمیہ

رات کے گیارہ بج چکے تھے وہ کچن کی سیٹا سیٹی سے فارغ ہوتے ہوئے فالتو لائٹس آف کرتی بیڈ روم میں آگئی جہاں تابش حسب عادت نیوز دیکھتے ہوئے نیم غنودگی میں جا چکے تھے۔ ریمورٹ ایک ہاتھ کی گرفت میں سینے پر دھرا تھا اور مگاسز آنکھوں پر نکلے ہوئے تھے ٹی وی پر نیوز کا سٹر فرائے سے نیوز پڑھ رہا تھا اسے بھلا کیا خبر تھی اس کا ایک قدردان نیند کی آغوش میں جانے کی بھرپور تیاریوں سمیت خود کو ماحول سے لاتعلقی کر بیٹھا ہے۔ قدرے ناگہاری سے اس نے ٹی وی آف کیا آنکھوں پر نکتے مگاسز اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھے اس سارے عمل میں تابش کی آنکھیں ایک بار کھلیں اور دوبارہ پرسکون ہو کر بند ہو گئیں اس دوران وہ کروش بدل کر خود کو مکمل طور پر نیند کے سپرد کر چکے تھے۔

”ایک میں ہوں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کا ذخیرہ کیے بیٹھے ہوتی ہوں کہ محترم جب جا ب سے آئیں گے تو شیر کروں گی، ہر بات میں ان کا رد عمل ملاحظہ کروں گی۔

کٹھنہیں گے بولیں گے اور یہ ہیں کہ مجھ سے زیادہ اپنی

”یہ کیا ہو رہا ہے ابھی تم لوگ سوئے نہیں۔ صبح جاتے ہوئے موت آئے گی تمہارے پاس تو ٹھوڑے بچ کر لو بچے تک سوئیں گے پریشانی مجھے ہوئی ہے، ہر قسم کا کام صبح صبح نمٹاتے ہوئے۔“ بظاہر ساس کو ستانی وہ بچوں پر برس



پڑی ماں جی نے بھی قدرے شرمندگی سے اس کے ہتھکے  
چتون کو دیکھا۔

”ارے چھوڑو نا بہو..... بچے خوش ہو رہے ہیں ہمارے لیے یہی بہت ہے اور ویسے بھی کل چھٹی کا دن ہے تم شاید بھول گئی ہو۔“ ایک لمحے کو وہ چپ سی ہو گئی اپنی برہم مزاجی میں وہ یکسر فراموش کر چکی تھی کہ کل ہفتے کا دن ہے اور اسکول کی چھٹی ہوتی ہے۔

”یہ صرف کل ہی کی بات نہیں ماں جی آپ دیکھتی ہیں میری پریشانی کو صبح صبح کہ کس طرح ان تینوں کی کھینچا تانی میں وقت گزر جاتا ہے۔ روز رات کو الٹے سیدھے قصے سن کر سوتے ہیں اور اسکول ٹائم میں نیند پوری کرتے رہتے ہیں۔“ اس نے بد لحاظی کی انتہا کر دی، جہاں ماں جی کو بے حد سکی کا احساس ہوا وہاں تینوں بچوں کے چہرے بھی اتر گئے تھے۔

”نہیں بہو..... میں بچوں کو مسلمان سپہ سالاروں کے قصے سنا رہی تھی تاکہ ان کی معلومات میں بھی اضافہ ہو اور کہاں سے الٹے سیدھے واقعات لاؤں گی سنانے کو۔ چلو بچو آج کے لیے اتنا بہت ہے اب اچھے بچوں کی طرح سو جاؤ۔“

”تھوڑی کہانی اور رہ گئی تھی“ ممانے غلط سوچ پر انٹری دے دی۔“ زویا بڑی تھی اس لیے زبان کے معاملے میں بھی کچھ آگے تھی، اس کی گھوریوں کا بھی اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ اب کے ماں جی ہی رضائی چھوڑ کر کھڑی ہو گئی تھیں کیونکہ اب ان کے نوافل اور تسبیحات کا ٹائم شروع ہو جانا تھا۔ بڑھاپے کی بے خوابی کا قطعاً اثر نہ لیتے ہوئے وہ جاء نماز پر وقت گزارا کرتی تھیں، جانے کسی پہر آنکھ لگ گئی تو لگ گئی ورنہ عبادت کے مزے لیتی رہتیں۔

”میرے لیے تو کوئی ٹائم ہی نہیں محترم کے پاس۔ ہتا  
نہیں کیسے بے حس انسان ہیں جن کے پاس بیوی سے  
بات کرنے کا کوئی ارمان ہی نہیں۔ ماں جی کی باتیں ختم  
ہوں تو میں بھی زبان کی گرہ کھولوں۔ اب ان باتوں میں  
مجھے کیا دلچسپی کہ ان کے جیٹھ کی سالی کی شادی میں کتنے







طریقے ایجاد ہو رہے ہیں، ایک وہ زمانہ تھا جب تمہارے دادا ابا خیر سے تمہارے پاپا نے بھی تعلیم حاصل کی، کیا نفسی کا دور تھا۔ ایک ٹائم کھانا کھا کر دوسرے ٹائم کے لیے سوچا جاتا تھا کہ اب کیا کیا جائے اس دور میں تعلیم کا حصول کتنا مشکل تھا کوئی ہم سے پوچھے پھر بھی دادا ابا نے تعلیم حاصل کی، قلیل تنخواہ میں تمہارے پاپا نے علم کو اوڑھنا کچھونا بنایا، کیا انہیں پتا نہیں ہوگا کہ پائن اپل کسے کہتے ہیں؟“ وہ ہنسیں۔ اس کا تو پارہ ہائی ہو گیا۔

”اللہ کا واسطہ ہے ماں جی ہر بات کو اپنے زمانہ قدیم سے نہ ملایا کریں۔ اس دور میں تو کمپیوٹر، لپ ٹاپ بھی قدم قدم پر انسان کی راہ نمائی نہیں کیا کرتے تھے۔ ہم تعلیم یافتہ ہو کر بھی کمپیوٹر کی تعلیم سے نا آشنا ہیں آج کے با اعتماد بچوں کے سامنے بے وقوف بن کر بیٹھے ہوتے ہیں۔ آج کا بچہ بچہ سیل فون سے کھیل رہا ہے، گزشتہ زمانے کا کیا تقابل آج سے۔“ ان دنوں کچھ زیادہ ہی چڑ ان سے محسوس ہونے لگی تھی جس کا نتیجہ آج کل کی بد لحاظی کی شکل میں نکلا۔ ماں جی کی کیفیت پت جھڑ کے ٹنڈ منڈ درخت جیسی ہو گئی جیسے کسی نے ان کی مسکراہٹ کے ہرے لبادے کو نوچ ڈالا ہو۔

کچھ تابش کے رویے نے اسے روایتی بہو بننے پر مجبور کر دیا تھا، ابھی خود جو اسکول والوں کی بڑھتی ہوئی فرمائشوں پر چڑ محسوس کر رہی تھی۔ ماں جی کی دخل اندازی نے فوراً اطوار بدلنے پر مجبور کر دیا۔

ماں جی فوراً وضو کرنے اٹھ گئیں حالانکہ عصر کی اذان بھی ابھی نہیں ہوئی تھی اسے کمینی سی خوشی محسوس ہوئی انہیں یک دم چپ ہوتا دیکھ کے۔ اسی رات ماں جی نے تابش کو لاہور کا ٹکٹ منگوانے کا کہا۔

”کیوں ماں جی.....! خیریت تو ہے یہ بیٹھے بٹھائے سردی کے موسم میں شہر بدلنے کی کیا سوجھی۔ خدا نخواستہ کوئی گستاخی ہو گئی ہے کیا ہم سے۔“ انہوں نے چور ٹکاہوں سے شہرین کو دیکھا جو خود بھی نظریں چرائے بیٹھی تھی۔

”ارے نہیں میری جان..... اللہ تم لوگوں کو سدا سلامت رکھے۔ یونہی بیٹھے بیٹھے عاطف اور اس کے بچے یاد آنے لگے دل بہت بے چین ہو رہا تھا ان لوگوں سے ملنے کو، اس تم انتظام کر دو کتنے دن ہونے ان لوگوں کی شکلیں دیکھے ہوئے۔“ ان کی شیریں بیانی کے آگے تابش کی نانا بھی نہیں چلی اسے انہوں نے شیشے میں اتار لیا۔

وہ چلی گئیں، شہرین نے سکھ کا سانس لیا کیوں کہ ان کے انداز بتا رہے تھے کہ وہ اب نہیں آئیں گی ان کے پاس۔

”چلو اب میری زبان کے زنگ بھی صاف ہوں گے، بڑی بی اپنے آگے کسی کو کچھ بولنے ہی نہیں دیتی تھیں۔“ وہ جو تابش سے بدگمان ہوئی بیٹھی تھی ایک دم سے دل صاف کر بیٹھی۔ وہ بھی اس کے بدلے بدلے انداز دیکھ رہے تھے جو ہر کام گنگناتی ہوئی کر رہی تھی پر بچے بہت مس کر رہے تھے انہیں روز رات کو دادی سے کہانیاں جو سننے کے عادی تھے اب تینوں کو اکیلے کمرے میں ڈر بھی لگنے لگا۔

”دودھ پیتے نہ بنو سمجھے تم لوگ، اعتماد پیدا کرو ساتھ ہی تو کمرہ ہے درمیان سے دروازہ کھلتا ہے پھر ڈر کس بات کا؟“ وہ چپ سے ہو گئے۔

انہی دنوں ان کی گلی میں ڈکیتی کی نئی واردات ہوئی، صبح چار بجے پانچ ڈاکو موٹے تالے کو دزار کی مدد سے کاٹ کر گھر میں داخل ہوئے، دونوں ہمایوں کو مضبوط رسیوں سے باندھا اور ایک ڈاکو دونوں بہوؤں پر پستول تان کر کھڑا ہو گیا، ساتھ وارننگ بھی جاری کی کہ کسی نے ہلنے کی بھی کوشش کی تو سب سے ہوئے بچوں کی جان سلامت نہیں رہے گی۔ گھر میں رکھے بزنس کی غرض سے تین لاکھ روپے، تین سونے کے سیٹ، الیکٹرونکس آئٹم اور بچوں کے قیمتی کھلونے بھی اپنے ساتھ لے گئے، ڈیڑھ گھنٹے میں بھرا پر اگھر بھائیں بھائیں کرنے لگا۔

دوسری صبح اہل محلہ کو پتا چلا، بس خیر تھا کہ کسی کی جان







مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا۔“

ہوں گی۔

”ماں جی.....“ اس کی پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

”ہاں ہاں بول بچے..... خیریت تو ہے؟ تابش نے پوری رپورٹ مجھے دی ہے کوئی مسئلہ ہے کیا اللہ نہ کرے۔“ اس کے سوکھے وجود میں جان پڑ گئی۔

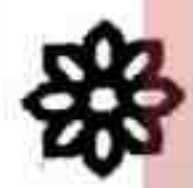
”ن..... نہیں ماں جی..... بس آ..... آپ واپس آ جائیں مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔“ کہہ نہ پائی کہ پچھلے بیس پچیس دنوں سے وہ سو نہیں پائی تھی۔

”ہاں..... ہاں تم گھبراؤ نہیں میں نے ٹکٹ منگوا لیا ہے کل ہی روانہ ہو رہی ہوں یہاں سے اس وقت میرے بچوں کو میری ضرورت ہوگی۔ یہاں تو اللہ کے فضل سے بہت امن و امان ہے پر تم لوگ ان حالات میں اکیلے پڑ گئے ہو فکر مت کرو پرسوں تم لوگوں کے ساتھ ہوں گی میں۔“ اس کے آنسو تواتر سے بہنے لگے کیسی نبض شناس مسیحا تھیں وہ۔

”ماں جی..... مجھے معاف کر دیں۔“ اس کی بھیگی آواز کی نمی میں وہ بھی بھیگ گئی تھیں۔

”پاگل ہو تم ایسا کرو بیڈ پر جاؤ آیت الکرسی کا ورد شروع کرو میں بھی یہاں سے روز تم لوگوں کا حصار باندھتی ہوں دیکھنا خود غیند آ جائے گی۔ اللہ بہتر کرے گا۔“

”جی اماں جی۔“ دل چاہ رہا تھا پھوٹ پھوٹ کر روئے یہ خواہش فوراً ہی پوری ہو گئی سیل آف کرتے ہی جوں ہی پلٹی تابش اس کے لرزتے کپکپاتے وجود کو سہارا دینے کے لیے کھڑے اس کی ساری باتیں سن رہے تھے۔ بس پھر کیا تھا تابش کے شانے تھے اور اس کے بے دریغ آنسو انہیں خبر ہو گئی تھی کہ شہرین کا آدھا غم ہلکا ہو چکا ہے ماں جی کی آواز سن کر۔



”ہاں جب تک ڈاکو ہر گھر سے فیض یاب ہو کر روانہ ہو چکے ہوں گے اتنی جلدی ہماری کب سنی جائے گی تابش۔“ وہ واقعی بہت پریشان تھی ایک پل کی نیند کو ترس گئی تھی۔ جی چاہتا ہے کوئی اس کے پاس جا سکے تاکہ وہ بھی کچھ دیر کو آنکھیں موند لے۔

کوئی آواز ہر پل کان میں گونجنے لگا تاکہ وہ پرسکون ہو کر سو پائے۔ اس شور میں بھی اس کے اعصاب کو آسودگی مل سکے تابش کی نیند سے وہ واقف تھی کہ وہ جاگ نہیں سکتے تھے وہ خود دودھ پیتی بچی بن گئی تھی۔ اس کی سماعت ان آوازوں کو ترس گئی تھی جو برابر والے کمرے سے آرہی ہوتی تھیں کبھی جو اس کے اعصاب پر ہتھوڑے برساتی تھی۔ ہر پل بڑھاپے کی بد خواب آنکھوں کی نگرانی سے خود کو محروم پاتی جو عبادت میں خود کو محو رکھتیں اس وقت وہ چلتا پھرتا چاق و چوبند وجود گھر میں ہوتا تو کس قدر رونق سی ہو جاتی۔ اس خوف و ہراس کے دور میں وہ تھوڑی دیر سو تو جاتی ہر پل گونجتی آواز گھر کے کونے کونے میں رونق تو بکھیرتی تھی نا..... اس نے اس سانے بکھیرتی رات میں ہتھیلی مسلی جو خوف سے بھیگی ہوئی تھیں۔ رات کے تین بج رہے تھے اسی ٹائم سے چور اچکے زیادہ مستفید ہوتے ہیں اس نے چپکے سے سیل اٹھا کر نمبر ملا لیا۔ اپنی خود غرضی پر خود ہی نادم ہوئی پھر سیل آف کر دیا۔

”سزا ملی ہے مجھے بزرگ جیسی نعمت کی ہنک کرنے کی۔“ پلکوں پر نمی جم گئی تھی۔ کتنے ٹھاٹ سے سوتی تھی ایک مڑبی ہستی کو جھاڑ کر وہ ٹھاٹ باٹ سب مفقود ہو گئے تھے۔

”کیا ہتا مجھے معاف کر دیں وہ دل کی بھی تو بہت وسیع ہیں۔“ ایک چھوٹا سا سیل فون تابش نے ہی ماں جی کو کال ریسیو کرنے کے لیے پچھلے سال ہی لا کر دیا تھا ان کا نمبر ہر کسی کے پاس تھا۔ پہلی بپ جاتے ہی انہوں نے کال ریسیو کر لی تھی پتا تھا نا کہ وہ اس وقت تہجد کی تیاری کر رہی



URDU SOFT BOOKS

DOWNLOAD URDU BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

WWW.URDU-SOFTBOOKS.COM

URDU-SOFTBOOKS.COM

URDU-SOFTBOOKS.COM

URDU-SOFTBOOKS.COM

URDU-SOFTBOOKS.COM

URDU SOFT BOOKS

پلاٹ فارم اور انجمن  
یاسمین نشاۃ

DOWNLOAD URDU BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

WWW.URDU-SOFTBOOKS.COM



Watch Us On  
**You Tube**

چہرے کے فالتو بالوں کا

بہت ہی آسان علاج



Health Care Club



چہرے کی جھڑیوں کا

بہت ہی آسان علاج



Health Care Club









خیال آیا اس "سوئے ہوئے محل" کو اٹھالے۔ ورنہ بھوکی رہ جائے گی سو اس نے زیمیل کا کندھا ہلایا۔  
 "اٹھ جائیں زیمیل کھانے کے لیے چلنا ہے۔" وہ  
 ٹس سے مس نہ ہوئی۔ "زیمیل انھیں بھی۔" اس نے  
 دوبارہ عمل دہرایا۔

"اوہوں۔" وہ کسمسائی اور کروٹ لے کر اوندھی ہو گئی۔  
 "تمہیں کیا مسئلہ ہے اب؟ بھی چکو۔ خود ہی کھاتی پھرے  
 گی۔" زمین نے بے زاری سے کہا تو شبانہ کندھے اچکائی اس  
 کے پیچھے ہوئی۔

"سنو شبانہ میرا کھانا ادھر ہی لے آنا۔" بیڈ کی طرف سے  
 آتی آواز نے اس کو گھما کر رکھ دیا۔  
 "اس قدر شاہانہ انداز..... یہ ہے کہاں کی شہزادی ڈیانا؟"  
 وہ تلملا کر مڑی۔

"ہم کوئی تمہارے نوکر نہیں ہیں اور نہ ہی یہ تمہارا محل۔ بی  
 بی یہ ہاسٹل ہے اور تمہیں سارا کچھ خود ہی کرنا ہوگا اور وقت پر  
 ورنہ بھوکی مرو گی۔" زمین نے اسے کھری کھری سنا دی۔ اس  
 نے کوئی بھی رسپانس دیئے بنا پھر سے کروٹ بدل لی۔ وہ  
 دلوں باہر نکل گئیں۔ کھانا کھاتے ہوئے بھی وہ زیمیل حسان  
 کو ڈسکس کرتی رہی تھیں کھانے کے بعد شبانہ تولابی میں چلی  
 گئی جب کہ زمین کمرے میں آ کر موبائل پر مصروف ہو گئی۔  
 موبائل رکھنے کی پرمیشن تو نہیں تھی لیکن ہر لڑکی کے پاس  
 سائکٹ لگا موبائل موجود رہتا تھا۔ اور پیچہ ز بھی جانتی تھیں  
 لیکن کوئی بھی جتنا نہیں تھا ہاں بھی کبھار چیکنگ ہو جاتی اور  
 موبائل پکڑے جاتے لیکن کچھ فائن کرنے کے بعد واپس  
 کر دیئے جاتے سوائس کوئی سختی نہ تھی۔

"ویسے یہ کب سے سو رہی ہے؟" شبانہ دوم میں آئی تو اس  
 نے پوچھا۔ اس کی نیند سے اب اسے کوفت ہونے لگی تھی۔  
 "رات سے۔" شبانہ نے اتنی بے نیازی سے کہا کہ زمین  
 کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

"کیا رات سے..... نہیں تم مبالغہ آرائی سے کام لے  
 رہی ہو؟"

"کیوں بھلا..... مائی ڈیر یہ پرسوں تمہارے جانے کے  
 بعد آئی تھی۔ نہ سلام نہ دعا۔ اپنا سامان جو کہ تین عدد بڑے  
 بڑے سوٹ کیس پر مشتمل تھا یہاں رکھا اپنا فٹن کیریئر نکال کر  
 ٹھوسا اور پھر مائبرش کے پیچج کے سو گئی۔ صبح ناشتے کے لیے

اٹھی۔ کپڑے بدلے اور باہر نکل گئی۔ دوپہر کو واپسی ہوئی اور  
 سوٹ کیس کھولے جانے لگے ایک ایک چیز نکال کر ڈھیر کر دی  
 گئی۔ شاید کچھ ڈھونڈا جا رہا تھا میں نے مردنا ہیلپ کی آفر  
 کر دی لیکن لٹھ مار تھینک پوسٹنے کو ملا۔ اس کے بعد میں تولابی  
 میں چلی گئی تھی واپس آئی تو کمرے کی حالت بری تھی اور محترمہ  
 محو استراحت اور اس کے بعد سے تم دیکھ ہی رہی ہو۔" شبانہ  
 تفصیل سے بتا کر اپنی الماری کی طرف بڑھ گئی پھر کچھ یاد آنے  
 پر مڑ کر بولی۔

"کل کالج میں پنک ڈے ہے۔" اور مشہور گلوکارہ بھی  
 آرہی ہے بریسٹ کینسر پر بریفنگ دینے کے لیے اور اس کے  
 بعد سنا ہے ویلکم ہے کپڑے ڈیپائٹ کرلو۔" وہ الماری میں سر  
 دیئے کچھ ڈھونڈنے لگی۔

"کیا ویلکم کل ہی ہے؟" زمین نے سراٹھا کر پوچھا۔  
 وہ اپنے پراجیکٹ میں بڑی تھی اسے آئیڈیا شاید کچھ اچھا  
 نہیں لگتا تھا۔

"نہیں فور تھ ایئر کی لڑکیاں باتیں کر رہی تھیں شاید نیکسٹ  
 ویک ابھی ڈیٹ ڈیپائٹ نہیں ہوئی۔ تمہارا اب گھر جانے کا  
 پروگرام کب کا ہے؟" وہ الماری سے مطلوبہ چیز برآمد کر چکی تھی  
 اس لیے بند کر کے واپس بیڈ پر آ گئی۔

"ابھی تو نہیں..... اگلے مہینے ابرار بھائی کی معنی کا فنکشن  
 ہے تب ہی جاؤں گی۔ روز روز اتنی دور کہاں جایا جاتا ہے۔"  
 اس کے چہرے پر کچھ بیزاری کی سی کیفیت تھی شبانہ نے  
 تائیدی سر ہلایا۔

"ہیلو زمین اینڈ شبانہ۔" ایک بے حد فریش اور چمکتی آواز  
 نے انہیں بری طرح چونکایا تھا وہ تو بھول ہی گئی تھیں کہ کمرے  
 میں ان کے علاوہ کوئی تیسرا بھی ہے ان کی نظر بے اختیار کوینے  
 کی طرف اٹھی تھی۔ وہ دلوں بازو اوپر کیے انگریزی لے رہی تھی  
 دلوں کی نظریں اس پر ٹھہری گئی تھیں۔ حسن اور وہ بھی ایسا۔ وہ  
 چھلانگ لگائی بیڈ سے نیچہ اتری۔

"نام تو میں بتا ہی چکی ہوں۔" وہ ان کی طرف آتے  
 ہوئے بولی اور اپنے دایاں ہاتھ آگے بڑھایا۔ پہلے زمین اور پھر  
 شبانہ کی طرف۔

"باقی میں اتنی بری ہوں نہیں جتنا ان دلوں میں تم نے سمجھ  
 لیا ہے۔" وہ زور سے ہنسی وہ بھی مسکراویں۔

"اصل میں جب میں....." وہ زمین کے ساتھ بیڈ پر بیٹھتی



ہوتی بولی۔

”بہت زیادہ فرسٹریڈ ہوتی ہوں تو اسی طرح کرتی ہوں اپنی چیزیں بکھیر کر گند پھیلا کر۔ سو کر مجھے جب کسی پر غصا آ رہا ہوتا ہے تو پھر میں ایسی ہی ہو جاتی ہوں اور جب میں دھمی ہوتی ہوں تو غائب ہو جاتی ہوں۔“ وہ بولتے بولتے رکی۔ وہ حیرانی سے اسے نان اسٹاپ بولتے دیکھ رہی تھیں۔

”کسے؟“ وہ پھر زور سے ہنسی۔

”یہ ابھی نہیں بتاؤں گی۔ جب تم مجھے دھمی کرو گی تب دیکھ لینا۔ اپنی دے شکر یہ تم نے میرا پھیلا واسیٹا۔ اگلے چھ سال تک ہمیں اکٹھے رہنا ہے امید ہے اچھی دوستی رہے گی کیوں؟“

”ہاں.....“ دونوں نے فوراً سر ہلایا جیسے وہ کچھ دیر چپ رہیں گی تو انہیں سزا سنادی جائے گی۔

”اچھا میں باہر جا رہی ہوں کچھ کھانے منے۔ تم چلو گی۔“ اس نے اٹھ کر الماری کھولی اور اس میں ٹھونسنے کپڑے اٹھا کر ڈھیر کرنے لگی۔

”تم دونوں اتنا کم تو نہیں بولتی ہو کیا میری دوستی پسند نہیں آئی؟“ وہ پھر ہنسی تھی شاید وہ جانتی تھی کہ ہنستے ہوئے اس کے چہرے پر کتنی دلکشی آ جاتی تھی۔

”نہیں ایسی بات نہیں۔ شاید ہم امپریس ہو رہے ہیں۔“ شبانہ فوراً منمنائی جب کہ زمین نے اسے گھورا تھا۔

”میری خوب صورتی سے۔“ وہ پھر ہنس پڑی۔ اپنا مطلوبہ جواز انکشاف کرنا ماری بند کی۔

”میرے پاس تو تمہیں ایمپریس کرنے کے لیے بہت کچھ ہے لیکن دوستی میں سب کچھ برابری کی سطح پر ہوتا ہے تم کبھی مجھ سے ایمپریس مت ہونا۔ ورنہ پھر میں شاید یہ دوستی نہیں کر سکوں گی۔ تم لوگوں نے بتایا نہیں چل رہی ہو یا نہیں؟“ اس نے کچر میں جکڑے بالوں کو کھولا۔ ریکی بال شانوں پر بکھر گئے۔

”نہیں..... اور شاید تم بھی نہیں جاسکو گی۔ گیٹ آٹھ بجے بند کر دیا جاتا ہے اور سات بجے کے بعد وارڈن باہر قدم نہیں رکھتے۔“ اب کہ زمین بولی۔

”وارڈن اور گیٹ میرا مسئلہ نہیں تم جانا چاہتی ہو تو آ جاؤ۔“ وہی بھلے کھائیں گے پا پڑی والے۔ ساتھ میں فروٹ چاٹ مصالحوے والی۔“ اس نے لایچ دیا۔ شبانہ کے منہ میں پانی بھر آیا وہ حامی بھرنے ہی والی تھی کہ زمین نے اس کے منہ پر

ہاتھ رکھ دیا۔

”نہیں شکر یہ ہم لوگ کھانا کھا چکے ہیں۔“ اس نے نہایت شائستگی سے منع کیا وہ کندھے اچکا کر اپنے کپڑے پر لیس کرنے لگی۔

”سوری تمہیں تھوڑی دیر کے لیے یہ برداشت کرنا پڑے گا میں آتے ساتھ ہی سمیٹ لوں گی۔“ وہ معذرت خواہانہ انداز میں کہتی ہاتھ روم میں گھس گئی۔

”کیا چیز ہے یہ۔“ اس کے جاتے ہی زمین نے شبانہ سے کہا اور اس نے جواباً کندھے اچکا دیئے۔

وہی بھلے تو نہ کھائے البتہ ٹھیلے والے سے چکن برگر لے کر وہ کافی دیر فٹ پاتھ پر واک کرتی رہی۔ ٹریفک انتہا کی تھی سارے چھٹی گھروں کو لوٹ رہے تھے۔

”تمہارے سارے شوق مل کلاس لڑکیوں والے کیوں ہیں؟“ پہلا لقمہ منہ میں جاتے ہی اسے کسی کا کہا جملہ یاد آیا۔

”مثلاً؟“ وہ اپنی ستواں ناک چڑھائی۔

”یہ وہی بھلے ٹھیلوں کے برگر پکڑے وہی کی چٹنی والے سمو سے..... اوپر سے تمہاری شاپنگ بھی کچھ ایسی ہی جگہوں سے ہوتی ہے برانڈڈ شاپس کے باہر لگے ٹھروں پر بکتے سیل والے کپڑے۔ سیل والے بیگز انارکلی اچھرہ تمہارے فئورٹ شاپنگ مالز کہیں سے بھی تم لگتی ہو پرنس شہریار کی بیٹی؟“ وہ دونوں ہاتھ پتلون کی جیبوں میں گھسائے اس کا مذاق اڑاتا۔

”کیوں پرنس شہریار کی بیٹی کیا آسمان سے ٹپکی ہے؟“ وہ ہنس دی یوں کہ اس کے دائیں گال میں بڑا ننھا سا ڈمپل اور نمایاں ہو جاتا اور وہ دیکھتا رہتا۔ اپنی اس پائل سی کزن کو۔ جو سارے زمانے سے ہٹ کر تھی اس کا سارا خاندان اسے اپنا مل سمجھتا تھا واحد ایک عون ہی تھا جو اس کے ہر کام میں اس کا ساتھ دیا کرتا تھا۔

ریگل چوک کے وہی بھلے ہوں یا شاہ عالمی کے کشمیری دال چاول، سمن آباد کے پکڑے یا بابا پور کے وہی کی چٹنی والے سمو سے ہوں۔ وہ عون کو ایک فون کرتی ادھر وہ سارے کام چھوڑ اپنی اس کزن کی فرمائش پوری کرنے پہنچ جاتا اور وہ اس کی بانیٹک کے پیچھے بیٹھ کر سارا جہاں پھرا کرتی۔ یہ اور بات کہ گھر آ کر ماما سے جو گھنچائی ہوتی وہ اس کا سارا مزہ کر کر کر ڈالتی لیکن وہ بھی زیمیل حسان بھی چند ہی منٹوں بعد سب بھلا کر اگلے دن پھر کسی پلان کو ترتیب دے رہی ہوتی۔



ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دلیز پر فراہم کرینگے

پاکستان کے ہر کونے میں 700 روپے

7000 روپے

6000 روپے

رابطہ: طاہر احمد قریشی ..... 0300-8264242

کتاب نمبر: 7 فسیحہ جمیعہ عبد اللہ باوانی و دیگر اچھی  
فون نمبر: +922-35620771/2

aanchalnovel.com

برگر کھاتی سوچوں میں ڈوبی اسے پتہ ہی نہ چلا تھا کہ وہ ہاسٹل کے گیٹ تک پہنچ گئی تھی۔ واج مین کو سوکانوٹ پکڑانی وہ مزے سے ہاتھ جھاڑتی اندھا گئی۔ رست واج میں ٹائم دیکھا ساڑھے آٹھ ہو رہے تھے وہ مڑی اور واج مین کو گیٹ بند کرتے دیکھ کر مسکرا دی۔

کمرے میں پہنچی تو زمین چائے پی رہی تھی اور شبانہ ہینڈ فری لگائے جانے کیاس رہی تھی اسے دیکھ کر دونوں نے ایک ساتھ ہی وال کلاک کی سمت دیکھا تھا مین گیٹ سے ہاسٹل کا راستہ پندرہ بیس منٹ کا تھا اس نے ہاتھ میں پکڑا چپس کے پیکنٹوں سے بھرا شاپر زمین کے آگے رکھا اور خود اپنی الماری سیٹ کرنے لگی۔ دونوں نے اس سے کوئی بات نہ کی تھی وہ بھی خاموشی سے اپنے کام میں لگی رہی تھی جیسے زمین کو یاد آیا۔

”تمہارا فون آ رہا تھا تم ادھر ہی بھول گئی تھیں اپنا سیل؟“  
 ”نہیں..... بھولی نہیں تھی خود ہی چھوڑ گئی تھی۔“ وہ  
 بیگز نکال رہی تھی۔ نرمین نے دیکھا بہت خوب صورت  
 ہینڈ بیگز تھے۔

”یہ بیگز ممالاتی ہیں جب بھی فارلن ٹور پر جاتی ہیں۔“ وہ اس کی نظروں کو بھانپ گئی اس لیے بتانے لگی۔

”اصل میں میری ساری نخیال کو شاپنگ اور انڈا ہندو شاپنگ کا خط ہے چیزیں یوں خریدتے ہیں جیسے مفت بٹ رہی ہوں۔ کہیں تم پھر تو مجھ سے ایمپریس نہیں ہو رہی؟“ اس کی نظروں کی محویت بھانپ کر وہ مسکرائی۔

”نہیں۔“ زمین نے سر جھکا لیا۔ حقیقت تھی کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی شخصیت سے ایمپریس ہو رہی تھی اس کی پرسنالٹی میں تھا کچھ ایسا جو کہ مقابل کو اپنی طرف اٹریکٹ کرتا تھا۔ وہ اپنے کام سے فارغ ہوئی تو بھی زمین نے گرم چائے کا کپ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس کے چہرے پر چمک سی آگئی۔

”اوہ تھینک یو۔“ اس نے کہہ دیا۔  
 ”کتنی خوشی ہوتی ہے جب کوئی آپ کی طلب پڑھ لے اور  
 پھر اس کو پورا کر دے بنا آپ کے اظہار کیے؟“

”مجھے لگتا ہے میرا یہاں دل لگ جائے گا۔“ اس نے  
 حائے کا پہلا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

”نہیں بھی لگا تو ہم ہیں ناں۔“ شبانہ نے ہینڈ فری اتارتے ہوئے کہا تو تینوں ہنس دیں۔ وہ ساری رات اس نے



مختلف باتیں سوچتے آنے والے دنوں کا خاکہ بنتے گزار دی تھی۔ اگلا دن بے حد مصروف تھا۔ زمین اور شیانہ نے اپنا پورا کالج دکھایا۔ آڈیٹوریم سمینار روم لائبریری آفس اسٹاف روم سب کچھ دکھا ڈالا۔ بارہ بجے کے بعد پنک ڈبے کے سلسلے میں پروگرام تھا۔ سب لڑکیاں ہال میں جمع ہو رہی تھیں زمین بھی انہیں لے کر گھس گئی۔ ہال لڑکیوں سے کچھا کچھ بھر چکا تھا ایک ساتھ تین سیٹیں کہیں بھی خالی نہ تھیں سو تینوں الگ الگ ہو گئیں۔ پروگرام شروع ہو چکا تھا۔ ایک لیڈی ڈاکٹر بریسٹ کینسر کی علامات تشخیص اور وجوہات پر بریفنگ دے رہی تھی۔ وہ بے توجہی سے سن رہی تھی۔ کبھی اس کی نظر اسٹیج پر کھڑی مسز حسان پر جا پڑی۔

”نہیں یہاں؟ پبلشنگ کا تو کوئی موقع ماما کے ہاتھ سے پھسل نہیں سکتا۔“ اس نے برا سامنہ بنایا اسے اب اس شو میں انٹرسٹ نہیں رہا تھا۔ وہ باہر نکل آئی۔ زم زم کھلی سی دھوپ ہر سو پھیلی ہوئی تھی وہ بے حد آہستگی سے چلتی ہوئی گراؤنڈز کی طرف آگئی۔ نسبتاً ایک ویران گوشے کا انتخاب کیا اور زمین کو ایک پیپر سے صاف کر کے بیٹھ گئی۔ فاصلے فاصلے پر بیٹھی لڑکیوں کے گروپس خوش گپیوں میں مصروف تھے اس نے اپنا لیپ ٹاپ کھولا اور کچھ سرچ کرنے لگی زمین اور شانہ جانے کہاں رہ گئی تھیں یہ کام بھی بورنگ لگنے لگا تھا آج کوئی خاص کلاس بھی نہیں تھی۔ پچھلے ایک ہفتے کے سارے نوٹس وہ شانہ اور زمین سے لے چکی تھی۔ گھر..... ہاں شاید وہ گھر کو مس کر رہی تھی مگر کس کو؟ شاید عون کو..... نہیں۔ اس نے زور سے سر جھٹکا۔ وہ عون کے بارے میں سوچتا نہیں چاہتی تھی۔ عون نے اسے بہت زیادہ ہرٹ کیا تھا۔ جو حرکت عون نے کی تھی وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی عون پر تو اسے اپنے آپ سے زیادہ اعتماد تھا وہ ایسی بات کہہ گا اس کے تو تصور میں بھی نہیں تھا اور یہ عون سے شدید ناراضگی کا ایک اظہار ہی تھا کہ وہ گھر اور عون سب کو چھوڑ چھاڑ ہاسٹل چلی آئی تھی۔ اس کا ذہن پھر عون کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔ بھی ذرا فاصلے پر بیٹھے گروپ کی ایک لڑکی بلند آواز سے چلانے لگی۔

”پچھلے ہفتے اسی لڑکی کو میں نے اپنے خون سے ایک بڑے سے کارڈ پیچر برآئی لو پو اور دل بناتے دیکھا تھا بعد میں اسی طرح تصاویر بنا کر کسی کو بھیجی گئی تھیں۔ میں تو حیران ہوں اتنے پیسے خرچ کرنے کے بعد یہ لڑکیاں کالج میں یہ کچھ کرتی پھر رہی ہیں۔ ہیں کس ایئر کی پڑھتی ہیں۔ کوئی ان کے ماں باپ کو بتائے تو وہ تو جیتے جی ہی مر جا میں اپنی اولاد کے ایسے کر تو ت سن کر۔“ اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کے پہلے زیمیل اور پھر نرمن کو دیکھا۔ زیمیل جھک کر اپنا لپ ٹاپ اٹھانے لگی تبھی ادھر سے قہقہوں کی آواز آیا آنے لگیں۔ شاید ان کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔

”آئی ول شوٹ یو۔ تم یہ سوچ بھی کیسے ہو؟ دیکھو اگر تم نے ایسا کیا تو۔ میں ابھی اسی وقت اپنی کھائی کاٹ لوں گی۔“ وہ ہنسی ہو کر اس قدر شدت سے چلائی کہ زینل خوف زدہ سی ہو کر اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ وہ لڑکی فون پر غالباً کسی لڑکے



ہی تھی کہ سامنے سے شبانہ آتی دکھائی دی۔ وہ میوزک کی کلاس لینے جا رہی تھی اسے ہاتھ سے اشارہ کرنے لگی پاس آئی تو بولی۔  
 ”تم سے ملنے کوئی آیا ہے میں سمجھی تم شاید روم میں ہو۔“  
 ”عون آیا ہوگا!“ اس نے لاپرواہی سے کندھے اچکائے۔  
 ”بھائی؟“ شانہ نے استغفہامی نظروں سے اسے دیکھا۔  
 ”نہیں۔“ وہ مختصر ا کہہ کر وزینگ روم کی طرف بڑھ گئی لیکن شانہ کو یہ خبر زمین کو سنا کر ہی چین آیا تھا کہ زمیل کو ملنے اس کا کوئی خاص بندہ آیا ہے وہ دونوں بے چینی سے اس کا انتظار کرنے لگی تھیں۔ زمیل وزینگ روم میں داخل ہوئی تو اس نے اپنا دل اور لہجہ دونوں مضبوط کر لیے تھے وہ اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

”کیسی ہو؟“ وہ کھوجتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔  
 ”ایک دم فرسٹ کلاس۔“ وہ کھلکھلا کر ہنسی اور ان بھتی گھنٹیوں پر اس کا دل سجدہ ریز ہونے لگا تھا اس نے بمشکل خود کو سنبھالا تھا۔

”تم کیسے ہو اور مام ڈیڈ؟“ اس نے ہاتھ سے پیشنے کا اشارہ کیا اور خود بھی کارز صوفہ پر ٹک گئی۔ عون نے اس پر سے نظریں نہیں ہٹائی تھیں۔  
 ”آئی حسب معمول روٹی گئی ہیں انکل کینڈا۔ میں نے ابھی باہر دیکھا۔ عیدہ آئی تھی یہاں؟“ اس نے بتاتے ہوئے ایک گہری نظر ڈالی۔

”ہاں تم کیوں آ گئے۔ اب اگر تمہارا نام میں نے وزیٹرز لسٹ میں دے ہی دیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم آئے روز یہاں کے چکر لگانے لگو۔“ اس نے سیدھا سیدھا کہا۔ عون ہنس دیا۔

”پتہ ہے ہم دونوں میں کیا مشترک ہے۔ ہم دونوں دل رکھنا نہیں جانتے۔ سچ بول دیتے ہیں۔ تو سچ چاہے کڑوا ہونسا تو پڑتا ہی ہے۔ چلوگی وہی بھلوں کی ایک اور دکان ڈھونڈی ہے میں نے۔“ وہ بڑی بے ربط سی گفتگو کر رہا تھا۔

”نہیں..... نہیں جاسکتی ڈسٹرب ہوں۔ اچھا اللہ حافظ۔“ وہ کھڑی ہو گئی عون نے نادیدہ نظروں سے اسے دیکھا کس قدر ظالم ہو گئی تھی یہ لڑکی وہ جو اس کی سب سے اچھی دوست تھی۔  
 ”سنو تم ناراض ہو؟“ اس نے پوچھا۔

”ہاں۔“ وہ کہہ کر باہر نکل گئی اور عون کی نظروں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا وہ واقعی نہیں سمجھ پا رہا تھا اب کیا کرے؟



”طیب تے اتنا کمینہ اے اوئے ہوئے کید دساں بھراں جی۔ اک داری ایک ملی لے آیا وہ ملی سی کہ شری۔ اور چڑھ ادھر چڑھ کرسی نجی۔ ہر شے گندی کر چھوڑی۔ مینوں غصا آیا۔ میں بھی غسل خانے اچ بند کر چھوڑی۔ پر طیب انہوں یاد کر کے اتنا رویا۔ ہلا خرمینوں کڈھنا پیا۔ پر بھلی میں وی نہیں۔ ایک دن شدید ٹھنڈا اچ میں دونوں لوں باہر کڈھ چھوڑیا۔ تے مینوں آ کھدا اے نہاڑے ورگیاں ستاں ہوندیاں جیڑیاں نولاں سمیت پترالوں اس موسم اچ کدھ ماردیاں۔ چائے کڈی ظالم سی اے۔ گھبراں جی کید دساں ہے تے تیرہ سال واپر حرکتاں۔ میں تاں ٹک آ گئی آں۔“ بشری نے طیب نامہ سنایا۔

”طیب تو اس قدر کمینہ ہے کہ بھائی صاحب کیا بتاؤں ایک دفعہ ملی لے آیا وہ ملی تھی کہ بھلی جڑی۔ چار پائی کرسی ہر شے کو گندا کر دیا۔ مجھے غصا آیا تو میں نے اسے ہاتھ روم میں بند کر دیا۔ لیکن طیب اس قدر رویا کہ مجھے اسے باہر نکالنا پڑا لیکن میں بھولی نہیں شدید سردی میں دونوں کو نکال باہر کیا کہنے لگا آپ جیسی ساس ہوئی ہیں جو اس طرح کے موسم میں بہو کو بیٹے سمیت نکال باہر کرتی ہیں کس قدر ظالم ساس ہے کیا بتاؤں بھائی صاحب ہے تو تیرہ سال کا لیکن حرکتیں میں تو ٹک آ گئی ہوں۔“ چوہدری صداقت ہنس پڑے۔ بشری ان کی لاڈلی اور پیاری بہن تھی۔

”جھیلے ایویں پریشان نہ ہو یا کر۔“ انہوں نے حقے کو منہ میں ڈال کر پیار سے دیکھا۔

”لو بتاؤ۔“ بشری نے ناک چڑھائی۔ اسی وقت بھر جائی نذیراں لسی کے گلاس لے آئی۔ تو باتوں کا رخ مڑ گیا۔ بشری اپنے بچے ٹیپو کے بارے میں پوچھنے لگی۔ نذیراں خوش ہو کر بتانے لگی۔ ٹیپو کا ذکر اسے بہت ہی خوش کرتا تھا۔

”بہت دن ہو گئے بھائی ٹیپو نہیں آیا۔“ بشری نے لسی کا گھونٹ بھرتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں بس۔“ چوہدری صداقت نے مختصر ا کہا اور کسی سوچ میں گم ہو گئے۔ ٹیپو کا واقعی کافی دنوں سے کوئی رابطہ نہ تھا ان کا اکلوتا بیٹا تھا یہ خوب رو جوان۔ جو لگتا تھا شہر کی رنگینیوں میں آہستہ آہستہ گم ہوتا جا رہا تھا۔

نذیراں نے لسی کے خالی گلاس اٹھائے اور بشری کو تاکید



کرتی گئی کہ وہ کھانا کھائے بغیر نہ جائے بشری کون ساٹنے والی تھی وہ تو آتی ہی سارے دن کے لیے تھی سسرال کے بکھیرے ہی اس قدر تھے کہ وہ ہفتے میں ایک دن تو جان چھڑا کر آتی جاتی تھی اور دن ڈھلے ہی اس کی واپسی ہوتی تھی وہ کافی دیر بیٹھی بھائی کے ساتھ کپ شپ کرتی رہی اور جب چوہدری صداقت اٹھ کر ڈیرے گئے تو وہ کچن میں نذیراں کے پاس آگئی۔ نذیراں نے مٹی کے چولہے پر ہانڈی چڑھا رکھی تھی اور باہر کچے صحن میں لگے تندور میں باسن یعنی ایندھن بھی ڈال دیا تھا بھر جانی آٹا گوندھ کر اب تندور پر روٹیاں لگانے کو تیار تھی وہ پیڑھی کھینچ کر بھر جانی کے قریب ہی آ بیٹھی۔

نذیراں وقفے وقفے سے پھٹنی سے چولہے میں پھونک بھی مار رہی تھی جس سے مسم ہوتی آگ پھر سے بھڑک اٹتی۔ پاس ہی ایک بڑی سی دپٹی دھری تھی جس میں نذیراں نے خالص دودھ سے کھیر تیار کی تھی وہ جانتی تھی بشری کو کھیر بہت پسند تھی اس لیے صبح اٹتے ساتھ ہی اس نے کھیر چڑھا دی تھی بھر جانی نے تندور پر روٹیاں لگانی شروع کر دی تھیں نذیراں دسکھی کا کٹورا اٹھائے گرم گرم روٹیاں پکاتی جا رہی تھی۔ بشری سے بھوک برداشت نہیں ہو رہی تھی اس نے ہانڈی سے کٹورا بھرا آدھا پکا سالن نکالا اور گرم گرم روٹی سے لطف اٹھانے لگی نذیراں اس کی حرکت پر ہنس دی۔

”بچیاں والی ہو گئی بشری پر عادات میں بدلیاں۔“ (بچوں والی ہو گئی ہو لیکن عادات میں نہیں بدلیں)

”پر کیوں؟“ گرم نوالہ منہ میں لیتے ہوئے زبان چل گئی تو وہ ”شش“ کر گئی۔

”سیانے کہہ گئے ہمیشہ ٹھنڈی کر کے کھاؤ۔“ نذیراں نے ایک اور گرم روٹی اس کے چھابے میں ڈالی۔ بشری نے سر ہلایا۔ پھر ہولے سے بولی۔

”بھابی نیپو کا کیا اشارہ ہے اباجی کو بہت جلدی ہے کہتے ہیں اب کی دفعہ نیپو آیا تو وہ نمو کی رخصتی کر دیں گے۔“ نذیراں نے پل کی پل اس کو دیکھا۔

”جیمیل بھائی نے ہمیشہ جلدی کی ہے نیپو بڑا افسر ہے اس کے طور طریقے بدل گئے ہیں پتہ نہیں وہ اس فیصلے کو مانے گا بھی یا نہیں۔ میرا دل تو بہت پریشان ہے کہیں اس نے انکار کر دیا تو پتہ نہیں کیا ہوگا۔“

”اللہ تو خیر منگ بھر جانی۔ تمہاںوں زبرد پتہ ہیں۔ کوئی کل

ہوئی اوہ اک منٹ اسی مینوں کدھن تے۔“ وہ دہل کر بولی۔ ”اللہ خیر کرے۔“ نذیراں نے ہاتھ کے اشارے سے بھر جانی کو مزید روٹی لگانے سے منع کیا اور پھر پکی روٹیوں کا مچھاپا اٹھائے باورچی خانے کی طرف آگئی۔ بشری بھی پیچھے آگئی تھی۔ ایک دم ہی اس کا پیٹ بھر گیا تھا وہ تو پہلے ہی مخالف تھی اس نے بھائی کو سمجھایا بھی تھا کہ کدھن سے والا کام نہ کریں لیکن لڑکیوں کی سنتا کون تھا چوہدری جیمیل نے اپنے منہ سے نمو کے رشتے کے بارے میں کہا تھا تو چوہدری صداقت کی ہمت کیسے ہوتی انکار کی۔ انہوں نے فوراً سے پہلے نمو کو نیپو کی منگ بنا ڈالا تھا۔ ان دنوں نیپو میٹرک میں تھا اور نمو آٹھویں پاس کر کے گھر بیٹھ کر گھرداری سیکھ رہی تھی کیونکہ گاؤں میں آگے اسکول نہ تھا۔ دن ڈھلے زبیر آیا اور بشری اپنے گھر چلی گئی۔ لیکن نذیراں کدھل میں چھپے سو سے جوں کے توں تھے۔



اس ویک اینڈ پر وہ گھر بھی آئی تھی۔ ڈیڈ اپنے فارن ٹور سے واپس آ چکے تھے اور می..... اپنے اگلے ٹور کی تیاری میں تھیں۔ وہ آج تک سمجھ نہ پائی تھی کہ ڈیڈ نے ایک جیسی ہی دو عورتوں سے شادی کیوں کر رکھی تھی۔ عمیدہ مام اور خزینہ می دونوں میں رتی بھر فرق نہیں تھا۔ دونوں کی عادات میں ہی نہیں پیسہ لٹانے کا طریقہ بھی ایک ہی تھا پھر جانے کیوں حسان شہریار نے عمیدہ کو چھوڑ کر خزینہ کو شریک حیات بنالیا تھا کھانے کی میز پر اشتہاء انگیز کھانے تھے اور اتنی بڑی میز کے ایک طرف وہ اور دوسری طرف ڈیڈ تھے۔ ڈیڈ کے دائیں طرف خزینہ می تھیں جو اپنی پلیٹ میں سلاد کے چند ٹکڑے ڈالے بڑی نزاکتوں سے ذرا ذرا کر کر کھا رہی تھیں اور یہی حال ڈیڈ کا تھا اسے ہنسی آگئی کیا فائدہ اتنی دولت کا کس قدر نعمتوں سے بھری کھانے کی میز تھی اور وہ دونوں کچی بنریاں کھا کر اپنا پیٹ بھر رہے تھے می کا ڈائننگ پروگرام اور ڈیڈ کی سو کالڈ بیماریاں۔ وہ جانتی تھی یہ سارا اہتمام اس کے لیے کیا گیا تھا۔ بریانی، کوٹھے، دم پخت، فرائی چکن، شامی، کباب، شامشک، رشین سیلڈ اور چکن جلفر یزی۔

”لوہ خدلیا..... اتنا رزق۔“ اور وہ جانتی تھی یہ سارا کھانا ڈسپوزل ہو جاتا تھا۔

”تمہاری اسٹڈیز کیسی چل رہی ہیں زیم؟“ ڈیڈ نے ایک سرسری نگاہ اس پر ڈالی اور ساتھ ہی ان کی نظر بار بار سامنے لگے وال کھاک کی طرف بھی اٹھ رہی تھی۔ نو بجے انہیں میننگ کے



لے لکھتا تھا اور می کو اپنی فلائٹ کے لیے وہ دونوں تو بس فارمیٹرز نبھانے اس کے ساتھ بیٹھے تھے۔  
 ”ابھی تو بس سو سو ہی ہے۔ ہاں فنکشنز آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔ سلیمہ بیٹیز آتے رہتے ہیں۔ ابھی پچھلے ہفتے جو بریسٹ کینسر کے سلسلے میں شو ہوا تھا عمیمہ۔ مام بھی ایزاے چیف گیسٹ وہاں موجود تھیں۔“ حسان شہریار کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا۔ جب کہ خزینہ نے بڑی کاٹ دار نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”تم ملی نہیں اپنی ماما سے؟“ لہجے میں واضح طنز تھا۔  
 ”کیا فرق پڑتا ہے؟“ اس نے چیخ بھر دی پلیٹ میں ڈالا اور سلاڈ میں مکس کر کے کھانے لگی۔ حسان شہریار اپنا ڈنر ختم کر چکے تھے سو کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

”زیمل کب تک ہو؟“ انہوں نے موبائل پر کسی کا نمبر ڈائل کرتے ہوئے پوچھا پھر جواب سنے بغیر باہر نکل گئے۔  
 خزینہ بھی زیادہ دیر مروت نہیں نبھا سکی اور معذرت کرتی اٹھ گئیں۔ نعمتوں سے سچی ٹیبل نے اپنی ناقدری کا رونا روایا تھا۔ وہ جو دو دن رہنے کا سوچ کر آئی تھی اگلی صبح ہی واپس جانے کا ارادہ کر لیا۔ یہاں رہ کر دیواروں سے تو باتیں نہیں کرنا تھیں۔ رات گئے تک وہ فیس بک پر مصروف رہی سوا گلے دن آ نکھ بھی دوپہر دو بجے کھلی۔ جلدی سے شاور لے کر اس نے اپنا بیگ اٹھایا اور باہر آ گئی۔ چوکیدار اور ڈرائیور دونوں غائب تھے اس نے تھوڑی دیر انتظار کیا پھر ٹیکسی لے کر ہاسٹل پہنچ گئی۔ شبانہ اور نرمین دونوں اپنے گھر گئی ہوئی تھیں کمرہ خالی تھا وہ بیک پینک کر بستر پر نیم دراز ہو گئی۔ ذہن منفرد سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ پتا نہیں اسے کب تک یہ خانہ بدوشوں والی زندگی گزارنی تھی دو مائیں ہونے کے باوجود اسے ماں کا پیاز ماں کی گود میسر نہیں تھی۔ عمیمہ مام تو اسے جنم دینے کے بعد بھول ہی گئی تھیں۔ ہاں خزینہ می کا پیار کا اپنا انداز تھا وہ اس کے لیے ڈھیروں شاپنگ کرتی فکر مندی کے دو چار جملے اور بس..... اور ڈیڈ کے پاس تو کچھ پوچھنے کے لیے بھی وقت مہینوں کے بعد میسر آتا تھا ایک عون تھا اس کا تایا زاد اور جو بچپن سے لے کر اب تک اس کا دوست اور ہم زاد تھا۔ لیکن اس نے بھی مردوں والا چولا پہن لیا تھا اور اسے مرد کی نظر سے ہی دیکھنا شروع کر دیا تھا۔  
 اسے عون سے محبت نہیں تھی لیکن پیار بہت تھا اور اس پیار کو وہ مرد و عورت کے تعلق کا نام نہیں دیتی تھی۔ ویسا ہی پیار جو ایک

انسان اپنی کسی عزیز شے سے کرتا ہے۔ سو عون اسے عزیز ضرور تھا لیکن اس کی طرف سے بڑے محبت کے ہاتھ وہ قبول نہیں کر سکتی تھی۔ بلکہ اس روپ میں تو وہ اسے کسی صورت بھی قبول نہیں تھا۔ وہ اپنے حالات اور عون کے بارے میں سوچتے سوچتے جانے کب نیند آ غوش میں چلی گئی تھی آنکھ کھلی تو رات کے نو بج چکے تھے۔ اسے بھوک بھی محسوس ہو رہی تھی اور سر میں شدید درد بھی۔ صبح سے لے کر اب تک اس نے کچھ بھی نہ کھایا تھا باہر جانے کی ہمت نہ ہو رہی تھی اس نے اٹھ کر الماری کھولی۔ شاید کچھ کھانے پینے کو مل جائے۔ مگر سوائے ایک بسکٹ کے پیکٹ کے اسے کچھ نہ ملا۔ وہ کچھ دیر خالی الذہن کیفیت میں بیڈ پر بیٹھی رہی پھر جانے کیا سوچ کر عون کا نمبر ڈائل کر دیا۔ ایک دنگ پر ہی فون ریسیو کر لیا گیا تھا۔

”بھوک ستا رہی ہے؟“ چھوٹے ہی پوچھا اس کے درست قیاس اب زیمل کو کھولانے لگے تھے۔  
 ”نہیں تو.....“ وہ مگر گئی۔ اس کی ہاں میں ہاں ملانا اس کو شہ دینے کے مترادف تھا۔

”میری یاد آ رہی ہے؟“ وہ شوخ ہوا۔  
 ”ہاں سوتے میں ڈر گئی تھی تمہاری شکل دیکھ کر۔“ وہ ہنسی۔  
 ”اچھا.....“ وہ بھی ہنس دیا۔  
 ”واپس کیوں چلی گئیں۔ میں تو شام کو تمہیں الحما لے کر جانے کا پروگرام بنا رہا تھا۔ فیض احمد فیض کی یاد میں زبردست پروگرام ہو رہا ہے میں نے ٹیکسٹ بھی لے لیں تھیں۔ سوچا تھا سر پرانز دوں گا۔“

”آ..... ہا“ زیمل کو افسوس ہوا۔  
 ”اگر تم سر پرانز دینے کے چکر سے باہر نکل آؤ تو بہت سے کام وقت پر ہو جایا کریں۔ اب اگر تم یہ بات مجھے صبح بتا دیتے تو میں پڑی بھوکی نہ مر رہی ہوتی۔ لیکن تمہارے سر پرانز میں..... اب تم گیٹ وارڈن سے آ کر پرمیشن لو کچھ بھی گھومیں یہ ہرگز مس نہیں کروں گی۔“ اس نے کہہ کر فون بند کر دیا اور خود کپڑے سیلکٹ کرنے لگی اور ٹھیک پانچ منٹ بعد اس کے دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔

گھر سے فون آ گیا تھا اور وہ دو دن کی چھٹی لے کر روانہ ہو رہی تھی۔ اس کے پیرش یہاں کے ٹرشی تھے اور زیمل حسان ان ریڈرائنڈ ریگولیشن کی کھلم کھلا خلاف ورزی کر سکتی تھی۔ عون اسے گیٹ سے باہر لے گیا تھا اسے کچھ کرنا پڑا۔







تندرستی کی حفاظت، حسن کی بقا اور جوانی کے دوام کیلئے نباتاتی مرکبات سب سے بہترین ہیں (یورپین میڈیکل نسل)

اب..... پُر مسرت اور صحت مند زندگی  
سب کیلئے..... سدا کیلئے

بھرپور اپنی بے رنگ زندگی میں قوس قزح کے  
رنگ اور چمکی زندگی میں گھولے خوشیوں کا رس

پاکستان میں قدرتی جڑی بوٹیوں پر تحقیق کر نیوالے ادارے کے نامور اور  
سینئر ترین ماہرین کی شبانہ روز کاوش کی بدولت سائنسی اصولوں پر تیار کردہ  
خالص نباتاتی مرکبات، قدرت کی تخلیق اور ہماری تحقیق کا شاندار نتیجہ

پھیلائے مسکراہٹوں کی خوشبو اور گزاریے خوش و خرم زندگی۔ حسن و صحت کے تمام مسائل کے حل، ادویات کی ترسیل اور آن لائن مشورہ کی سہولت

## نباتاتی نکھار کورس

قدرتی فارمولا جس سے رنگت گہری جتنی اور دلغہ صبح کیل مہاسے، چھانٹیں، مانتھیل، پیش کے لئے ختم ہونے والی رنگت بنے  
حل کتاب اور آپ نظر آنے میں تھکاتے جلد کے ساتھ اپنی طبیعت سے کہیں کم بہت بھرپور صحت و تندرستی کا چھوٹا نکھار  
چہرہ رنگ و نور کی برسات کیساتھ کہ آپ خود شرمایا جائیں۔

قیمت دوا 1 مادہ -/4000 روپے

## نباتاتی اکسیر موٹاپا کورس

موٹاپے کا کامیاب ترین علاج لکھے ہوئے پیٹ کو کم کرنے، کمر کو پتلا کرنے  
کولہوں و جسم کے موٹے حصوں سے فاضل چربی کے اخراج کی خصوصی دوا

قیمت دوا 1 مادہ -/5000 روپے

## نباتاتی فگر اپ کورس

نسوانی حسن کی حفاظت، نشوونما، سڈول اور صحت مند بنانے کی خاص دوا  
اب نسوانی حسن جتنا آپ چاہیں

قیمت دوا 1 مادہ -/4000 روپے

نوٹ: خواتین کے حسن و صحت سے متعلق علاج و مشورہ کیلئے شعبہ تشخیص و تجویز سے رابطہ کریں  
یہ کورس صرف ہمارے ادارہ سے ہی دستیاب ہو سکتے ہیں۔ ہوم ڈیلیوری کیلئے ابھی رابطہ کریں  
کتاب "صحت مند زندگی سب کے لئے، سدا کے لئے" ادارہ سے منگوائی جا سکتی ہے

ادارہ تحقیق نباتات

چوک کھارنوال علی پلازہ محسوم شاہ روڈ ملتان۔ فون: 061-677193 موبائل: 0345-888193



ادارہ تحقیق نباتات







دعا دی اور عون کو دیکھنے کے لیے اٹھ گئی ساتھ ہی عون نے نمبر ڈائل کیا۔

”ہاں ہیلو..... زی باہر آؤ میں گاڑی لے کر آ رہا ہوں۔ بہت زیادہ پانی ہے گزرنے کا راستہ نہیں ہے ہمت کر کے آؤ میں روڈ کے ساتھ گاڑی لگاتا ہوں۔“ بارش کے شور کی وجہ سے وہ چیخ کر بول رہا تھا بات سنتے سنتے وہ باہر آ گئی اور باہر جو کچھ تھا اسے دیکھ کر اس کے منہ سے بے ساختہ۔

”اوہ میرے اللہ نکلا.....“ اپنے ہوش میں اس قدر طوفانی بارش اس نے پہلی دفعہ دیکھی تھی۔ بارش کے آ رہے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا اسٹریٹ لائٹس کی مدد سے ہی روشنی تھی۔ اب اسے گیٹ کے پاس اکا دکا لوگ کھڑے نظر آ رہے تھے شاید انتظامیہ کے تھے۔ دفعتاً اس کا پاؤں سلب ہوا اور وہ بری طرح فرش پر پھسلتی چلی گئی تھی اس کا بیگ چھوٹ کر دور کہیں جا گرا تھا۔ پاکٹ میں رکھا موبائل بچنے لگا تھا۔ لیکن اس کے ہاتھ اس بری طرح رگڑ کھا گئے تھے اور کمر بھی کہ تکلیف کی شدت سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ کہاں پھنس گئی تھی بارش نے اسے بری طرح بھگونے کا تہیہ کر رکھا تھا اس سے کھڑا نہ ہوا جا رہا تھا۔

”آئیے.....“ دفعتاً کسی نے اپنا ہاتھ اس کے سامنے سہارا دینے کے لیے پھیلایا۔

”عون.....“ وہ اس مضبوط ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیتے ہوئے بولی۔

”شکر ہے تم آ گئے میں تو پریشان ہی ہو گئی تھی۔ بہت بری طرح گری ہوں میں بہت چوٹ آئی ہے۔“ وہ گھٹنوں کو سہارتے ہوئے بولی۔ وہ ہاتھ اسے سہارا دے کر اپنے قدموں پر کھڑا کر چکا تھا اور اب وہ تیزی سے گیٹ کی جانب جا رہے تھے۔

”بارش کو بھی جیسے آج ہی برسا تھا۔“ عون کی خاشی پر وہ پھر بولی۔ اس کا ہاتھ ابھی بھی اس مضبوط ہاتھ کی گرفت میں تھا۔ عون ہمیشہ مشکل وقت میں اس کا سہارا بن جایا کرتا تھا۔

”تم بہت اچھے ہو عون۔ لیکن میں کیا کروں مجھے تم سے محبت نہیں ہے۔“ اس نے دل ہی دل میں اس سے

معذرت کی۔

”یا اللہ.....!“ اس کے منہ سے یک دم نکلا۔ اس کا پاؤں گہرے پانی میں پڑا اور اس کا جوتا پیروں سے نکل کر کہیں اندر ہی غائب ہو گیا۔

”میرا جوتا۔“ وہ چلائی۔

”جانے دیں۔“ کسی نے چھاتا اس کے اوپر پھیلایا تھا۔

اس نے نگاہ اوپر اٹھائی اور چھاتے سے ہوتے ہوئے اس کی نظر دوسری سمت منہ پھیرے شخص پر پڑی تھی جو ایک ہاتھ سے اس کے اوپر چھاتا پھیلانے اور دوسرے ہاتھ سے اس کا ہاتھ تھامے اسے سہارا دینے کھڑا تھا۔ دفعتاً بادل زور سے گرے تھے اور کڑکتی بجلی نے پل بھر کو اس کا چہرہ واضح کر دیا تھا اور اس نے اسی سرعت سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کر دیا تھا۔

”کک..... کون ہو تم؟“ اس کے ہوش اڑ گئے تھے۔

”ظفر یاب.....“ اس نے مسکراتے ہوئے اپنا تعارف کروایا۔

”آئیے آپ کو گاڑی تک پہنچا دوں تاکہ میرا فرض پورا ہو۔“ اس نے دوبارہ اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔

”نن..... نہیں۔“ وہ تڑپ کر پیچھے ہوئی تھی۔ وہ تو اسے عون سمجھ رہی تھی اور یہ تو کوئی اور ہی تھا۔ وہ جیب میں ہاتھ ڈال کر موبائل نکالنے لگی تھی وہ منہ جھانک رہی تھی۔

”عون..... تم کہاں ہو؟ میں یہاں پھنسی کھڑی ہوں۔

راستہ کا پتہ نہیں چل رہا۔ سردی سے میرا برا حال ہو رہا ہے اور اب تو مجھے لگتا ہے بس گر ہی پڑوں گی ہمت ختم ہو رہی ہے میری۔“ وہ رو پائی ہوئی۔

”یار میں تمہیں دیکھ رہا ہوں بس کسی طرح یہ کر اس کر کے گیٹ تک آؤ میں گیٹ کے بالکل پاس کھڑا ہوں۔“ اس نے کہا۔

”عون یہاں سے گیٹ تک کیسے..... اتنا پانی ہے؟“ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا لوگ آ رہے تھے شاید پروگرام ختم ہو گیا تھا۔

اچانک ہی کسی نے برستی بارش کے پیچھے بڑی سرچ لائٹ روشن کر دی تھی۔ سارا ماحول روشن سا ہو گیا تھا۔ اس نے دیکھا عون گیٹ کے ساتھ بالکل سامنے گاڑی میں سے ہاتھ ہلا رہا تھا۔

”یار اس راجہ سے کہو جلدی کرو گاڑی کا اجن نہ بند

ہو جائے۔“ وہ وہیں بیٹھا مشورے پر مشورے دیے جا رہا تھا اس نے بائیں طرف کھڑے اس شخص کو دیکھا جواب بھی مختصر نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے غصے سے فون بند کیا۔

ایک دفا دی چھتریاں لیے نظر آنے لگے تھے شاید انتظامیہ تھی۔

”آپ؟“ اس نے جان لیا تھا مدد لیے بغیر گزارا نہیں تھا۔

”جی میں انتظامیہ سے ہوں میڈم آئیے۔“ وہ مسکرایا اور







اٹھالائی لیکن عون اس کے موبائل کے بارے میں لاعلم تھا۔ اس کے نہ آنے کے بارے میں اس نے دانستہ نہیں پوچھا تھا اور فون بند کر دیا تھا۔

ڈیڑھ ہفتے کے بعد وہ کالج پہنچی تو شبانہ اور زمین اسے دیکھ کر بھاگی آئیں۔

”کہاں تھیں تم اتنے دنوں سے تمہارا فون بند تھا؟ کوئی اتنے دن پتہ ہم نے سمجھا کالج ہی چھوڑ گئی ہو اور اتنی کمزور کیوں ہو رہی ہو۔ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں تمہاری؟“ چھوٹے ہی انہوں نے سوالوں کی بوچھاڑ کر دی تھی۔ وہ انہیں متانے لگی۔

”اوہ..... اس سیل فون پر تو میری نظر تھی۔“ شبانہ نے تاسف سے کہا۔ تو وہ ہنس دی۔

”تم یہ لے لو۔“ اس نے اپنا نیا موبائل بیک سے نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

”نو..... نو..... یہ فراخ دلی نہ دکھایا کرو کسی دن سچ میں تم سے تمہاری کوئی قیمتی چیز مانگ لی تو.....“ اب وہ آرٹ کی کلاس لینے جا رہی تھیں۔

”میں وہ بھی دے دوں گی آزما لیتا میرے لیے رشتے اہم ہیں چیزیں نہیں۔“ اتنے دنوں بعد کالج آ کر اسے بہت اچھا لگا تھا۔

”ارے بس زیادہ مت سر پر چڑھاؤ اسے اس کا کوئی اعتبار نہیں کل کو تم سے وہ تمہارا ہینڈ سم گزن مانگ لے۔ اس کی نظر ہے اس پر۔“ زمین نے ہنستے ہوئے کہا تو شبانہ نے اس غیر متوقع بات کو سن کر اس پر چڑھ دوڑی۔

”شرم کرو۔ اتنی بھی ذلیل نہیں ہوں کہ اپنی دوست کا حق چھین لوں۔“

”نہیں..... نہیں تمہیں عون چاہیے تو لے لو میرا اس میں کوئی انٹرسٹ نہیں۔ اوپن آ فر ہے۔“ وہ ٹھٹھکیلا کر ہنسی۔

”واپسی؟“ شبانہ نے آنکھیں پٹیٹائیں۔

”بدتمیز سچ میں..... یہ لو میں تمہیں اس کا نمبر سینڈ کر رہی ہوں کوشش کر لو۔ ہمت مرداں مدد خدا۔“ وہ فٹافٹ اسے نمبر سینڈ کرنے لگی۔ اس اثنا میں وہ آرٹ کی کلاس کے سامنے پہنچ چکی تھیں سو خامشی سے اندر داخل ہو گئیں۔

وہ دن کافی بڑی گیا تھا۔ اسے چھٹیوں کے دنوں کا کام لیتا تھا صرف آرٹ کا ہی کام بہت زیادہ تھا۔ وہ ڈائری میں سب نوٹ کرتی جا رہی تھی جب کہ شبانہ اور زمین اسے پچھلے پورے

ان کی کیئر کرنے کا طریقہ ذرا الگ تھا۔ وہ بازار جاتیں یا آؤٹ آف کنٹریز اس کے لیے ڈھیروں شاہنگ کرتیں اور شاہنگ بھی بے حد اعلیٰ اور نفیس۔ آج تک اس نے اپنے لیے خود بھی کوئی چیز نہ خریدی تھی۔ موسم جیسے ہی چھینج ہوتا اس کی الماری موسم کی مناسبت کے کپڑوں، جوتوں اور بیگز سے بھر جاتی اسے نہیں یاد تھا اس نے آج تک کوئی بھی چیز دوسری سے تیسری بار استعمال کی ہو۔ اسے بھی عیسہ بام کی یاد نہیں آئی تھی نہ ہی وہ خزانہ می کے لیے دل میں کوئی بغض رکھتی تھی۔ کسی کے پاس بھی اس کے لیے ٹائم نہیں تھا۔ سوائے عون کے جو وقت بے وقت اس کے پاس آ موجود ہوتا تھا۔

”ارے عون ہے کہاں۔ اس دن کے بعد وہ نظر نہیں آیا۔ میں اتنی بیمار ہوں پھر بھی۔“ سوچتے سوچتے اسے عون کا خیال آیا تو وہ اپنا موبائل تلاش کرنے لگی۔ ذہن میں آیا تھا کہ شبانہ اور زمین کو بھی کال کر لے اور کلاسز کے بارے میں پوچھ لے۔ اس نے سائیڈ ٹیبل کی دراز کھولی فون وہاں نہیں تھا۔ وہ مجیداں کو آوازیں دینے لگی۔

”آیا بی..... آیا بی۔“ وہ بھاگی آئی۔

”میرا موبائل کہاں رکھا ہے آیا بی؟“ وہ ادھر ادھر نظر دوڑاتے ہوئے بولی۔

”آپ کا موبائل تو بی بی جی میں نے نہیں دیکھا۔“ اس نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کچھ یاد کرنے کی کوشش کی لیکن کچھ یاد نہ آیا۔

”اس دن..... اس دن وہ میرے پاس ہی تھا۔ عون.....“

عون کی گاڑی میں تو نہیں رہ گیا لیکن اس کی گاڑی میں رہا ہوتا تو وہ اب تک واپس کر چکا ہوتا کہاں چلا گیا؟ وہ فون تو ابھی کچھ دن قبل ہی ڈیڈ نے گفٹ کیا تھا اسے بہت پسند تھا۔

”آیا بی..... رکیں میں خود ہی باہر چلتی ہوں۔“ اس نے کمبل اٹھا کر پاؤں نیچے لٹکائے مجیداں نے سائیڈ پر رکھے اس کے شوز اٹھا کر دیئے وہ پیروں میں اڑتی کھڑی ہوئی تو اسے ایک زوردار چکرا آ گیا۔ وہ سر پکڑ کر واپس بیٹھ گئی۔ اتنے دنوں سے لیٹ لیٹ کر اس کا جی بھر چکا تھا۔ اتنا بارش میں بھیگی نہیں تھی جتنا بیمار پڑ گئی تھی۔ وہ اتنی نازک مزاج تھی اسے پہلی بار احساس ہوا تھا۔

”آپ رہنے دو بی بی۔ میں سیٹ ادھر اٹھالاتی ہوں۔“

مجیداں اس کی حالت دیکھ کر باہر نکل گئی اور فوراً کارڈ لیس فون



بہنے کی رولوں ساری تھیں۔

”جس میں سب سے شاکنگ نیوز یہ تھی کہ اس روز کلائی کاٹ لینے کا ڈرامہ کرنے والی لڑکی بھاگ گئی تھی۔ پولیس تین چار دن تک کالج آتی رہی پھر پریسل نے کہہ سن کر بات دہائی۔ اس کی ساری سہیلیوں نے اس کے خلاف سچ اگل دیا تھا اور جس لڑکے سے اس کی دوستی تھی اس کے بارے میں ساری معلومات انہوں نے پولیس اور اس کے پرنٹس کو دیں۔“

”سچ کیسی ہوتی ہیں یہ لڑکیاں اور ان میں اتنا حوصلہ کہاں سے آ جاتا ہے کہ ماں باپ کی عزت کو داؤ پر لگائیں۔“ زمین نے دھیرے سے کہا۔

”یار بس..... اصل میں بہت سارے لوگوں نے محبت کا ایک غلط امیج بنا دیا ہے۔ لڑکے لڑکیاں محبت بس مذاق سمجھنے لگے ہیں۔ ایک وقت میں کئی لوگوں سے دوستی اور ان سب میں لڑکیاں کسی طور پر بھی لڑکوں سے پیچھے نہیں۔ بس یار کچھ میڈیا کچھ انٹرنیٹ سب نے مل کر بیڑا غرق کر ڈالا ہے نو عمر ذہنوں کا۔“ تیز تیز لکھتے ہوئے زمیل نے کہا۔

”آئی آپ کی عمر کتنی ہوگی؟ پلیز ڈونٹ مائنڈ.....؟“

شبانہ کی رگ شرارت پھر پھڑکی اور زمین کی اس کے انداز پر ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

”یہی کوئی ایک سو اٹھارہ سال پینسٹھ دن چورا نوے گھنٹے پچیس منٹ اور چالیس سیکنڈ۔“ اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا اور پھر تینوں ہنسنے لگیں۔

ہاسل آتے ہی شبانہ اور زمین تو سو گئی تھیں جب کہ وہ اپنا کام مکمل کرنے میں لگی ہوئی تھیں۔ اسائنمنٹ مکمل کر کے اس نے آرٹ کا پروجیکٹ نکالا۔ جیو میڈیکل اور الفابیٹ اشکال کے ساتھ اسے کوئی ایسی ڈرائنگ بنائی تھیں۔ جن میں تمام جیو میڈیکل شیپ موجود ہوں۔ وہ نیٹ پر سرچ کرنے لگی۔ بہت زیادہ ڈیزائنز تھے انتخاب کرنا مشکل تھا اس نے سوچا ان دونوں سے مشورہ کر لے گی۔ وہ یونہی ٹائم پاس کرنے لگی۔ موبائل کی اسکرین پر انگلی پھیرتے ہوئے بے شمار چیزیں کلک کرتی نظروں کے سامنے سے گزرتی جاتی تھیں۔ لپ اسٹکس، پرفیوومز برانڈ شو، بیگز، سویٹرز، پتہ نہیں زندگی آسان ہوئی تھی یا مشکل۔ چیزیں لوگوں کی دسترس میں ہوئی تھیں یا دور کچھ بھی کہنا مشکل تھا لیکن اتنا وہ جانتی تھی نئی سل میں فرسٹریشن بہت بڑھتا جا رہا تھا اس سب سے وہ واپس سرچنگ کرنے لگی کوٹ

سویٹرز وہ تھم سی گئی کچھ دن پہلے کی بارش اسے یاد آ گئی اور کوٹ۔ اوہ اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا اس نے اپنا موبائل اس کوٹ کی جیب میں رکھا تھا جو انتظامیہ کے اس آدمی نے اسے پہننے کے لیے دیا تھا اور گاڑی میں بیٹھ کر اس نے موبائل نکالے بنائی اسے کوٹ واپس کر دیا تھا۔

”اوہ شٹ..... اس کی تو چاندی ہو گئی اتنا مہنگا موبائل پا کر وہ پاگل ہو گیا ہوگا۔“ چند لمحوں کی مدد اس کے لیے تو بڑی بھاگوان ثابت ہوئی تھی۔ اس نے اپنی عقل پر ماتم کرتے ہوئے اس آدمی کو بھی لعن طعن کی۔ اگر موبائل اس کو مل گیا تھا تو چاہیے تھا ناں واپس کر دیتا۔ کیسے اور کہاں کے بارے میں نہ اس نے سوچا اور نہ خیال آیا۔ اس نے ارادہ کیا کہ ایک بار احمر آئرس کنسل جا کر پتہ کرے گی کیا خبر وہ آدمی مل جائے۔“

”تمہاری باتیں بہت احمقانہ ہیں زمیل بی بی۔“ جب شبانہ اور زمین کے جاگنے پر اس نے ساری بات ان کو بتائی تو ہمیشہ کی طرح شبانہ نے اس پر چڑھائی کر دی۔

”وہ کیسے؟“ زمیل نے ابرو چڑھا کر پوچھا۔

”دیکھو پہلی بات اس رات تمہاری مدد کس نے کی کیا تم اس بارے میں جانتی ہو؟ اس شخص کا چہرہ دیکھا تھا؟ جب کہ بقول تمہارے شدید بارش تھی اور اندھیرا بھی اور احمر اجا کر کیا یہ پوچھتی پھر دو گی کہ بھائی کون ہے وہ چھتری والا جس نے مجھے بارش سے بچنے کے لیے اپنا کوٹ دیا اور بعد میں تم نے وہ کوٹ بمعہ اپنے موبائل فون کے واپس کر دیا۔ رہی بات اس کی اخلاقیات کی تو کیا اس کے پاس تمہارا کوئی نمبر تھا؟ تمہارے گھر کا ایڈریس یا نام وہ جانتا تھا جہاں آ کر وہ تمہارا فون تمہیں واپس کرتا۔ سو بی بی اب تم فاتحہ پڑھو۔ ویسے بھی تمہیں کیا فکر..... کھوئی چیزوں کا ماتم تو ہم جیسے لوگ کرتے ہیں جنہیں کبھی کبھار ترس ترس کر بڑی مشکلوں سے کچھ ملتا ہے اس لیے چل کرو اور دکھاؤ کیا کیا بنایا ہے۔“ اس نے گنگوکار رخ دوسری جانب موڑا تو وہ اسے فائل دکھانے لگی۔

”زبردست بہت اچھے۔“ زمین اور شبانہ دونوں نے ستائشی نظروں سے اس کا پرانا کام دیکھا۔

”یہ ابھی ابھی بنایا ہے۔“ اس نے آخری صفحے پر انگلی رکھی۔

”ارے یہ کیوں؟“ دونوں نے حیرت سے پہلے صفحہ پر پھر اس کی طرف دیکھا۔ اس نے لہراتے بل کھاتے ناگ کی ڈرائنگ بنائی تھی۔



”نہیں اچھا۔“ وہ پریشان ہوئی۔

”اچھا ہے بلکہ بہت ہینڈسم لگ رہا ہے میں تو سوچ رہی ہوں اسے پٹالوں۔“ شان کی زبان پھر پھسل گئی زمین نے اسے گھور کر دیکھا پھر تینوں کھٹکھٹا کر ہنس دیں۔

”تم بھی ناکی کو جانے مت دینا ہاتھ سے۔ ویسے اصلی لگ رہا ہے ناں۔ جیسے ابھی پھن لہرا کر آگے بڑھے گا اور شبانہ تمہیں ڈس لے گا۔ پھر اس کی محبت کا نشہ تمہارے انگ انگ میں دوڑے گا اور پھر تم بھی اکشادھاری ناگن بن کر اس کے پیچھے پیچھے کہیں دور چلی جاؤ گی اور ہم مدتوں یہ کہانی اپنے بچوں کو سنا سنا کر سلایا کریں گے اور بچے جب ہم سے پوچھیں گے کہ یہ اکشادھاری ناگن کون تھی تو ہم انہیں تمہاری تصویر دکھایا کریں گی اور.....“

”بس کرو زیمل۔“ زمین نے بے تحاشا ہنستے ہوئے اسے مزید بولنے سے روکا اور شبانہ بھی اس کی کہانی پر کچھ دیر اسے گھورتی رہی پھر ہنس دی۔



”زیمل..... زیمل.....“ زمین بھاگتی ہوئی اس کے پاس آئی۔

”تم شعر لکھتی ہو؟“ وہ جو گھاس پر چوکنی مارے سامنے بیک اور لیپ ٹاپ رکھے ایک ہاتھ سے اس کی بنا رہی تھی اور دوسرے سے چپس کھا رہی تھی ایک لمحے کو سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر سچے کام میں مصروف ہوئی۔

”میں نے کچھ پوچھا ہے زیمل؟“ وہ اس کے جواب نہ دینے پر دھب سے اس کے پاس بیٹھ گئی۔

”ہاں کبھی کبھار۔“ وہ مختصر ا کہہ کر چپ ہو گئی۔

”یار..... آفت ہے تمہیں پتہ ہے کالج میں مشاعرہ ہو رہا ہے تم اس میں حصہ لو۔ اوہ میرے اللہ کتنا مزہ آئے گا جب اس سامعہ کو منہ توڑ جواب ملے گا بڑا اتراتی پھرتی ہے۔“ وہ خواہواہ ایکساٹڈ ہو رہی تھی۔

”اب سامعہ کو منہ توڑ جواب دینے کی ضرورت کیوں پیش آگئی؟“

”بدتمیز ہے اس دن بڑا منہ بھر کے اس نے کہا تھا کہ تمہاری دوست میں ساری خوب صورتی اس کی دولت کی ہے ورنہ ٹیلنٹ نام کی کوئی چیز تو اس میں ہے ہی نہیں دیکھنا ایک دن اپنے باپ کی دولت کے بل بوتے پر ہی ڈگری حاصل کرے

گی خواہواہ ایک مستحق کا حق مارا ہے اس نے اور مجھے بڑا غصہ آیا تھا پچھلے ہفتے ہی اس نے مشاعرہ میں حصہ لینے کے لیے اپنا نام دیا ہے مس یعنی کو اور تم بھی اپنا نام لکھو او اور بتا دو کہ تم ہرگز کسی سے کم نہیں۔“ اس نے اپنی اور سامعہ کی گفتگو من و عن و ہرائی تو زیمل ہنس دی۔

”مجھے اپنا آپ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں میں زیمل حسان ہوں اور میرے لیے یہی کافی ہے باقی صرف کہہ دینے سے ٹیلنٹ کے ہونے یا نہ ہونے کا پتہ نہیں چلتا وقت ثابت کرتا ہے اور تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی کسی سے الجھنے کی۔ زیمل حسان کو اپنا آپ ثابت کرنے کے لیے کسی سہارے کی ضرورت نہیں اوکے۔“ اس نے اپنی اس کیج بک بند کی اور اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔

”تم بالکل بھی ہماری سمجھ سے باہر ہو۔“ زمین نے جھنجھلا کر کہا تو وہ ہنس دی۔

”میں تو ایسی ہی ہوں۔“



sendup شروع ہو گئے تھے اور وہ مکمل طور پر پڑھائی میں جیت گئی تھیں تیاری تو سب کی سو سو ہی تھی لیکن ان کو اتنی فکر بھی نہ تھی آج کل ان کا کمرہ عجب لتیری کا نظارہ پیش کر رہا تھا سارا سارا دن کبل میں مٹھی وہ نوٹس بناتی رہتی یا پھر کمرے میں پھر پھر کر با آواز بلند رٹا لگایا جاتا۔ زمین اور شانہ کا یہی اسٹائل تھا جب کہ زیمل رٹا سٹم سے خائف تھی ویسے بھی وہ بہت ذہین تھی ہمیشہ اچھے مارکس لیتی تھی لیکن پڑھائی کو اپنے اوپر سوار نہیں کرتی تھی جتنی دیر پڑھا گیا پڑھا۔ پھر آرام سے کتابیں بند کر کے سو بھی لیتی باہر بھی گھوم پھرتی لیکن بیمار ہونے کے بعد سے وہ قدرے محتاط ہو گئی تھی شدید سردی میں ٹھکتے ہوئے وہ احتیاط ہی برتی تھی۔

”ارے سنا۔“ وہ کیتلی میں سے گرم گرم چائے کپوں میں انڈیل رہی تھی جب شبانہ نے کبل میں سے منہ نکالا۔

”نہیں..... سنا دو۔“ وہ ایک ایک کپ انہیں تمہا کر اپنا کپ لیے جیسر پر بیٹھ گئی۔

”روہینہ بتا رہی تھی کہ وہ جو مشہور ایکٹریس نہیں ہے جو آج کل بہت ان ہے اس کالج سے پڑھ کر گئی ہے۔“

”اف اوہ شبانہ تمہاری فضول کی بریکنگ نیوز بنا بنایا موڈ غارت کر دیتی ہے۔“ زمین نے اسے غصے سے دیکھا تھا زیمل



نے چائے کاسپ لیا اور اسے دیکھنے لگی۔

”اچھا پھر.....“

”پھر کیا آج اردو کی ٹیچر بتا رہی تھیں کہ جب ہم چھ سال بعد اس کالج سے نکلیں گی تو ہماری شخصیت پوری طرح بدل چکی ہوگی ہم عام لڑکیوں سے بالکل الگ دیکھیں گی۔“

”ہاں بالکل جب ہم فیل ہوں گی ناں اور ہمارا ایڈمیشن نہیں جائے گا تو بلاشبہ ہم سب سے الگ ہی دیکھیں گی۔“ زمین جانے کیوں تپتی ہوئی تھی۔

”کوئی مسئلہ ہے زمین؟“ زمیل اس کی طرف مڑی۔ وہ اس طرح بی بیو نہیں کرتی تھی لیکن ایک دودن سے ہر بات پر الجھ رہی تھی۔

”ہاں ہے مجھے سمجھ نہیں آتی اباجی آخر اس رشتہ سے جان کیوں نہیں چھڑا لیتے ایک بار بھی اس بندے نے کبھی اس تعلق اس رشتے میں انٹرسٹ شو نہیں کیا پھر بھی ابھی امداد بھائی کی منگنی پر یہی شور رہا بات ساری چاچی کی ہے۔“ وہ ہولے ہولے جیسے خود سے ہی باتیں کر رہی تھی۔

”بچپن کی منگنی منگنی کا رولا؟“ زمیل نے استفہامیہ پہلے شبانہ اور پھر اپنے آپ سے الجھتی زمین کو دیکھا۔

”ہاں صرف رولا نہیں بلکہ کھپ رولا۔“ زمین سر جھٹک کر ہنس دی پھر شبانہ کی طرف دیکھ کر کہنے لگی۔

”اور بتاؤ اور کیا کہا تمہاری اردو کی ٹیچر نے۔ ہماری ٹیچر تو بس لیکچر دینے آتی ہیں اور چلی جاتی ہیں وہ تو ہمیں کوئی انفارمیشن نہیں دیتی کہ چھ سال بعد ہمارے سینک ٹکل آئیں گے پیچھے ایک عدد دم کا اضافہ ہو جائے گا کان بڑے بڑے ہو کر لٹک جائیں گے دانت نوکیلے ہو جائیں گے اور شاید ہم ویمپائر بن جائیں گی اور ہالی ووڈ والے اپنی ہارر موویز کے لیے ہم سے رجوع کریں گے اور پھر۔ دولت شہرت اور عزت ہمارے قدموں کی باندی بن جائے گی ٹوٹل چینج۔ اف سوچو۔ بس چھ سال کی بات ہے۔“ اور اس کی بات پوری ہونے تک شبانہ اس پر تکیوں کی برسات کر چکی تھی۔

ایگز امز ختم ہوتے ہی شبانہ کچھ دن کے لیے شیخوپورہ چلی گئی تھی زمین جانا چاہ رہی تھی لیکن جانے کون سی بات اسے روکے ہوئے تھی آج کل وہ سارا دن نہایت ہی سیڈ سونگنز سننے میں گزار رہی تھی زمیل دودن گھر رہ کر واپس آگئی تھی۔ ممال اپنے فارن ٹورز سے واپس آچکی تھیں اور ہمیشہ کی طرح اس کے لیے

ڈھیروں شاپنگ کی تھی وہ سارا کچھ اٹھا کر ہاسٹل چلی آئی تھی ارادہ تھا سب شانہ اور زمین کو گفٹ کر دے گی۔

”سنو آج کہیں باہر چلیں۔“ زمین کا کہا اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ جو بیڈ برآزمی تر چھٹی لیٹی غیر ارادی طور پر عون کے بارے میں سوچ رہی تھی چونک اٹھی۔

”کیا میرے کانوں نے جو کچھ سنا..... صحیح تھا؟“

”ہاں میرے اندر عجیب سی وحشت ہے میں کچھ دیر باہر جانا چاہتی ہوں بلکہ چلو آج تمہارے فیورٹ دی بھلے اور وہ کیا کہتی ہو تم چنے پھورے کھا کر آتے ہیں۔“ اس نے فائٹ پروگرام ترتیب دیا۔

”اوکے ابھی چلو چینج کر لو پھر عون کو بلاتی ہوں گاڑی کے لیے یہ آٹو واٹو مجھ سے ہینڈل نہیں ہوتے۔“ وہ کہتے ہوئے عون کا نمبر ملانے لگی اور ٹھیک پون گھنٹے بعد وہ باہر موجود تھا اس نے بلیو جنمز کے اوپر پنک ٹاپ پہنی تھی اور گلے میں ریڈ اسکارف شولڈر بیگ کاندھے پر لٹکائے اس نے بھورے بال کھلے چھوڑ دیئے تھے لیزر میں کٹے اس کے گھنے بال اس کے گول چہرے پر بہت سوٹ کرتے تھے زمین نے فان کلر کی لانگ شرٹ کے ساتھ میچنگ ٹائٹ پہنی تھی لمبے بالوں کو اس نے ہمیشہ کی طرح چوٹی میں قید کر رکھا تھا۔

”تھینک یو عون۔“ اس نے گاڑی کے اوڑھ کھلے شیشے سے اندر جھانکا۔

”ہم تمہیں آفس چھوڑ دیتے ہیں کھونسنے پھرنے کے بعد تمہیں آفس سے لے لیں گے تم ہمیں ہاسٹل ڈراپ کر کے اپنی گاڑی لے جانا۔“ اس نے اپنا پروگرام بتایا عون سر ہلا کر رہ گیا اس کی کسی بات سے انکار کرنا تو اس نے سیکھا ہی نہیں تھا پھر پلان کے مطابق وہ سارا دن زمین کو گھماتی رہی اپنے ہر فیورٹ پوائنٹ پر اس کو لے کر گئی تھی لیکن زمین کو جو بات کھا رہی تھی وہ اسے چین نہیں لینے دے رہی تھی وہ شخص اسے کئی سالوں سے ڈی گریڈ کر رہا تھا اور وہ ہو رہی تھی۔ بہت تکلیف دہ ہوتا ہے اس ایک شخص کے لیے بے وقعت ہونا جس کے لیے آپ ساری زندگی داؤ پر لگائے بیٹھے ہوں وہ شیئر کرنا چاہتی تھی کسی کو اپنا دکھ بتانا چاہتی تھی لیکن اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا شیئر کرے اور کس سے؟ اسے اپنی دوستوں کے سامنے یہ سب کہہ کر بے وقعت نہیں ہونا تھا۔ اب زمیل اسے لے کر پھودوں والی شاپ پر آگئی تھی۔



اس کی غیر معمولی ہائیٹ تھی اور شاید ہائیٹ اور باڈی کا پرفیکٹ میچ بھی۔

”میم یآپ کا فون۔“ اس نے قریب آ کر بغیر کسی تمہید کے چھوٹا سا گفٹ میمر اس کے سامنے ٹبل پر رکھا۔ زمین بھی سر اٹھائے اس لائے چوڑے دھبیہ شخص کو تک رہی تھی زمیں نے شاید سنا ہی نہیں تھا وہ ایک ایک اس کو دیکھے جا رہی تھی وہ کھنکھراتوڑ میل شپٹا کر نیچے دیکھنے لگی۔

”میم یہ اس روز غلطی سے میرے کوٹ میں رہ گیا تھا۔ میں نے بھی کافی دنوں بعد چیک کیا آپ کے سیل میں ٹوٹل پانچ نمبر تھے بام ڈیڈ اور عون کے علاوہ دو لڑکیوں کے۔ میں نے ایک کو کافی ٹیکسٹ کیے لیکن انہوں نے جواب نہیں دیا پھر شاید آپ نے سم ہی بند کر دیا پھر میں نے اپنے نمبر سے انہیں کال کر کے پوچھا۔ صد شکر آپ مجھے مل گئی یآپ کی امانت۔ چیک کر لیجئے۔“ اس نے وہ گفٹ میمر تھوڑا اس کے آگے کھسکایا۔

”جی بس ٹھیک ہے تمہیک یو۔“ اس نے اس کو چھوایک نہیں اور وہ پلٹ بھی گیا اس کو لون کی مہک ابھی تک باقی تھی ویٹر نے بل اس کے سامنے لا کر رکھا اور پے منٹ کرتے ہوئے اس نے بنا دیکھے گفٹ میمر اٹھا کر اپنے بیگ میں ڈال لیا۔۔۔۔۔ وہ کتنے دن یونہی اس کے بیگ میں پڑا رہا تھا لیکن اس کے ذہن میں مسلسل وہ آواز بازگشت کر رہی تھی وہ سحر زدہ سی ہو گئی تھی۔



”خیریت ہے؟“ شبانہ نے اس کی کھوئی کھوئی کیفیت نوٹ کر لی تھی وہ اس وقت لہجے کرنے کی نیت سے وہاں آ کر بیٹھی تھیں زمین شور و مایا نے چلی گئی تھی وہ یونہی بیٹھی بیگ کی زپ سے کھیل رہی تھی۔

”زی از اپوری تمہیک لو کے؟“ اس نے اس کا کندھا ہلایا تو وہ چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔ شبانہ نے اپنا سوال دہرایا۔

”نہیں کچھ ٹھیک نہیں ہے میرے اندر۔ آئی ایم فیلنگ ناٹ ویل۔“ وہ فنی میں سر ہلانے لگی زمین گرم گرم شور و مایا اور کولڈ ڈرنک لے آئی تھی اور زمیں کی بات سن چکی تھی۔

”یہ اس دن سے لسی ہو گئی ہے جب سے ظفر اسے اس کا موبائل لوٹا کر گیا ہے۔“ زمین نے بتایا تو وہ چونکی۔

”ظفر تمہیں کیسے پتا اس کا نام ظفر ہے؟“ زمین ہنسی۔

”مجھے حیرت ہے زمیں۔ جس پر کلاس سے تمہارا تعلق ہے وہاں اس طرح کی جگہیں اور یہ سب کھانا گندگی میں شہر ہوتا ہے اور تم ان سب چیزوں کی دلدل وہ ہو کیا تمہیں اپنے اسٹیشن کا خیال نہیں آیا بھی؟“ زمین نے پوچھا اس وقت اس کے سرخ و سید چہرے پر نظر ٹھہر ٹھہر جاتی تھی تمہاتے کمال اور شریقی آنکھیں وہ کسی کا بھی قرار لوٹ لینے کا حق رکھتی تھی۔

”میرا اسٹیشن۔۔۔۔۔!“ وہ دل کھول کر ہنسی۔

”کیا ہے میرا اسٹیشن۔ میرے پاس میرا اپنا تو کچھ بھی نہیں میرے نام کے آگے حسان شہریار کا نام لگتا ہے حسان شہریار۔ میری تمام تر آسائشوں کا خزانہ اٹھاتے ہیں میں تو وہی ایک عام سی لڑکی ہوں عام سی جگہوں پر پھرنے والی عام لوگوں سے گھل مل جانے والی عام چیزیں کھانے والی۔ میرے پاس میرا ہے ہی کیا جس پر میں غور کروں میں نے تو اپنے لیے اس کالج کا انتخاب کیا۔ ورنہ اور بھی بے شمار کالج ہیں بٹلوٹ اور تصنع کی لائف میں نہیں گزار سکتی۔“ اسی وقت اس کے موبائل پر پیپ ہوئی تھی اس نے دیکھا شبانہ کا فون تھا۔

”ہاں کہاں ہو؟“ وہ سمجھی شاید وہ لاہور پہنچ گئی تھی۔

”نہیں گھر پر ہی ہوں مجھے یہ بتانا تھا کہ اس روز جس بندے کے پاس تمہارا موبائل رہ گیا تھا وہ مجھے کوشٹ کر دیا ہے تمہارے ہی نمبر سے کافی دن پہلے اس کے میسج آئے ہوئے ہیں۔ میں نے غور ہی نہیں کیا کہ تمہارا یہ نمبر تو کھو گیا ہے کل میں نے چیک کیا تو پتہ چلا پھر میں نے تمہارے نمبر پر کال کی تو بند تھا لیکن آج ایک اور نمبر سے فون آ گیا کہتا ہے کہ وہ تمہارا موبائل واپس کرنا چاہ رہا ہے تمہارا پتہ پوچھ رہا ہے بتا دوں بلکہ میں نے بتا دیا ہے اور ایسے تم ہو کہاں؟“ وہ رکی۔

”ہمن آباد۔“ اس نے گرم گرم پھوروں کی پلیٹ اپنے آگے کی جو وہ بڑا بھی ابھی رکھ کر گیا تھا۔

”او کے ٹھیک ہے۔“ اس نے مزید کچھ سننے بغیر فون بند کر دیا۔

”عجیب پاگل ہے۔“ اس نے فون کو گھورا اور پھر زمین کو اشارہ کرتے ہوئے خود بھی پھوروں سے انصاف کرنے لگی۔ وہ اپنے گزشتہ تمام واقعات زمین سے شیئر کر رہی تھی اور جب فارغ ہو کر اس نے ویٹر کو بل لانے کا اشارہ کیا بھی سامنے بمادے میں رکھی کرسی پر سے اٹھ کر ایک آدمی ان کی طرف آ گیا۔ وہ غیر ارادی طور پر اس کو دیکھنے لگی اور اس کی وجہ شاید



”پتہ کیسے ہوگا۔ ظاہر ہے اس کا کچھ نہ کچھ نام تو ہوگا ظفر“  
اسفر احمد تو مجھے لگا۔ اس کا نام ظفر ہوگا۔ یونہی مجھے لگا۔ اس نے  
صفائی دی۔

”یعنی بچی کو کوئی.....“ شانہ نے معنی خیزی سے بات  
ادھوری چھوڑی اور کھی کھی کرتے لگی۔

”ہاں ہے ناں.....“ اس نے اعتراف کیا اور پھر بیک اٹھا  
کر چل پڑی وہ دونوں آوازیں دیتی رہ گئیں لیکن وہ رکی نہیں تھی  
سیدھی لائبریری آگئی۔ آج اس کا کوئی بھی کلاس اینڈ کرنے کا  
موڈ نہیں تھا۔ اس نے یونہی دو بکس ایڈوکیٹس اور بجائے ٹیبلو  
پر بیٹھنے کے وہ بک ریکس کے آگے ہی نیچے بیٹھ گئی بھی بیک  
میں رکھا موبائل وائبریت ہوا تھا۔ اس نے نکالا۔ کسی ان نون  
نمبر سے کال آ رہی تھی اس نے ٹیکسٹ کیا۔

”کون.....؟“

”میں.....؟“ فوراً رپلائی آیا۔

”کون میں؟“ اس نے تیز تیز ہاتھ چلائے۔

”تو نے دیکھی ہے وہ پیشانی وہ رخسار وہ ہونٹ  
زندگی جن کے تصور میں لٹا دی ہم نے  
تجھ پر اٹھی ہیں وہ کھوئی ہوئی ساحرا نکھیں  
تجھ کو معلوم ہے کیوں عمر گنوا دی ہم نے۔“

”ٹون۔“ کی آواز کے ساتھ پھر میسج آیا تھا۔ زیمیل تو سرخ  
ہی ہو گئی۔

”تم ہو کون بد تمیز؟“ اس نے لکھا تھا۔

”بد تمیز ہی ہوں..... جانتی تو ہیں آپ میرا نام۔ پھر بات  
کیوں بڑھا رہی ہیں۔“ اس نے لکھا۔

”اوہ یو.....“ اس نے غصے سے موبائل ہی آف کر دیا۔ اب  
پڑھائی کیا خاک ہوتا تھی اس نے بکس واپس کیں اور لائبریری  
سے باہر نکل آئی۔ اب اس کا رخ ہاسٹل کی طرف تھا وہ اپنی  
کیفیات واقعی سمجھ نہ پا رہی تھی وہ کیوں پچھلے چار دن سے مسلسل  
اس اجنبی کے بارے میں سوچے جا رہی تھی جس کا اسے نام  
تک معلوم نہ تھا اور خالی خوب صورتی سے کیا ہوتا ہے وہ تو شاید  
وہاں کی انتظامیہ میں سے تھا۔ کوئی گارڈ وغیرہ۔

”اف زیمیل اب بندوں کے معاملے میں تمہارا اسٹینڈرڈ  
اتنا لو ہو گیا ہے خواجوا سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہی ہو۔“ اس  
نے سر جھٹکا اور خود کو گھر کا بھی۔ لیکن ہاسٹل آ کر جیسے ہی اس  
نے اپنا پرس کھولا تو سامنے وہ گفٹ ہمہ نظر آیا۔

”میں.....“ کوئی بولا تھا وہ جاوہر جگاتی ہوئی آواز اس نے  
ہاتھ ڈال کر موبائل نکالا۔

”ہاں میرا ہی ہے۔“ اس نے بدلی سا سدا کچھ لڑواہٹ  
ڈال دیا اور عین سے بات کہنے کا اہلہ کرتے ہوئے وہ اپنے  
بیڈ کی جانب آئی جیسے ہی موبائل آن کیا۔

”ٹون..... ٹون..... ٹون۔“ کتنے ہی میسج کی بچپ  
بچی۔ اس نے دیکھا وہی انجان نمبر تھا اس نے میسج پڑھنے  
شروع کیے۔

”ہیں لاکھوں لوگ زمانے میں کیوں عشق سے سوا بے چارہ  
ہیں اور بھی دھمیں وحشت کی انسان کو کھتیں دکھایا  
ہاں بے گل بے گل رہتا ہے ہو پیت میں جس نے جی ہارا  
ہر شام سے لے کر صبح تک یوں کون پھرے گا آواز“  
اس نے اگلا میسج سلائیڈ کیا۔

”وہ کوئی ٹمٹی میں آیا پل ہو تو“

اس کو آڑا بھی دوں

وہ کہیں آنکھ میں ٹھہرا غم ہو تو

بہا بھی دوں

وہ اگر فقط محبت ہو تو

بھلا بھی دوں

کروں میں کیا؟

وہ ہون کے انگ انگ میں بہتا ہے

کروں میں کیا؟

وہ دھڑکن کی طرح دل میں دھڑکتا ہے۔

”یا اللہ ہے کون یہ؟“ اس نے سر پکڑا۔

اگلا میسج نہ صرف چونکا نے دلا تھا بلکہ اس کے تو رو ٹکنے  
کھڑے ہو گئے تھے پڑھ کر اسے اپنا وجود کپکپاتا محسوس ہوا تھا  
وہ جیسے جیسے پڑھتی جا رہی تھی دل تیز تیز دھڑکنے لگا تھا۔

”ہیلو زیمیل حسان..... میں ظفریاب چوہدری ہوں۔

شاید آپ کا میرا تعارف نہیں ہے آپ مجھے نہیں جانتیں لیکن  
میں آپ کو بہت عرصہ سے جانتا ہوں پہلی بار میں نے آپ کو  
تب دیکھا تھا جب آپ جناح پارک کے باہر کھڑی گول گپے

کھا رہی تھیں آپ کے ساتھ ایک اور لڑکا بھی تھا شاید عون۔

دوسری بار وہی بھلے کھاتے دیکھا تھا تیسری بار آپ ایک غریب

بچے کو کھانا لے کر دے رہی تھیں چوتھی بار آپ کالج سے نکل کر

برگر پوائنٹ تک گئی تھیں اور کافی دیر آپ واک کرتی رہی تھیں



بجی لارنٹ

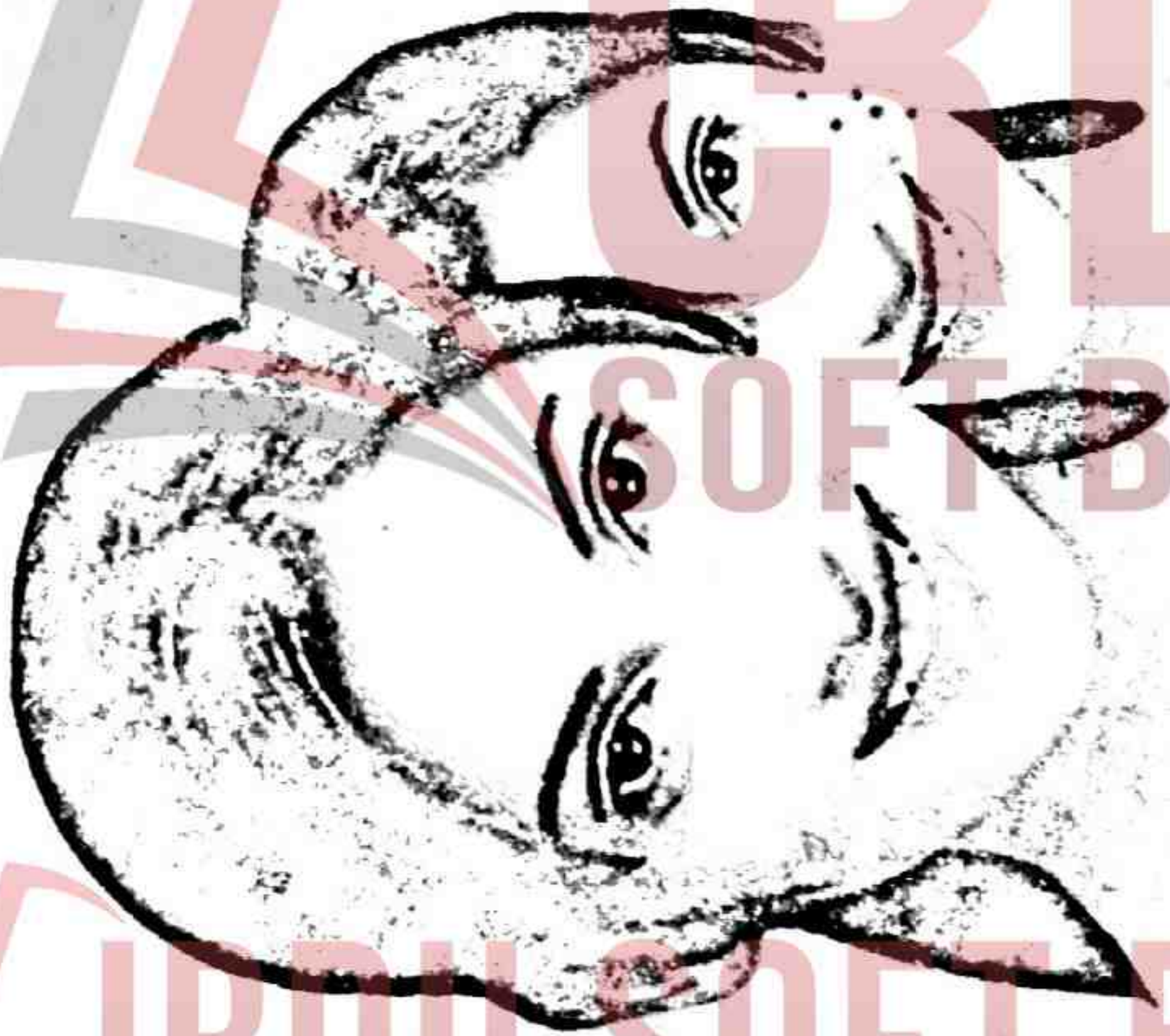
ایمپی ایلیکٹریک کریم

ایلیکٹریک، پمپلز اور عام جلدی مسائل کو

زخمی کے ساتھ ختم کرے

3 دن میں مٹا دے ایلیکٹریک پمپلز کا نام و نشان

بجی لارنٹ آپ کا سکن اسپیشلسٹ



Fast Acting FORMULATION



Manufactured by  
**Cosmic Makers**  
Lahore - Pakistan.

www.blite.com.pk  
info@blite.com.pk

DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM



پھر الحمرا آئیں..... میرا کوٹ آپ کا موبائل..... مس زیمیل مجھے کہہ دیجئے۔ آئی لو یو.....“

شرم سے زیمیل کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا وہ شخص کب سے اس کو دیکھ رہا تھا اس کے آنے جانے کا حساب رکھ رہا تھا گویا الحمرا میں اس کا دل جانا اتفاقاً نہیں تھا اس کا کوٹ دینا اور اس کا موبائل کئی ہفتوں بعد واپس کرنا اگر وہ اس کے بارے میں اتنا کچھ جانتا تھا تو یقیناً گھر کے بارے میں بھی جانتا ہوگا۔ نہیں وہ اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرے گی اس کو خواہ مخواہ ہی غصے آنے لگا کیا پتہ وہ جھوٹ بول رہا ہو محض پتے پھینک رہا ہو اسے بے وقوف بنانے کے لیے۔ اس نے ارادہ کر لیا وہ اس کو رسپانس نہیں دے گی۔ اور نہ ہی اس کے بارے میں سوچے گی لیکن یہ ارادہ اگلے دن بھر بھری دیوار کی طرح ڈھے گیا جب وہ اسے پرسپل کے آفس میں داخل ہوتا دکھائی دیا۔ وہ کئی ٹاپے ششدر سی کھڑی اسے دیکھتی رہی وہ یہاں تک بھی پہنچ گیا تھا کیا کرنے آیا تھا۔ اس بارے میں اس نے زیادہ دیر نہیں سوچا بس اس کے کانوں میں اس کی مدھرا آواز گونجنے لگی تھی۔

ڈیڈ نے اسے گھربلایا تھا اس نے اپنا شیڈول چیک کیا۔ فی الحال تو سب نارمل چل رہا تھا اس نے ویک اینڈ پر گھر جانے کا پروگرام بنالیا۔ شبانہ اور زمین بھی گھر جانے کا پروگرام بنا رہی تھیں گھر پہنچی تو بہت کچھ چونکا دینے والا تھا تمام گھر کی نئے سرے سے رینوویشن ہو چکی تھی۔ تایا اپنی فیملی کے ساتھ براجمان تھے خزانہ ماما اور ڈیڈ بھی خلاف توقع گھر پر موجود تھے چہل پہل سی محسوس ہو رہی تھی شاید کوئی پارٹی تھی۔

”اوہ..... زیم ڈارلنگ آگئیں تم؟“ اسے دیکھتے ہی خزانہ ماما آگے بڑھیں اور چٹا چٹا اس کی بلا میں لینے لگیں۔

”یا اللہ خیر۔“ وہ اس اچانک افتاد پر بوکھلائی ڈیڈ تایا جی تائی اماں سب ہی تو خصوصی شفقت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ اس کی چھٹی حس نے خطرے کا الارم بجایا۔ اس نے لاؤنج میں نظر دوڑائی عون کہیں نہیں تھا وہ معذرت کرنی اپنے کمرے میں آگئی۔ دروازہ بند کرتے ہوئے وہ عون کا نمبر ملا چکی تھی فون دوسری تیل پر ہی ریسو کر لیا گیا تھا اور عون کی چہکتی آواز نے گویا اس کے شک پر مہر لگا دی تھی۔

”زے نصیب کہیے خادم کیا خدمت کر سکتا ہے؟“  
”عون کیا چل رہا ہے کیوں سب لوگ اکٹھے ہوئے ہیں یہاں اور مجھے بلایا گیا ہے جلدی بولو۔“ وہ کڑے تیوروں سے

پوچھ رہی تھی۔

”ارے میڈم خفا کیوں ہو رہی ہیں اصل میں میں نے تو سوچا تھا چونکہ تمہیں ہر کام ڈرامٹ کے کرنے کی عادت ہے اس لیے انجمنٹ رنگ تمہیں کو ریسر کروادوں لیکن اماں نے یہ بات یکسر مسترد کر دی۔ انہیں اپنی اکلوتی بہو کو اپنے ہاتھوں سے رنگ پہنانا تھی..... بہو۔“

”اسٹاپ اٹ عون۔“ وہ اس کی بات سن کر چلائی۔  
”تم نے سوچا بھی کیسے اور جب میں تمہیں منع کر چکی تھی پھر بھی..... اس کے باوجود تم نے یہ حرکت کی ابھی کے ابھی اور اسی وقت ان سب کو بلواؤ یہاں سے۔ ورنہ میں تمہیں شوٹ کر دوں گی۔ سمجھے تم۔“ اس نے فوراً فون بند کیا اور کمرے میں تیز تیز چکر کاٹنے لگی۔ غصے سے اس کا خون کھول رہا تھا۔

”مام اور ڈیڈ نے مجھ سے پوچھے بغیر اتنا بڑا فیصلہ کیسے کر لیا پوچھنا تو درکنار بتانا بھی گوارا نہیں کیا۔ کیا سمجھ رہے ہیں یہ سب میں عون کے ساتھ اگر گھوم پھر لیتی ہوں تو میں ساری زندگی اس حکم کے غلام کے ساتھ گزار دوں گی۔ ہزار بار بتایا اس عون کے بچے کو کہ مجھے اس سے محبت نہیں اور میں شادی اسی سے کروں گی جس سے ٹوٹ کر محبت کروں گی اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی..... میں خود انکار کر دیتی ہوں۔“ اس نے فیصلہ کرتے ہوئے اپنی ہمت بندھائی اور باہر آگئی ٹی وی لاؤنج اب خالی تھا۔ جیلبرتن سمیٹ رہی تھی۔

”کہاں گئے سب؟“ وہ اس کے سر پر آن کھڑی ہوئی۔

”وہ جی.....“ وہ بولتے بولتے ہچکچائی۔

”جلدی بولو۔“ وہ غرائی۔

”وہ جی عون صاحب کا ایکسیڈنٹ ہو گیا سب لوگ اسپتال چلے گئے ہیں۔“ وہ شاید اس سے چھپانا چاہ رہی تھی لیکن اس کے کڑے تیوروں کے آگے ٹھہر نہ سکی۔  
”کیا..... کیا کہہ رہی ہو؟“ وہ شکا کڈ رہ گئی کئی ٹاپے بول ہی نہ پائی۔

”جی بی بی فون آیا تھا ان کے گھر سے وہ لوگ اسی وقت چلے گئے بڑے صاحب نے منع کیا تھا پر جی آپ.....“

”اچھا..... اچھا جاؤ۔“ وہ سمجھ گئی عون نے ڈرامہ کیا تھا تاکہ یہ لوگ واپس چلے جائیں اور ممکن نہ ہو سکے انکار تو اس نے کبھی کیا ہی نہ تھا اس کی کسی بات سے اس نے فوراً کمرے میں آکر عون کو ٹیکسٹ کیا۔ شکریہ اور لمبی تان کر سو گئی۔ ماما ڈیڈ کب



سے اسے دیکھا..... اگلے کئی دن اسپتال کی نذر ہو گئے بڑی مشکلوں کے بعد رات گئے عون کو تھوڑی دیر کے لیے ہوش آیا تھا یہ حوصلہ افزاء بات تھی ڈاکٹر زاسے مزید ٹیسٹ کے لیے لے گئے تھے اس کے دائیں شولڈر کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی کیسے یہ تو وہ مکمل ہوش میں آنے کے بعد ہی بتا سکتا تھا۔

”تو فکر نہ کر ہم ان شاء اللہ اگلے ہفتے ہی رسم کر لیں گے۔“  
تائی اماں کو اس کا متفکر اور غصیلا چہرہ کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا اس لیے سلی دینے والے انداز میں بولیں۔

”تائی اماں.....!“ اس کا جی چاہا سر پیٹ لے۔ ”میں کچھ اور سوچ رہی ہوں اور فی الحال یہ مسئلہ کے سیاپے کو نہ ہی پالیں آپ نے دیکھا نہیں بد شکون ہو گیا..... شکر کر پس عون کی جان بچ گئی میرا کیا۔ دو چار سال صبر کر لوں گی لیکن فی الحال ہم عون کی زندگی کا کوئی رسک نہیں لے سکتے میں نے عون سے کہا تھا ابھی رہنے دیں میری ساڑھ ستی چل رہی ہے۔“ اس نے کن اکھیوں سے تائی کو دیکھا جن کے کان کھڑے ہوئے تھے۔

”ساڑھ ستی.....! یہ کیا ہوتا ہے؟“  
تائی اماں کی ضعیف الاعتقادی سے فائدہ اٹھانے کا موقع اب ہی تو آیا تھا اور یہ کیسا آئیڈیا تھا کہ وہ تائی جان کو ہی ڈرا دے تاکہ یہ بات ہمیشہ کے لیے ٹھپ ہو جائے وہ کھسک کر تائی اماں کے قریب ہوئی۔

”یہ بات تائی اماں میں صرف آپ کو بتانے لگی ہوں وعدہ کریں بام ڈیڈ کو پتہ نہیں چلنے دیں گی۔ آپ سنبھال لیں گی نا؟“ وہ انہیں اموشنل بلیک ٹیل کر رہی تھی اور پھر جیسے جیسے وہ بولتی گئی تائی اماں کے چہرے کا رنگ بدلتا گیا اور اس وقت وہ یہ سوچ رہی تھیں کوئی مل ہو وہ عون کو کسی ڈبے میں بند کر کے چھپا دیں جہاں زینل کی بری نظر ان کے اکلوتے بیٹے کو چھو بھی نہ سکے۔

”آپ تو جانتی ہیں ناں تائی اماں عون سے میری محبت کو..... میں تمام عمر اکیلی بیٹھی رہ سکتی ہوں لیکن عون کی زندگی داؤ پر نہیں لگاؤں گی مجھے عون کی زندگی سے بڑھ کر کوئی عزیز نہیں۔“  
اس نے آنسو بہاتے ہوئے کن اکھیوں سے پھر تائی کو دیکھا وہ مکمل طور پر ٹریپ ہو چکی تھیں۔

”میں سمجھتی ہوں بیٹا۔“ انہوں نے اس کا سر سینے سے لگالیا بس تم فکر نہ کرو میں سب سنبھال لوں گی کم از کم چار سال تک تو عون کو اس بارے میں سوچنے ہی نہیں دوں گی اس کے بعد تو

واپس آئے اور عون کو صحیح سالم دیکھ کر ان پر کیا ہمتی ہوگی اور ان کا اس کے جھوٹ پر غصہ کس انتہا کو پہنچا ہوگا یہ سب جاننے کی اسے ضرورت نہ تھی صبح جب وہ اپنی نیند پوری کر کے جاگی تو بھی گھر میں مام اور ڈیڈ نہیں تھے جیلہ نے بتایا وہ رات بھر گھر آئے ہی نہیں تھے اور عون کی طرف ہی تھے۔ اس نے جلدی سے ڈیڈ کا نمبر ملایا لیکن پھر یہ سوچ کر بند کر دیا کہ ان کی خطی کا سامنا وہ کیسے کر پائے گی ان کا غصہ اتر جانے تک اسے ان سے بات کرنے اور سامنے آنے سے احتیاط برتنا چاہئے اس نے اپنا موبائل ہی آف کر دیا۔ لیکن جیلہ بی بی سی نے گھنٹے بعد ہی آ کر اطلاع دی کہ عون کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہے اور ڈیڈ اسے اسپتال بلا رہے ہیں وہ واقعی گھبرائی تھی کہیں سچ سچ تو عون نے کچھ نہیں کر لیا یہ سوچ دہلا دینے والی تھی اس نے ڈیڈ سے اسپتال کا پتہ پوچھا اور آٹافانا گاڑی لے کر اسپتال پہنچ گئی۔ مام اور ڈیڈ تو شاید گھر کے لیے نکل گئے تھے کیونکہ نظر نہیں آرہے تھے البتہ عون بیڈوں میں جکڑا نظر آ رہا تھا تائی امی کا رو رو کر برا حال تھا جانے کس کی نظر لگ گئی تھی ان کے بیٹے کو اسے دیکھتے ہی انہوں نے گلے سے لگالیا اور اوپچی آواز میں رونے لگی۔

”تجھے کس نے بتا دیا۔ میں نے کہا تھا کوئی نہ بتائے میں جانتی تھی تو یہ برداشت نہیں کر سکے گی۔“ تائی اماں جانے کیا سمجھ رہی تھیں۔ وہ انہیں سلی دے کر عون کے بیڈ کے قریب آئی وہ آنکھیں موندے لیٹا تھا وہ قدرے جھک کر آہستہ آواز میں بولنے لگی۔

”یار بس کر دو یہ ڈرامہ اتنا لمبا میں کرنے کو کس نے کہا تھا۔ میں نے تو کہا تھا بس منگنی رکوا دو۔ چلو اب اٹھ جاؤ۔ گھر والے بہت پریشان ہو گئے ہیں سچ سچ۔“ اس نے اس کا ماتھا تھپتھپاتے ہوئے کہا تھا لیکن اس کے وجود میں حرکت نہیں ہوئی وہ اسی طرح لیٹا رہا تھا۔

”بہت سیریس انجری ہوئی ہے بائیک کا تو کچھ نہیں بچا۔“  
تایا ابو کی آواز پر وہ ہلٹی۔ وہ افسردہ سے اس کے پیچھے ہی کھڑے تھے۔

”اوہ.....!“ اس کے لبوں سے نکلا تو عون نے سچ سچ بائیک دے ماری تھی۔ پاگل انسان اسے اس بے ہوش پڑے شخص پر غصا آنے لگا کیوں اس کی ہر بات مانتا تھا اور اس حد تک مانتا تھا کہ ہر حد سے گزر گیا تھا۔

”میں تم سے بات کرنا ہی چھوڑ دوں گی۔“ اس نے غصے



مارے بیٹا تھا وہ اسی لیے جلدی اور آئی نہیں تھی اس نے جو راہ فرار ڈھونڈی تھی اسی میں خود کو چھپائے پھرتی تھی لیکن اب اسے اپنی بے قدری کا احساس مارنے لگا تھا۔

”اچھا جاؤ گاؤں کا ایک چکر لگا کر آؤ صاف ستھری ہوا تمہارے لیے بڑی مفید ثابت ہوگی۔“ بشریٰ نے کہا۔

وہ چند ٹاپے سر جھکائے بیٹھی رہی پھر اسے بات محقول  
 لگی۔ واقعی اسے چکر لگاتا چاہئے تھا اس نے پیروں میں  
 چپل اڑی اور باہر نکل آئی۔ صبح کا وقت تھا ہر طرف جہل پہل  
 سی تھی اس نے دیکھا گامے نائی کی دکان پر کافی رش تھا۔ ہر  
 کوئی اپنی ضرورت کی چیزیں خرید رہا تھا گامے نائی کی دکان  
 گاؤں کا ڈیپارٹمنٹل اسٹور تھا جہاں آٹا دال چاول چینی کے  
 علاوہ پراندے سستا میک اپ جیولری سب دستیاب تھا۔  
 جب سے گاما نائی ریٹائرڈ ہوا تھا اور اس کے بیٹے نے اپنا  
 منصب سنبھالا تھا تو اس نے اپنی جمع پونجی سے گھر کی بیشک  
 میں پرچون کی دکان کھول لی تھی وہ یونہی چلتی ذرا آگے آئی۔  
 ہینٹاں دودھ کی بالٹی اٹھائے خراماں آتی نظر آئی اس  
 نے آواز دے ڈالی۔

”ری نموتو کب شہر سآئی؟“ اس نے لاٹو کی سر سے نیچے اتاری اور اسے گرم محوئی سے ملنے لگی۔

”کل واپسی بھی ہے میری کیسے ہیں سب؟“ اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”بھلی جنگی توڑتا بھرائیپو سے ملاقات ہوئی؟“ اس نے شرارت سے کہا تو وہ چونکی۔

”لوکر لوکل..... تمہیں یہ بھی نہیں بتا۔ کل جب میں نذراں

چاچی کا کرتا دینے لگی تھی تو چارپائی پر بیٹھالسی کا گلاس پی رہا تھا  
چھابے میں دسکی گھی سے چڑتے تندوری روٹھے۔ اور آم کا

اچار ساتھ میں پودینے اور ہریاں مرچاں کی چٹنی یوں نندیوں کی طرح کھا رہا تھا جیسے شہر میں کچھ کھانے کو ملتا ہی نہیں۔“

حیضوں میں ہنس کر رہی تھی اور اس کا دل کئی چنگ کی طرح ڈولنے لگا تھا وہ یہیں تھا گاؤں میں اس کے آس پاس اور اسے

خبر تک نہ تھی اس کے جی میں آئی جا کر ایک نظر اس کو دیکھ لے  
 برسوں کی پیاس تو بجھالے اپنی خاموش محبت کا اس پر اثر بھی

دیکھ لے لیکن اس کے باؤں من من بھر کے ہونے لگے  
 حنیف! اپنی دلیلی اٹھا کر چلی بھی گئی اور وہ تباہ ہے! ایک

سب خیر ہے ناں؟“

”جی..... جی۔“ اس نے فوراً اثبات میں سر ہلایا۔ اپنی اس کمینگی پر اس نے خود کو لعن طعن بھی کی کہ یہ کوئی موقع نہ تھا لیکن وہ یہ بھی جان گئی تھی کہ اگلے ہفتے، مہینے یا پھر کچھ عرصہ بعد یہ ایٹو پھر کھڑا ہوتا تھا پھر کیا بہانہ ہوتا اس لیے اس نے تائی اماں کو ہی ششے میں اتار لیا تھا، تائی اماں اور تایا ابا مام اور ڈیڈ سے یکسر مختلف تھے۔ گھر، دولت ان کے پاس بھی وافر تھی لیکن تائی اماں نے اپنی ساری عمر سادگی میں ہی گزاری تھی تایا ابا کی طبیعت بھی کچھ ایسی ہی تھی لیکن پیار دونوں بھائیوں میں بہت تھا۔ عون کے سارے ٹیسٹ کلیئر آئے تھے بس شو لڈر کی ہڈی بری طرح متاثر ہوئی تھی پورے بازو اور کندھے پر پلستر چڑھا تھا وہ تو ہاسٹل سے واپس آ گئی تھی لیکن عون کو ابھی مزید ایک ہفتہ اسپتال میں ہی ایڈمٹ دینا تھا آنے سے پہلے وہ عون سے لڑکر آئی تھی وہ آگے سے ہنستا رہا تھا۔

”تم نے کہا تھا منگنی رکوا دو..... منگنی تو پھر اسی طرح رک سکتی تھی چھوٹی موٹی بات کو کس نے سمجھنا تھا۔“ وہ ہنس رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں چھپا کرب بے حد واضح تھا جس سے وہ نظر چرا گئی تھی۔

”میں کروں بھی تو کیا عوں؟“ اس نے سوچا۔

”جاچی بس۔“ اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔  
”مجھے اس کا انتظار نہیں کرنا۔ مجھے شادی ہی نہیں کرنی

آپ چاچا کو بول دیں۔“  
”لو تمناؤ چار دن ہوئے نہیں لڑکی اور تم شرم و حیا بھول گئی ہو

آج تک ایسا ہوا نہیں خاندان میں۔ ایسا سوچتا مجھی نہیں۔“  
بشریٰ نے ساگ بتاتے ہوئے اسے گھولا۔

”آپ خود انصاف کریں کتنے سال ہو گئے اس بے نام رشتے میں بندھے۔ کتنی بار آ یا وہ گاؤں میں۔ کبھی بھول کے بھی

اس کو خیال آیا اس بات کا بھی اس دلیز کو عبور کیا اس نے۔ اس کے شکوے بجاتے سنہرے خواب دیکھنے کی عمر اس نے انتظار

کرتے اور ڈرتے گزاردی تھی۔ بشریٰ نے ہاتھ روک کر ہل کی ہل اس کو دیکھا۔

”دیکھو بات سنو میں نے بھائی صاحب سے بات کی ہے  
اس دفعہ یا تو نکاح کر کے ہی جائے گا تم پریشان نہ ہو۔“ بشری

اسے تسلی دے رہی تھی لیکن اس کے اندر کھوجانے کا خوف کنڈلی







زیمل کب سے عون کا نمبر ڈائل کر رہی تھی لیکن وہ نہیں مل رہا تھا پتہ نہیں ایکسیڈنٹ کے بعد سے وہ کیوں کھینچا کھینچا سا رہنے لگا تھا اس نے تو مام اور ڈیڈ کو بھی بڑی مشکل سے ہینڈل کیا تھا اس نے جتنی بار فون کیا تھا وہ کاشد بتا تھا کال بیک بھی نہیں کی اب بھی وہ ایسے ہی کر رہا تھا پھر اسے بھی ہلکا گیا۔

”نہیں تو ناسی۔“ اس نے فون بند کر کے ہینڈ براجمال اور خود کچھ کھانے کے لیے کینٹین کی طرف آگئی لڑکی بھی نہیں کیا تھا شبانہ اور زمین بھی ٹوٹس بنانے لایہریری میں جا کر بیٹھی تھیں ہاسٹل میں لڑکیوں کی تعداد کم ہوگئی تھی کیونکہ امتحانوں کی تیاری کے لیے وہ گھر جا چکی تھیں ان تینوں کا ابھی موڈ نہ سن رہا تھا کچھ ان کے لیکچررز بھی شاٹ تھے سو وہ بھی کمپلیٹ کرنا تھے زمین تو یہیں رہنا چاہ رہی تھی شبانہ البتہ ہر ویک اینڈ پر گھر کا چکر لگا آتی تھی اور زیمل کو چونکہ نیا نیا عشق ہوا تھا اس لیے وہ گھر جانے کے موڈ میں نہیں تھی وہ اس شخص سے ملنے کو بے تاب ہو رہی تھی جس نے پچھلے چار ماہ سے اس کی نیند اڑا رکھی تھی وہ جانتی تھی وہ اس کو یہیں نہیں ملے گا چلتے پھرتے آتے جاتے اب وہ ہر آنے جانے والے کے چہرے کو کھوجنے لگی تھی۔ کینٹین سے سینڈویچ لے کر وہ وہیں بیچ پر بیٹھ گئی ذہن میں مختلف سوچیں تانا بانا بن رہی تھیں انجانے میں ہی وہ عون اور اس شخص ظفر یاب کا موازنہ کرنے لگی تھی۔

”بس اب مل جاؤ آنکھ مچولی کا کھیل ختم کرو۔“ اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کے سوچا تھا سورج غروب ہونے کو تھا ہاسٹل کے کوریڈور کی لائٹس جل اٹھی تھیں نماز کی پابند لڑکیاں ہال کی طرف جارہی تھیں اس نے غور کیا اس نے آج تک نماز نہیں پڑھی تھی اسے بھی محسوس ہی نہ ہوا تھا کہ نماز پڑھنی چاہئے پچپن میں ایک قاری صاحب متعین کیے گئے تھے جو اسے قرآن پاک پڑھانے آتے تھے دوبار قرآن پاک ختم کرنے کے بعد اس نے دوبارہ کبھی کھولا ہی نہ تھا اور نماز تو شاید اسے ٹھیک سے پڑھنا بھی نہیں آتی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اسے ندامت سی محسوس ہوئی تھی کل سے نماز پڑھنے کا ارادہ کر کے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ وسیع و عریض کوریڈور سے گزر کر وہ اپنے کمرے میں جا رہی تھی وہ اپنی اس عجیب محبت کے بارے میں سوچ رہی تھی کیا اس کا کہا سچ ہو گیا تھا اس نے عون سے کہا تھا۔

”ضروری نہیں عون تم مجھے پسند کرو مجھ سے محبت کرو تو میں بھی تم سے محبت کروں میں تو شادی ہی اس شخص سے کروں گی

آنسو تھے۔  
”ہم لوگ ابھی بھی زمانہ جاہلیت سے باہر نہیں آئے پچپن میں جب کسی انسان کو اچھے برے کی تمیز نہیں ہوتی، مگنی نکاح جیسے بندھن میں باندھ دینے کا مقصد مجھے تو آج تک سمجھ نہیں آیا۔ اس کی کیا لالچ کیا تھیوری؟“ شبانہ اسے تاسف سے دیکھ رہی تھی۔

”اصل میں پچازیر نے ہی یہ رشتہ کروایا تھا چچی بڑے اچھے اطوار کی ہیں اباجی نے سوچا تو صرف یہ کہ میں خوش رہوں گی اور پھر گاؤں میں تو پیدا ہوتے ہی رشتے جوڑ دیئے جاتے ہیں میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اپنے نام کے ساتھ اس کا نام دیکھا ہے میں نے اٹھتے بیٹھتے اس کے سنے بنے ہیں لیکن آج تک جان نہیں پائی وہ میرے بارے میں کیا سوچتا ہے پتہ ہے شبانہ یہ جہاں میں یہاں اس کا لُج میں ہوں تو اسی وجہ سے کہ پچازیر نے اباجی سے کہا تھا ٹیپو پڑھ لکھ کر بڑا افسر بن جائے گا ایسا نہ ہو کل کو ان بڑھ نموسے شادی کرنے سے انکار کر دے۔ اس لیے مجھے آگے پڑھنا چاہئے۔ ابرار بھائی نے خود میرا ایڈمیشن یہاں کروایا تاکہ میں اس کے برابر کھڑی ہو سکوں اور وہ پتہ نہیں کہاں غائب ہے مجھے یہی ٹینشن ہے کہ اگر اسے کوئی اور پسند آگئی تو میں کیا کروں گی؟“ اس کے اندر کی بے چینی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

”تم نے کیا کرنا ہے کرے گا تو وہ اس لڑکی سے شادی۔  
بھئی جس کو پسند کرے گا پاگل۔ بے وقوف جواب بھی ہوا نہیں اس کے بارے میں سوچ سوچ کر ہلکان ہونے کا فائدہ؟ تمہارے بڑے ہیں ناں معاملات کو ہینڈل کرنے کے لیے۔ جنہوں نے رشتہ طے کیا ہے وہ ہی اس کو سنبھال بھی لیں گے اور بچا بھی لیں گے تم فی الحال اپنی تعلیم پر دھیان دو مت پڑو عشق کے عذابوں میں۔ آگے یاد ہے ناں۔“ وہ اس کا ہاتھ دباتے آرام سے آگے چلی گئی زمین نے اثبات میں سر ہلایا۔

عمر کتنی ہے ان کی کانٹوں پر  
پھول رکھتے ہیں جو کتابوں میں  
”شاباش۔“ شبانہ نے اسے ہلکی دی۔

”اب پوری توجہ سے پیپر کی تیاری کرو۔ اے ون رزلٹ  
ہونا چاہیے بعد میں بات کریں گے۔“  
”ٹھیک پوشانہ۔“ وہ ممنون ہوئی۔

”اس مائی پلجر۔“ وہ ہنس دی۔



یاس تمہارا فون رہ گیا تھا وہ جس نے بارش میں تمہاری ہیلپ کی تھی؟“ شبانہ تجسس سے پوچھ رہی تھی۔  
 ”ہاں اور پلیز آگے کی فی الحال کچھ نہ پوچھنا۔ نہ سوچنا میرا کچھ بھی بتانے کا موڈ نہیں ہے۔“ زیمل نے بیزاری سے کہا اور کروٹ بدلی لی اس پر بیزاری اور قنوطیت دونوں ایک ساتھ حملہ آور ہوئی تھیں شبانہ اٹھ کر اپنے بستر پر چلی آئی زمین سوچکی تھی شبانہ کو ابھی نیند نہیں آرہی تھی سو وہ دوبارہ پڑھائی میں مصروف ہو گئی۔

ایگزیمز ختم ہوئے تو سب نے اپنے گھروں کی راہ لی شبانہ تو آخری پیر والے دن ہی شیخوپورہ چلی گئی تھی زمین اور زیمل البتہ اگلے دن نکلی تھیں گھر میں سامان رکھنے کے بعد وہ سیدھی عون کی طرف چلی آئی تھی تائی اماں اسے دیکھ کر خوش ہو گئیں اس کے امتحانوں کا پوچھنے لگیں اس نے بتا کر ادھر ادھر نظر دوڑائی پھر قدرے جھک کر رازداری سے پوچھا۔

”عون میاں کہاں ہیں؟“

”وہ.....“ تائی ہنس پڑیں۔ ”ارے بیٹا وہ تو آج کل پتہ نہیں کن ہواؤں میں ہے غائب رہتا ہے سارا دن گھر آئے گا تو فون کان سے لگا ہوگا مجھے تو لگتا ہے کسی لڑکی وڑکی سے باتیں کرتا رہتا ہے۔“ تائی کا انداز لا پرواہی لیے ہوئے تھا جب کہ اس کے دل کو دھکا سالگا۔

”ہائے لڑکی.....!“ اس نے چونک کر تائی اماں کو دیکھا وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھیں بلکہ ٹی وی پر آنے والے بیڈ کورز کے کمرشل پر دھیان دے رہی تھیں۔

”تو تم کیا چاہتی ہو زیمل حسان تمہاری تمام تر رنجی کے باوجود وہ پروانہ کی طرح تمہارے گرد منڈلاتا رہے۔“ کسی نے اسے لتاڑا تھا وہ نظریں چراگنی پھر بلا مقصد تائی اماں سے ڈھیروں باتیں کرتی رہی۔ لیکن اسے اپنا لہجہ اپنی آواز اپنی ہنسی سب کھو چکی محسوس ہو رہی تھیں۔

”ہاں تو کیا میں کون سا اس سے محبت کرتی ہوں۔“ اس نے اپنے دل کو سرزنش کی لیکن کہیں کچھ تھا جو کھویا کھویا سا لگ رہا تھا۔

”بھئی وہ میرا فون انینڈ نہیں کر رہا۔“ دل نے پھر سوچا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”اچھا تائی اماں عون آئے تو اسے بتائیے گا میرا چھٹیاں ہو گئی ہیں اب تین ماہ کے لیے فارغ ہوں میں۔“ اس نے

جس سے محبت کروں گی۔“  
 ”اور اگر اسے تم سے محبت نہ ہوئی تو؟“ عون نے غمزہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔  
 ”نیور مائنڈ۔“ اس نے کندھے اچکائے۔

”اس کی محبت میرا مسئلہ نہیں ہے مسئلہ میری محبت ہے اور فی الوقت مجھے تم سے محبت نہیں ہے۔“ وہ اس وقت عون کو کوئی ظالم پری لگ رہی تھی لیکن اسے پروا کبھی شاید ہم سب صرف اپنی محبت کے بارے میں سوچتے ہیں لیکن وہ اس محبت کے بارے میں سوچے بھی تو کیا۔

وہ کون تھا کہاں رہتا تھا کیا کرتا تھا وہ کچھ بھی تو نہیں جانتی تھی دوبار کی سرسری ملاقات میں وہ کیوں اس کی محبت میں مبتلا ہو گئی تھی۔ اس نے کوئی سحر پڑھ کر پھونکا تھا اس پر۔ جو وہ دن رات اسی کے بارے میں سوچنے لگی تھی انہی سوچوں میں گم وہ اپنے کمرے تک پہنچ گئی تھی زمین اور شبانہ اسے باہر ہی مل گئیں ساتھ چند اور لڑکیاں بھی تھیں کوئی ڈسکشن چل رہی تھی غالباً۔ وہ ہاتھ ہلاتی کمرے میں گھس گئی وہ اس وقت کچھ بھی بولنے کے موڈ میں نہ تھی جوتے اتارنے کے بعد وہ بیڈ پر نیم دراز ہوئی ہی تھی کہ موبائل پر بیپ ہوئی۔ اس نے اٹھا کر دیکھا آٹھ مسڈ کالز تھیں اور تقریباً اتنے ہی میسجز۔ یقیناً عون ہی ہوگا اس نے سوچا اور موبائل سائیڈ پر ڈال دیا۔ وہ کوئی فالتو شے نہیں تھی بلکہ وہ اس ظفریاب سے بھی بات نہیں کرے گی منع کر دے گی کم از کم ایگزیمز تک۔

ایگزیمز کے بعد ان کو تین ماہ کے لیے آف مل جانا تھا اس کے بعد اگست میں ان کی نئی کلاسز اسٹارٹ ہونا تھیں وہ سوچ رہی تھی ڈیڈ کے ساتھ فارن ٹور پر نکل جائے یہ تین ماہ بہت بورنگ ہونے والے تھے اس کے لیے۔ زمین اور شبانہ اندر آئیں تو اسے بستر پر لپٹا پا کر ہنس دیں۔

”پھر فرسٹریشن ہو رہا ہے کیا؟“ شبانہ اس کی پالکتی کی طرف آ کر بیٹھ گئی جب کہ زمین اپنا بستر جھاڑنے لگی تھی۔  
 ”ہاں..... شاید نہیں۔“ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”عون تمہارا فون نہیں اٹھا رہا اور تم ظفریاب کا ہے ناں؟“  
 شبانہ کا کہا اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ ایک ٹک اس کی شکل دیکھنے لگی کچھ بول ہی نہ پائی۔

”سوری تم فون اندر ہی بھول گئی تھیں بہت شور کر رہا تھا اس لیے میں نے چیک کر لیا یہ ظفریاب وہی ہے ناں جس کے



ہونے لگی۔

”ایک منٹ..... ہر بات پر فوراً ہا پرمت ہو جایا کرو اور  
میں یہاں تمہارا غصہ دیکھنے نہیں آیا۔ مانا بہت حسین لگتی ہو  
غصے میں لیکن..... اتنی بھی نہیں کہ میں اپنی ڈیوٹی چھوڑ کر تمہارا  
پیچھا کرتے ہوئے یہاں پہنچ جاؤں۔“ وہ اس کے سامنے  
آگے اڑا ہوا تھا۔

وہ پاؤں پٹخ کر مڑی۔ خواجہ خواہ سر پر سوار ہو رہا تھا۔ وہ پھر اس کے سامنے آ گیا۔ کچھ دیر خامشی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ اسٹریٹ لائٹ درختوں سے چھن کر آتی اور چودھویں کے چاند کی روشنی اس کے حسین چہرے کو اور بھی خوب صورت بنا رہی تھی۔

”تم جانتی ہو بہت خوب صورت ہو تم۔“ وہ گھمبیرتا سے بولا۔  
 ”لیکن..... یہ ہماری پہلی ملاقات ہے۔“ (اس نے پہلی پر خاصا زور دیا تھا)۔

”باضابطہ..... دوبار تو اتفاقاً ملے ناں..... تو کیا اس کو یونہی ضائع کرو گی۔ لڑکڑ غصہ ہو کر..... ہوں؟“ اس کے لہجے میں کچھ تھا وہ کھٹکنے لگی۔ وہ دونوں بازو سینے پر باندھے اسے انہماک سے دیکھ رہا تھا جس کے صبیح چہرے پر چھائی غصے کی لالی اب شرم کی سرخی میں ڈھلنے لگی تھی وہ لب کاٹنے لگی۔ شریقی آنکھیں پانیوں سے بھرنے لگیں وہ نہیں سمجھ پارہی تھی اسے کس طرح ری ایکٹ کرنا چاہیے۔ وہ اس کے سامنے تھا جسے اس نے گزشتہ دنوں دن رات سوچا تھا جس سے کئی بار دل ہی دل میں وہ روٹھی مانی تھی کئی بار ارادہ کیا تھا وہ اس سے تعلق نہیں رکھے گی۔ آج وہ سامنے آیا تھا تو جیسے سب کچھ ریت کی طرح مٹھی سے پھسلتا جا رہا تھا اس سے کچھ کہنے کی سکت ہی نہ پارہی تھی خود میں۔

”کم آن زمیل.....“ تم تو ستر کی دہائی کی فلمی ہیر و خوں کی طرح ری ایکٹ کر رہی ہو جہاں تک میں جانتا ہوں تم ایک ماڈرن فلمی ہے لی لونگ کرتی ہو اور.....“

”ماڈرن فمیلیز میں کیا شرم و حیا نہیں ہوتی؟“ وہ بھڑکی۔  
 ”مجھے جانا ہے۔“ وہ سائیڈ سے ہو کر نکل گئی وہ اس کے پیچھے  
 چلنے لگا۔ پھر دو لمبے قدم لے کر اس کے براہمآ گیا۔ وہ غصے  
 میں تھی۔

”میں آیا تھا تم سے ملنے تم سے بات کرنے انسان کو اتنا آتا“



ظفریاب کو بیچ کیا تھا لیکن اس کا رہائی نہیں آیا۔ وہ اس کو سمجھانا چاہ رہی تھی کہ غیر متوقع طور پر اسے اپنے سامنے پا کر وہ حواس باختہ ہو گئی تھی۔

کوئی ایک دم سے آپ کے سامنے آ کر کھڑا ہو جائے اور اپنی محبت کی داستان سنانے لگے تو ایک لڑکی کیساری ایکٹ کرے گی۔ وہ عون سے بھی ڈسکس کرنا چاہتی تھی لیکن عون نے بھی شاید اسے بلیک لسٹ کر دیا تھا۔ دن بہت لمبا تھا یا پھر اسے لگ رہا تھا اس کے پاس کرنے کو کچھ بھی نہیں تھا اس نے شبانہ کا نمبر ڈائل کیا۔ سوچا مگر شپ کرے گی۔ اس نے کافی دیر بعد فون ریسو کیا۔ لگتا تھا کہیں سے بھاگ کر آئی ہو۔

”ہیلو.....!“ اس کی ہانپتی آواز آئی۔

”خیر تو ہے کہاں ہو؟“ اس نے پوچھا۔

”ہیں کمال ہے تمہیں نہیں پتہ؟ ارے یار تمہارے کزن کا رشتہ آیا ہوا ہے میرے لیے باہر ڈرائنگ روم میں تمہارا کزن عون اور اس کی والدہ بیٹھی ہیں۔ میں انہیں چائے سرو کر رہی ہوں۔ اوہ میرے اللہ..... میں تم سے بعد میں بات کرنی ہوں بائے۔“ اس نے فون بند کر دیا اور وہ فون کو بھتی رہ گئی۔

عون اور شبانہ سے رشتہ۔ اس کے دل کو ایک دھچکا لگا تھا یہ کب ہو گیا اور عون نے اسے بتایا تک نہیں اور شبانہ نے بھی کب بتایا کہ اس کا عون سے کوئی چکر چل رہا ہے۔ اتنی جلدی نوبت یہاں تک پہنچ گئی اور وہ بے خبر رہی۔ عون نے اسے بتانا تک مناسب نہ سمجھا۔

”اوہ..... وہ بھی اس کی کالز اینڈ نہیں کر رہا تھا اسے نظر انداز کر رہا تھا یا شاید اسے بتا رہا تھا کہ اس نے اپنی راہیں الگ کر لی ہیں۔ وہ اپنے لیے کسی دوسرے کا انتخاب کر چکا ہے۔“ زیمل حسان کا دل چاہا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے اور پھر اس نے ایسا ہی کیا۔ وہ خوب روئی کس بات پر اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا اور اس کے بعد کمرہ بند کر کے سو گئی۔

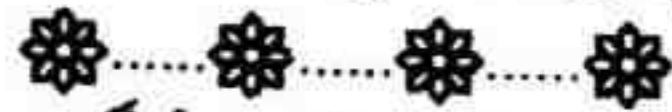
خزینہ کتنی دیر اس کا دروازہ کھٹکھٹاتی رہی ساتھ لے جانے کے لیے اسے کچھ پتہ نہ تھا اس پر ڈپریشن طاری ہو چکا تھا اور اس کے زیر اثر وہ کتنے گھٹنے رہی کچھ پتہ نہ تھا۔



”آپ کو پسند آ گئی شبانہ؟“ وہ تائی اماں کے بے حد نزدیک بیٹھی ان سے پوچھ رہی تھی۔ رضیہ ابھی ابھی ٹیبلٹس سے بھری پلیٹ اس کے سامنے رکھ گئی تھی اور پسند ہونے کے باوجود

پرست بھی نہیں ہونا چاہیے۔ محبت بار بار دستک نہیں دیتی..... دروازہ بند ملے تو مڑ بھی جایا کرتی ہے اور پھر خالی دہلیزوں پر صرف آنسو ملتے ہیں۔ وہ اپنی بات مکمل کر کے تیز قدموں سے نکل گیا۔ وہ تھم سی گئی تھی۔

اس نے دیکھا وہ آہستہ آہستہ اس سے دور ہوتا جا رہا تھا وہ آواز دے کر اسے روک لینا چاہتی تھی لیکن ایسا نہ کر سکی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ وہ کھڑی رہی پھر اپنے آنسو اندر اتارتی گاڑی میں آ بیٹھی۔ وہ کیا چاہتی تھی اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اب وہ عون کا رویہ یکسر بھلا چکی تھی اور ظفریاب کے پرفیوم کی تیز خوشبو ابھی تک محسوس کر رہی تھی۔ اسے محبت مطلوب تھی مگر کس سے؟ یہ جاننے کے لیے اس نے اپنے دل کا زور کر دیا تھا۔



”تمہارا پلان کیا ہے؟ کیا چھٹیاں یونہی گزارنے کا ارادہ ہے؟“ خزینہ مام نے سلاکس پر بٹر لگاتے ہوئے اس کے ستے چہرے کو دیکھا۔ وہ شاید نہیں یقیناً رات بھر نہیں سوئی تھی۔

”سوچا نہیں ابھی۔“ اس نے جوس کاپ لیا اور نظریں پھر کسی نادیدہ نقطے پر جمادیں۔ وہ جانتی تھی مام بھی اس کی پریشانی کا سبب نہیں پوچھیں گی۔ وہ کسی کے بھی پرسنل میٹرز میں دخل اندازی نہیں کرتی تھیں۔

”شام میں کیا پروگرام ہے آپ کا۔ میں آپ کے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔“ اس نے کہا تو خزینہ نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ وہ کبھی بھی اس کے ساتھ کہیں بھی جانے پر آمادہ نہیں ہوتی تھی۔ اس نے خود خواہش ظاہر کی تھی اس کا مطلب تھا وہ واقعی ڈسٹرب تھی۔

”وائے ناٹ۔“ وہ خوش دلی سے بولیں۔

”مسز احتشام کے ہاں گیٹ تو گیدر ہے ڈنر ہے تم ڈیڈ کو نمائندگی کر لینا بہت اہم ڈنر ہے یہ۔ مجھے اپنی وارڈ روب دکھا دینا میں تمہارا ڈریس سلیکٹ کروں گی۔ احتشام صاحب کو تو جانتی ہوناں تم۔ مصروف سیاست دان ہیں۔“ وہ کچھ زیادہ ہی ایکسائٹڈ ہو گئی تھیں اس کے جانے کا سن کر۔

”جی میں تیار ہو جاؤں گی۔“ وہ کرسی کھسکا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ کون تھا؟ کس کلاس سے تعلق رکھتا تھا اسے جاننے کی ضرورت نہ تھی وہ تو محض اپنا ذہن بٹانے کے لیے وہاں جانا چاہ رہی تھی۔ ساری رات اس کی بے چینی میں کئی کئی گھنٹے گزر گئے تھے۔



اس نے ان پر نظر بھی نہیں ڈالی تھی وہ چپ چپ تھیں۔

”ہاں..... جیسی ٹڈل کلاس لڑکیاں ہوتی ہیں بس ویسی ہی ہے ماں باپ اچھے ہیں۔ ملنسار اور شریف۔ شبانہ سے عون کو تم نے ہی ملوایا تھا ناں؟“ ان کا لہجہ مبہم سا تھا وہ کچھ بھی اخذ نہ کر پائی۔

”جی شاید.....“ وہ ذہن پر زور دینے لگی کہ کب اس نے شبانہ اور عون کی ملاقات کروائی تھی لیکن اسے ایسا کوئی واقعہ یاد نہ آیا وہ سمجھ گئی تھی عون نے اسے جلانے کے لیے شبانہ کا انتخاب کیا تھا۔ لیکن وہ کیوں جلے گی؟ اس نے سر جھٹکا۔

”مجھے عون نے بتا دیا تھا کہ تم اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی ہو۔“ تائی اماں نے اتنے آرام سے یہ بات بتائی تھی کہ وہ سناٹے میں رہ گئی۔ اس سے نظریں نہ اٹھائی گئیں کیونکہ جو کچھ وہ بول رہی تھیں وہ سننے کے بعد اس میں سکت ہی نہ رہی تھی۔

”ساڑھ ستی والی بات من گھڑت تھی ناں میں نے عون سے پوچھا تھا اور اس نے کچھ بھی نہ چھپایا تھا۔ سب کہہ دیا تھا۔ اس کا ایکسیڈنٹ تمہارا انکار وہ بہت چاہتا تھا تمہیں زبیل.....

افسوس تم نے قدر نہ کی۔ لیکن چلو خیر اسے عقل آگئی۔ تم بھی بیٹی ہو اس گھر کی۔ تمہیں کچھ کہہ تو نہیں سکتی میں۔ یہ تو دل کا سودا ہوتا ہے زبردستی نہیں کیا جاسکتا۔ شبانہ ہم سے اسٹینٹس میں کم ضرور ہے لیکن سمجھ دار ہے۔ عون کو سمیٹ لے گی۔ اللہ تمہیں تمہاری خوشیاں مبارک کرے سدا سکھی رہو تم آمین۔“ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور پھر خاموشی سے اٹھ کر اندر چلی گئیں۔

اسے اپنا وجود بے وقعت محسوس ہو رہا تھا۔ عون سے محبت اور وہ تھا بھی نہیں اس کی محبت کے قابل اس نے ہمیشہ کی طرح ہٹ دھرمی سے سوچا اور اٹھ گئی۔ اب وہ بھی عون سے رابطہ نہیں کرے گی۔ اس نے اپنے موبائل سے عون کا نمبر ہی ڈیلیٹ کر دیا۔ وہ اتنی ہی انتہا پسند تھی فوراً غصہ کر جانے والی فوری فیصلہ کر لینے والی۔ چاہے کتنا نقصان ہو جائے۔ گھر آ کر وہ دروازہ بند کر کے لیٹ گئی۔ وہ کیوں فیصلہ نہ کر پارہی تھی کہ آخر اسے کس کا ساتھ چاہیے تھا۔ عون کا یا ظفریاب کا۔ وہ کس کا غم منا رہی تھی؟ اس نے فون اٹھا کر ان باکس کھولا ظفریاب کے کتنے ہی ان ریڈ میسجز تھے وہ انہیں پڑھنا نہیں چاہ رہی تھی۔ وہ اس پر اعتبار نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔ اس کی پاس بان عقل تھی اور عقل اور محبت دونوں متضاد راستے تھے۔ وہ شش و پنج میں تھی دل محبت کی تال پر دھڑک رہا تھا لیکن دماغ منع کر رہا تھا۔ اس نے

ان باکس کھولا۔ میں میسجز تھے پچھلے پندرہ دنوں میں اس نے یہی کام کیا تھا شاید وہ یکے بعد دیگرے پڑھنے لگی۔ وقت جیسے ختم جائے سانس جیسے ک جائے مل بھر کا روٹھنا اس کا کیسا عذاب دے۔

”بھولی!“

باہر بارش ہے

میں ہنس دیا

بارشوں سے اس کو کچھ

ایسی ہی محبت ہے

اس کو خبر نہیں شاید

میرے ساند برسوں سے

ایسی ہی بارش برتی ہے

وہ جو جان جائے تو

بس مجھ سے پیار کرے



وہ ایک لڑکی

گلاب چہرے پر مسکراہٹ

چمکتی آنکھوں میں شوخ جذبے

وہ جب بھی کانچ کی سیڑھیوں سے

سہیلیوں کو لیے اترتی

تو ایسے لگتا ہے جیسو دل میں اتر رہی ہو

کچھ اس یقین سے بات کرتی ہے

کہ جیسو دنیا اس کی آنکھوں سے نکلتی ہو

وہ اپنے رستے پر دل بھاتی

ہوئی نگاہوں سے ہنس کر کہتی ہے

تمہارے جیسے بہت سے لڑکوں سے

میں یہ باتیں

بہت سے برسوں سے سن رہی ہوں

میں ساحلوں کی ہوا ہوں

نیلے سمندروں کے لیے بنی ہوں

وہ ساحلوں کی ہوا سی لڑکی

جو راہ چلتی ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے دل میں اتر رہی ہو۔

(اس نے امجد اسلام امجد کی نظم میں اپنی مرضی سے رد و بدل



# URDU SOFT BOOKS

DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

## مکمل تحفظ مکمل تازگی



GIRL  
TALK

## Butterfly BREATHABLES

DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM



اس نے ان باکس بند کیا اور اس کا نمبر ملا لیا۔

”تم کیا کرنا چاہتی ہو؟ کیا تم اپنی ماں کی طرح یہ ثابت کرنا چاہتی ہو کہ تمہیں کسی کی پروا نہیں سوائے اپنے آپ کے۔ پہلے تم نے عون کو رجحیکٹ کیا اب رضی کو۔ میرا بڑا بھائی خفا ہو گیا مجھ سے۔ اب احتشام الدین۔ تمہیں اندازہ نہیں تمہارا بگاڑ ہمیں کہاں پہنچا دے گا۔ احتشام الدین کوئی معمول سیاست دان نہیں۔“ وہ غمیش میں تھے وہ سکون سے سب سنتی رہی۔

”ڈیڈ..... آپ کے سارے رشتے آپ کے بزنس ڈیل پر چلتے ہیں اور میں اس کا حصہ بننے کا ارادہ نہیں رکھتی۔ نہ عون، نہ رمی نہ کوئی اور۔ کم از کم آپ کے سرکل کا تو بالکل نہیں..... مجھے نہیں گزارنی جمع تفریق والی زندگی میں جینا چاہتی ہوں ایک نارمل زندگی۔ مجھے کسی کے بچنے کوٹھیاں شمار نہیں کرنا۔ کسی کا بینک بیلنس اور سوشل اسٹیٹس نہیں چاہیے۔ ایک انسان چاہیے خواہ وہ کسی ہوٹل کا وائٹر ہو یا دیہاڑی مزدور۔“ وہ بغاوت پر آمادہ تھی۔

”یہ سب..... یہ ساری باتیں۔“ خزینہ مام نے بھی حصہ لیا۔

خزینہ مام نے گویا سارا حساب چکاتا کر دیا تھا وہ بحث میں نہیں پڑنا چاہتی تھی اس لیے خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ ہاں وہ اپنی مام کی طرح خود غرض تھی اور ہمیشہ اپنے بارے میں سوچتی تھی۔ کوئی اس کے بارے میں جو سوچتا ہے سوچے۔ اب وہ ہر شام ظفریاب کے ساتھ گزارنے لگی تھی۔ اس نے ظفریاب سے اس کے بارے میں ایک بھی سوال نہیں کیا تھا۔ وہ کون تھا کہاں سے آیا تھا کیا کرتا تھا؟ اسے غرض ہی نہ تھی۔ وہ اس سے محبت کرتی تھی یہی کافی تھا اس کے لیے۔ وہ بہت خوب صورت باتیں کرتا تھا۔ اس کی آواز اس کا لب و لہجہ جیسے کوئی سحر تھا۔ وہ بولتا جاتا اور ایک سحر زیمیل حسان کے گرد پھیلتا جاتا۔ وہ چپ چاپ اس کی شکل دیکھتی رہتی۔

اس کی آنکھیں اتنی خوب صورت تھیں کہ زیمیل کا دل ڈوب ڈوب جاتا، وہ ہنستا تو زیمیل کو کائنات کی ہر شے ہنستی محسوس ہوتی۔ اس کے سیاہ گھنے گھونگر یا لے بال ایک خاص اشائل میں ماتھے پر پڑے رہتے۔ سرخ و سپید رنگت اور مضبوط جسم۔ زیمیل صرف اسے دیکھتی تھی، سنتی تھی۔ ان ہوشیار دنوں میں ایسا لگتا تھا جیسے زندگی ظفریاب احمد سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہوتی تھی۔ اس کے پاس بات کرنے کو ہر روز نیا موضوع ہوتا تھا۔ سیاست سے لے کر موسم تک وہ ہر بات اس قدر تفصیل سے ڈسکس کرتا کہ زیمیل اسے انسائیکلو پیڈیا کہنے پر مجبور ہوگئی۔ اس کی معلومات کا خزانہ



”ہاں چلو سوچتے ہیں۔“ زمین کو اللہ حافظ کہہ کر وہ تیار ہونے لگی۔ اسے کچھ شاپنگ کرنا تھیں۔ آج ظفریاب آؤٹ آف شٹی تھا۔ اس لیے شام کے چار گھنٹے کسی نہ کسی طرح تو بتانے ہی تھے۔ وہ اس کے ساتھ اتنا زیادہ وقت بتاتا تھا کہ اسے شک ہونے لگتا وہ کہیں بے روزگار تو نہیں اس قدر فراغت اور اطمینان تو فارغ مند کو ہی نصیب ہوتا ہے اور پھر اس دوران اس کی کبھی کوئی کال نہیں آئی تھی۔ وہ اسے بھرپور وقت دیتا تھا محبت بھرا وقت..... وہ اس پر..... اس کی محبت پر خود سے زیادہ انحصار کرنے لگی تھی۔ بڑے دنوں بعد اس نے خود سے شاپنگ کی تھی۔ اور زیادہ تر ظفریاب کے لیے۔ اس کی شرٹس، کف لنکس، ریفریوز ایک خوب صورت سا والٹ، ریسٹ وایج وہ خریدتی چلی جا رہی تھی۔

”انسان کا اسٹینڈرڈ اس کے اٹھنے بیٹھنے حتیٰ کہ بول چال اور کھانے پینے سے ظاہر ہوتا چاہیے۔ تم کوئی عام سی امیر لڑکی نہیں ہو۔ زیمیل حسان شہریار ہو۔ آدھے شہر کی لڑکیاں تمہارے لائف اسٹائل کی متنی ہوں گی اور تم اپنا اسٹینڈرڈ ان فٹ پاتھوں پر ضائع کرتی پھر رہی ہو۔ آج کے بعد میں دیکھوں نہیں ان تھرڈ کلاس ٹھیلوں پر خوار ہوتے۔“ وہ بول رہا تھا اور وہ اس کی ہر بات پر بلیک کہہ رہی تھی۔ واقعی وہ اپنا اسٹینڈرڈ کیوں خراب کرتی پھر رہی تھی۔ شام کے چار گھنٹے اس کے ساتھ گزارنے کے باوجود وہ رات گئے تک اس سے چیٹنگ کرتی۔ ایس ایم ایس بھیجتی اور جب وہ تھک کر اپنے سونے کا اعلان کرتا تو وہ اس کے سپنے پلکوں کے کنارے پر رکھے جانے کہاں کی سیر کر آتی۔ محبت زندگی کو کتنا اہم کتنا حسین بنادیتی ہے یہ اسے اب سمجھ میں آیا تھا۔ اس روز زمین کا فون آ گیا۔ ”کہاں غائب ہو یا رکھو کوئی رابطہ نہیں؟“ اس نے شکوہ کیا۔ ”بس۔“ وہ ہنس پڑی اور زمین کو اس کی خوب صورت ہنسی دکھائی دی تھی۔ وہ جب ہنستی تھی تو اس کی بڑی بڑی شہریتی آنکھوں میں کی سی تیرنے لگتی تھی۔ اور اس سے وہ اتنی پیاری لگتی تھی کہ زمین اسے دیکھتی رہ جاتی تھی اب بھی تصور کی آنکھ سے اس نے دیکھا تھا۔

”تم نے بتایا نہیں کہ..... شہانہ اور عون کی منگنی ہوگئی؟“ اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ وہ ایک لمحے کو چپ سی ہوگئی۔

”ہاں مجھے بھی دیر سے پتہ چلا۔ وہ بھی بائی چالس۔ ایٹی وے تم کہو تمہارا ٹیپو سلطان معرکے سے لوٹا کہ نہیں۔ بائی دا وسوہ کیا کرتا ہے کہو پتہ کرواؤں؟“ اس نے آنفر دی۔

”نو..... نو مجھے پتہ ہے کیا کرتا ہے کہاں ہوتا ہے؟ کیا ایکٹوٹیز چل رہی ہیں تمہاری؟ آؤ ٹنگ کا پروگرام بنالو۔ میرے پاس چلی آؤ۔ ذرا گاؤں کی لائف بھی انجوائے کرو۔ صاف شفاف، خوب صورت زندگی۔ تمہیں اچھا لگے گا بڑے مہمان نواز ہیں ہم گاؤں والے۔“ وہ اترائی۔

زویل نے ہاں میں ہاں ملائی۔ آئیڈیا برا نہیں تھا جابا  
جاسکتا تھا۔ لیکن مام اور ڈیڈ سے پریشن ملنا بے حد مشکل تھا۔ وہ  
اسے کبھی گاؤں نہ جانے دیتے پھر اکیلی۔











لکھوالو مجھ سے۔ (اتنا زعم اتنا یقین) وہ جو تمہاری طرف گیا ہے ناں تو محض اس لیے کہ اسے میں نے رجحیکٹ کیا ہے۔ میں نے منع کیا ہے اس کو شادی سے اور شاید بھی وہ تمہاری طرف آیا ورنہ تم کتنے پانی میں ہو۔ ہر لحاظ سے تم بہت اچھی طرح جانتی ہو۔ تم غرور کے جس پہاڑ پر کھڑی ہو ناں میری ایک فون کال تمہیں اتنا نیچے گرائے گی کہ اپنا نام و نشان ڈھونڈ نہیں پاؤ گی۔ کسی زعم میں مت رہنا۔ وہ صرف میری ضد میں تمہیں اپنا رہا ہے میں آج اسے کہوں پلٹ کر نہیں دیکھے گا تمہاری طرف۔“ اپنے دل کا بوجھ شانہ کے اوپر انڈیل کر وہ یہ جا وہ جا اور شانہ یوں بیٹھی تھی کہ کانٹو تو لہو نہیں۔

وہ تو اپنا آپ اس کے سامنے اہم بنانے چلی تھی اور زیمیل حسان پل بھر میں اس کو اس کی اوقات یاد دلا گئی تھی۔ واقعی تھا کیا اس کے پاس۔ جو عون اس کی محبت میں یوں دیوانہ وار مبتلا ہو گیا تھا۔ نہ شکل و صورت نہ اسٹینس نہ ذہانت کچھ بھی تو نہیں وہ تو زیمیل حسان کے مقابلے میں صفر تھی بالکل۔ اس کی خوش فہمی کا بت پاش پاش ہو گیا تھا زیمیل بری طرح ڈسٹرب ہو چکی تھی اس کا یہ دھیرہ نہیں تھا لیکن کبھی کبھار کچھ لوگوں کو آسمان سے زمین پر لانا ہی پڑتا ہے ورنہ وہ آپ کا جینا حرام کر دیں شانہ کا ذہنی معیار اس کے ماحول کا عکاس تھا اور اب اسے عون پر ترس آرہا تھا کہ اس نے اپنے لیے ایک غلط لڑکی کا انتخاب کر لیا تھا لیکن اس سارے میں وہ خود ہی ذمہ دار تھا اور پورے پندرہ دن بعد وہ آ گیا اسی کینے میں جہاں وہ روز بیٹھا کرتے تھے آج زیمیل کا دل بہت اداس تھا اور وہ یہاں چلی آئی تھی کافی کا آؤر دے کر وہ اس کے پرانے ایس ایم ایس پڑھ رہی تھی جب کہ بے حد ہسنگی سے وہ اس کے سامنے والی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا تھا کچھ لمحے وہ جان ہی نہ سکی۔ پھر مخصوص کولون کی خوشبو بر اس نے سر اٹھایا وہ سامنے تھا اسی طرح ہشاش بشاش ریڈ کلر کی نی شرٹ میں وہ بہت وجہ لگ رہا تھا زیمیل کی آنکھوں میں پچھلے پندرہ دن کی جدائی کی اذیت تھی دکھ تھا گلہ تھا اس نے دوبارہ نظریں نہیں اٹھائیں گویا ناراضگی کا تاثر تھا وہ بھی نظروں کا کھلاڑی تھا اپنی پرفسوں آنکھیں اس کے کولر چہرے پر جمائے بیٹھا رہا جب پیش اس کے رخساروں کو گرمانے لگی تو اس نے جھنجھلا کر موبائل نیل پر پینچ دیا۔

”کیوں کرتے ہو پچھوری حرکتیں؟“ وہ غصے سے بولی اس نے کچھ نہیں کہا اسی طرح بیٹھا رہا کھنی مونچھوں تلے

مسکراہٹ دبائے۔  
”اب کچھ پھونو گے بھی کہاں تھے اتنے دنوں سے۔“ اس کا غصہ اس کی خاموشی سے مزید بڑھا تھا۔  
”اور پلیز یہ مت کہنا آؤٹ آف شی بڑی تھا۔“ میں اچھی طرح جانتی ہوں تم اسی شہر میں تھے بس مجھ سے چھپ رہے تھے اور میرا تماشا دیکھ رہے تھے۔“ وہ پھری شیرنی لگ رہی تھی۔  
”نہیں میں یہاں نہیں تھا غصہ تھوک دو اور اٹھو کسی اچھی جگہ چل کر ڈنر کرتے ہیں۔“ وہ اس کے سارے گلے شکوے نظر انداز کر گیا تھا۔

”میں گھر جا رہی ہوں کھانا پکا ہوگا کھالوں گی۔“ اس نے نیل پر سے اپنا موبائل اور پرس اٹھایا اور کھڑی ہو گئی۔  
”بیٹھو کچھ دیر مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنا ہے۔“ اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ زیمیل نے سرعت سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑایا۔  
”مجھے کوئی بات نہیں سنی۔“ وہ منہ پھلا کر بولی گویا بیٹھنا چاہ رہی تھی لیکن انا۔

بس اک جھوٹی انا کے واسطے برباد ہو جانا خود کے زعم میں انسان کتنے دکھاٹھا تھا ہے اس نے اپنی جادو جگانی آنکھوں کا فائدہ اٹھایا اور ہمیشہ کی طرح زیمیل سب کچھ بھلا کر بیٹھ گئی وہ مسکرا دیا۔  
”میں اصل میں دیکھنا چاہ رہا تھا تم مجھے کتنا مس کرتی ہو کہیں تمہاری محبت.....“ اس نے بات اچھوری چھوڑ کر زیمیل کو دیکھا جو شکایتی نظروں سے اسے تنک رہی تھی۔

”میری محبت کو آزمانا مت ظفریاب۔ جان دے دوں گی اور لے بھی لوں گی تمہاری سمجھے۔“ آخری بات کرتے کرتے وہ زور سے ہنس پڑی وہ اس سے خفا رہی نہیں سکتی تھی بس غصہ آتا تھا جو کہ تھوڑی دیر میں ختم بھی ہو جاتا تھا اس شام وہ دیر تک اس کے ساتھ رہی اس نے اسے بہت اچھے ہوٹل میں ڈنر کروایا پھر اسے ایک بہت خوب صورت کرتا گفٹ کیا تب اسے بھی یاد آیا اس نے بھی ظفریاب کے لیے ڈھیروں شاپنگ کی تھی اگلے دن اسے ہاسٹل چلے جانا تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ وہ روز کیسے اس سے مل سکے گی اور شاید اس نے اس کی سوچ پڑھ لی۔

”دیک اینڈ پر جب تم گھر جاؤ گی تو بس ہفتہ اور اتوار۔“ اس نے آرام سے کہا۔



”میں گھر مہینوں بعد جاتی ہوں۔“ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

”تو کوئی بات نہیں مہینوں بعد مل لیا کریں گے“ وہ بھی شرارت سے ہنس اٹھے دن اس نے اس کے سارے کفٹنس اس تک پہنچائے اور ہاسٹل روانہ ہو گئی سیکنڈ ایئر فرسٹ ایئر کی نسبت بہت ہف تھا نیچر انیس پہلے ہی بتا چکی تھیں فرسٹ ایئر تو زیادہ تر مویج کرتے ہی گزرتا تھا اصل پڑھائی تو اب شروع ہونے والی تھی۔ پرابلم والی بات زیمیل کے لیے یہ تھی کہ اب ایچنگ اور فننگ بھی کرنا تھی اور وہ تو ان دونوں کاموں سے نا بلند تھی اسے تو سوئی تک پکڑنا نہیں آتی تھی کجا دھاگہ ڈالنا۔ لیکن فیشن ڈیزائن تمام مراحل سے گزرے بنا نہیں بنا جاسکتا تھا سوا ب اسے یہ سب سیکھنا ہی تھا۔

عون کی شادی میں دو روز ہی رہ گئے تھے ہمیشہ کی طرح سما اس کی ساری شاپنگ کر چکی تھیں ویسے بھی کپڑوں اور جوتوں کے معاملے میں وہ کانٹس نہیں تھی وہ مہندی کے فنکشن میں جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی مہندی کے لیے ممانے اس کے لیے شاکنگ پنک کا مدار غرارہ اور سلٹی رنگ کی شرٹ اور دوپٹہ بنوایا تھا خالص مشرقی انداز کے جھمکے اور لمبی چوٹی وہ ایک دم قیامت لگ رہی تھی کمرے سے نکلنے سے پہلے اس نے اسکاٹ پر ظفریاب سے بات کی اس ہفتے ملنا مشکل تھا اور بے چینی حد سے سوا۔

”مجھ غریب پر اتنا ظلم مت کرو۔“ اس نے سر اہتی نظروں سے زیمیل کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”اچھا..... اچھا زیادہ رومیو بننے کی ضرورت نہیں میں جا رہی ہوں۔“ وہ ہنس کر بولی۔

”بہت حسین ہو تم زیمیل۔“ اس کا لہجہ مہمبیر ہوا تھا زیمیل نے جلدی سے اللہ حافظ کہہ دیا۔ مجیداں بلانے آگئی تھی وہ اپنا دوپٹہ سنبھالتی باہر چلی آئی۔ مام اور ڈیڈ اس کا ہی انتظار کر رہے تھے۔ خزینہ مام سلوکیس سفید ساڑھی پہنے ہوئے تھیں کانوں اور گردن میں ڈائمنڈ کی جیولری کچھ بھی تھا خزینہ بھی پہن اوڑھ کر کم خوب صورت نہیں لگتی تھی فنکشن کبائٹ تھا عون نے ہی ایک بہت بڑے ہال میں فنکشن ارنج کیا تھا اس نے اپنے اسٹینڈرڈ کا بھرپور خیال رکھا تھا ہال میں انیٹر ہوتے ہی اس نے دیکھا شانہ اور اس کی فیملی پہلے ہی موجود تھی شانہ نے میو اور ریڈ کمبی نیشن کا کرتی گھاگرا پہن رکھا تھا کافی ٹھہری ٹھہری لگ رہی

تھی اس کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا کہ اس سے بات کرے لیکن پھر شبانہ کی ذہنیت کو دیکھتے ہوئے وہ اس کے پاس آگئی۔

”ہیلو کیسی ہو؟“ وہ تمام تر تلخیاں بھلا کر خوشدلی سے بولی۔

شانہ نے اس سے نظریں چرائی تھیں سامنے ہی لڑکیاں ڈھولک رکھے طبع آزمائی کر رہی تھیں اسی دم شبانہ کی بہنیں لورائی اسٹیج پر آئیں تو وہ ان کا تعارف کروانے لگی۔ زیمیل سب سے خوش دلی سے ملی بھی اس کی نظر عون پر پڑی۔ وہ لوگ اپنی گاڑی میں آئے تھے لورعون تاپا تانی کے ساتھ اپنی گاڑی میں تھا۔ باقی مہمان کونٹر میں تھے اتفاقاً وہ اس سے مل نہیں سکی تھی بلکہ اسے تو مہینوں ہو گئے تھے اس سے ملنے اس کی شکل دیکھے۔ وہ اٹھ کر عون کی طرف آگئی وہ سی گرین راسک کے کرتے میں ملبوس فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ کافی ہینڈسم لگ رہا تھا وہ تھوڑی دیر اس کے فارغ ہونے کے انتظار میں کھڑی رہی جب کہ وہ اس کو نظر انداز کرتا فون پر ہی بات کرتا ہال سے باہر نکل گیا۔ وہ بچھسی گئی گویا اس نے دوستی اور رشتہ داری سارے تعلق اس ایک تعلق کی خاطر ختم کر دیئے تھے وہ مایوسی سے پلٹ آئی شبانہ کی بہنیں اور شاید کزنز ڈھولک پیٹ پیٹ کر گارہی تھیں وہ آرام سے ایک طرف ٹک گئی۔

”بھائی کیا دیکھا آپ نے نہ شکل نہ خاندان میں تو سمجھی تھی عون جانے کس پر مر مٹا ہے دیکھیں ناں ان کا تو رہن بہن ہی بہت مختلف ہے ایک ایک انداز سے لگتا ہے کہ لور طبقہ سے بی لونگ کرتے ہیں۔“ یہ خزینہ مام تھیں جو تانی جان سے کہہ رہی تھیں۔ تانی اماں نے ایک نظر سامنے بیٹھی شبانہ پر ڈالی اور آہ بھر کر بولیں۔

”ہاں خزینہ سچ کہتی ہو لیکن میرے لیے عون کی زندگی اہم ہے وہ بہت نوٹ گیا ہے جانتی ہو۔ زیمیل نے جو کچھ اس کے ساتھ کیا اس کے بعد ہی اس نے فیصلہ کیا اچھا ہوا جلد سنبھل گیا۔ ورنہ جانے کیا کر جاتا۔ ویسے بھی جہاں مقدر تھے ہو گیا۔ رہی بات شبانہ کی تو جب ہمارے ساتھ رہے گی تو خود ہی ہمارے جیسی ہو جائے گی۔ آئیے رسم کرتے ہیں۔“ وہ خزینہ کو اپنے ساتھ لے گئیں اور زیمیل سناٹے میں رہ گئی تھی۔

”سب کچھ اس کے سر پر پڑ رہا تھا۔ عون اس کا ایک راز نہیں رکھ سکا تھا۔ اس کی دوستی اور محبت کے سب دعوے کتنے بڑے تھے۔ سب کی نظروں میں اسے گرا کر وہ اپنی انا کی تسکین کر رہا تھا اپنی مردانگی کی تسکین۔ تب ہی تو وہ اس سے بات



آئی۔ ”سچ یا راتنی بڑی خوشی کی خبر اور تم اب دس ہی ہو۔“ وہ سچ میں بہت خوش ہو رہی تھی۔

”ہو گیا پچھلے جمعے اسی لیے تو میں آئی نہیں تھی۔“ اس نے اب بھی اسی سکون سے بتایا۔

”یار..... تم تو یوں پوز کر رہی ہو جیسے کوئی کپڑا کوئی سینڈل خریدی ہو۔ ارے تمہارا نکاح ہو گیا اور وہ بھی اس بندے کے ساتھ جس کے لیے دن رات آہیں بھر بھر کے اس ڈربے کو تم نے سردخانہ بنا رکھا تھا۔ اور تم ذرا بھی ایکسا ٹینڈ نہیں ہو۔“

”یار کیسی ایکسا ٹینڈ۔ اس قدر منتوں کے بعد وہ اس نکاح پر راضی ہوا تھا۔ ماموں نے اس قدر منایا اس شہری بابو کو دمکی دے ڈالی۔ تب کہیں جا کر قابو آیا لیکن بہر حال یہ نیل منڈھے چڑھ ہی گئی۔“ آسوگی اور اطمینان اس کے چہرے کو جگمگا رہا تھا۔

”خوش رہو ہمیشہ.....“ زیمیل نے جھک کر اس کے چہرے پر پیار کیا اور اپنے بیڈ پر آ گئی۔ سوچنے کے لیے بہت کچھ تھا اور بے حد لمبی رات بھی۔ سو وہ آنکھیں موندے خیالوں کی وادی میں اترتی چلی گئی۔

وہ میوزک کی کلاس لے کر نکل رہی تھی رخ گراؤنڈ کی طرف تھا۔ آج وہ ہر حال میں اپنی ادھوری پینٹنگ مکمل کرنا چاہتی تھی۔ اگلے ہفتے کلچرل رنگ کے زیر اہتمام آرٹس کونسل میں ہونے والے ایگزپوشن میں اسے اپنی پینٹنگز بھیجنا تھیں اس کے ساتھ تھرڈ لیئر کی سرینہ بھی تھی جو ہینڈ میڈ چیزوں کا اسٹال لگا رہی تھی اسی نے اسے اکسایا تھا وہ اپنے کلرز اور بورڈ اٹھائے نسبتاً ویران گوشے میں آ گئی ایک خیالی لینڈ اسکیپ تھا جس پر وہ کئی دنوں سے کام کر رہی تھی بیک گراؤنڈ کسلٹ تھا لیکن جس اینگل سے وہ لڑکی کو پینٹ کرنا چاہ رہی تھی وہ نہیں ہو پارہی تھی۔

”ارے تم یہاں ہو میں سارا کالج چھان آئی۔“ دور سے آتی زمین نے ہاتھ ہلایا وہ بھی ہاتھ ہلا کر دوبارہ معصوف ہو گئی اسی دم بیک میں رکھے موبائل نے واہمہ یٹ کیا تھا اس نے نکال کر دیکھا ظفریاب کالنگ آ رہا تھا اس نے کاٹ دیا وہ کالج میں اس کا فون اٹینڈ نہیں کرتی تھی اور یہ بات اس نے ظفریاب کو سمجھائی تھی اور اس نے شروع کے ایک دوبار کے علاوہ دوبارہ ایسا بھی نہ کیا تھا آج ایسا کیا ہو گیا تھا جو وہ بار بار کال کر رہا تھا۔

”ظفر میں کال اٹینڈ نہیں کر سکتی۔“ اس نے میسج کر کے

کر رہا تھا اور نہ ہی نظر مل رہا تھا۔ رسم کے بعد مایوں کا ہلاگلا ہوتا رہا۔ وہ خاموشی سے ایک طرف بیٹھی رہی۔ حقیقتاً وہ بھی اب غصے میں تھی۔ عون شبانہ کے ساتھ بیٹھا بہت خوش دکھائی دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ شبانہ کی بہنوں کے ساتھ بہت لمبی مذاق چل رہا تھا۔ مام اور راتنی انماں اپنے مہمانوں کے ساتھ مصروف تھیں۔ وہ ایک بار بھی اٹھ کر شبانہ کے پاس نہیں گئی اب وہ جلد از جلد یہاں سے جانا چاہتی تھی۔ ڈھنگ سے کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ اس نے دیکھا عون شبانہ کو زبردستی کھلا رہا تھا پتہ نہیں کیا ہوا اس نے عون کو میسج کر دیا۔

”پانچ منٹ میری بات سن لو آ کر۔“ عون نے میسج پڑھ کر اس پر بڑی کاٹ دار نظر ڈالی اور پھر سے شبانہ کے ساتھ مصروف ہو گیا۔

اسے ایک بار پھر گہری شرمندگی نے آ گھیرا تھا۔ اور اس کے بعد اس نے وہی رویہ اپنایا جو عون نے اپنا رکھا تھا۔ بارات ولیمہ اس نے ایسے ہی اٹینڈ کیا جیسے کسی دوسری رشتہ دار لڑکی نے۔ شبانہ رخصت ہو کر عون کے گھر اور زندگی میں آ گئی۔ اور عون پر بشمول اس کے سب کے حقوق پر شبانہ نے مہر لگادی۔ وہ ہاسٹل سے واپس آئی تو زمین آچکی تھی۔

”کیسی رہی شبانہ اور تمہارے کزن کی شادی؟“ وہ الماری کھولے کھڑی تھی جب زمین نے پوچھا۔

”ہاں شادی.....“ وہ پلٹی۔ ”وہی جیسی سب شادیاں ہوتی ہیں۔“ شبانہ حد سے زیادہ مغرور لگ رہی تھی اور عون ضرورت سے زیادہ روڈ۔ چلو خوب گزرے گی جوتل بیٹھیں گے دیوانے دو۔“ اس نے ہنس کر سر جھٹکا۔

”اور تمہارا کینیڈا کا ٹور؟“ اب وہ بیڈ شیٹ چھینج کر رہی تھی۔

”وہ..... وہ بھی ٹھس ہو گیا۔ اچھا یہ لو میں نے خزانہ مام سے منگوائے تھے۔“ اس نے تین چار بیگز اور دو جوڑی سینڈلز اس کی طرف بڑھائے۔

”اوہ ریپلی تھینک یو۔“ اس نے فوراً تمام لیے۔ بیگز اور سینڈلز بہت خوب صورت تھے اور پھر وہ اور شبانہ تو اس کی انہی چیزوں سے متاثر تھیں۔ وہ دوبارہ سے الماری کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”میرا نکاح ہو گیا زیمیل۔“ زمین نے اتنے آرام سے بتایا وہ تو اچھل ہی پڑی۔

”کیا..... کیا کہہ رہی ہو؟“ وہ بھاگتی ہوئی اس کے بیڈ تک



فون ہی بند کرو یا زمین تب تک پاس پہنچ چکی تھی اور اسے فون پر الجھتا دیکھ رہی تھی اس کے ساتھ ماہ نور بھی تھی وہ ان کی ہاسٹل میٹ تھی اور ان کے سامنے والے کمرے میں رہتی تھی۔

”خیریت کس پر غصہ نکال رہی ہو؟“ بلا خر زمین نے پوچھ ہی لیا۔

”کچھ نہیں وہ ظفر.....“ وہ بولتے بولتے رک گئی شاید ماہ نور کی موجودگی کا خیال آ گیا ماہ نور دوسری جانب سے آ کر اس کی پینٹنگ دیکھنے لگی۔

”واؤ زیمل کتنے میں سیل کرو گی اسے؟“ وہ سہراہتی نظروں سے دیکھتی پوچھنے لگی۔

”پچیس سے تیس ہزار میں۔“

”کیا.....؟“ زمین اور ماہ نور کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

”کم ہے؟“ وہ بے نیازی سے پوچھنے لگی۔

”کم نہیں بہت کم لاکھ دو لاکھ تو لگاؤ غضب خدا کا تم کیا صادق بن گئی ہو یا گل جی؟“ زمین نے کہا تو وہ ہنس دی۔

”نہیں پیلو پکاسو۔ اچھا سناؤ کیا حال ہے تمہارے منگیتر کا۔ اور شبانہ کب واپس آ رہی ہے؟“ اس نے سامان سمیٹنا شروع کر دیا اب تسلسل نہیں بننا تھا۔

”بات ہوئی تھی شبانہ ہاسٹل چھوڑ رہی ہے سنڈے کو آئے گی اپنا سامان لینے بھی اب اسے یہاں رہنے کی ضرورت نہیں ہے یہ لمبی گاڑی اور باوردی شوفر۔“

”شو فر یا شو ہر؟“ ماہ نور بات کاٹ کر ہنسی۔

”ایک ہی بات ہے۔“ دونوں نے اس کا ساتھ دیا تھا۔

ہاسٹل آ کر اس کا ارادہ سونے کا تھا لیکن پھر ظفریاب کی کال یاد آ گئی تو اس نے اس کا نمبر ملایا۔

”ہیلو.....“ کافی دیر بعد اس نے کال ریسو کی موڈ آف تھا۔

”یار وہ میں..... بتایا تو تھا کالج میں فون اٹینڈ نہیں کر سکتی۔“ اس نے صفائی پیش کی۔

”فون کیوں کیا ہے یہ بتاؤ؟“ وہ رکھائی سے بولا۔

”ہیں..... ہیں..... ہیں۔“ وہ چلائی۔

”میں نے کال بیک کی ہے۔ مسٹر آپ کا ہی فون آیا تھا

عالباب؟“ اس نے یاد دلایا۔

”نہیں آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔“ اس نے ٹھک سے فون

بند کر دیا وہ تھلا آئی۔

”اس کا دماغ زیادہ ہی خراب ہونے لگا ہے خود ہی کرے گا کال ہونہ۔“ اس نے موبائل پر بے پھینکا اور لمبی تان کر سو گئی۔ اگلے دو دن نہ تو ظفریاب کا فون آیا اور نہ ہی ضد میں آ کر اس نے کیا۔ پھر وہ اپنی ایگزیکٹوشن میں مصروف ہو گئی اس کی شرکت کا انتظام عہدہ مام نے کیا تھا وہ خود اس ایگزیکٹوشن کی کرتا دھرتا تھیں عہدہ مام بھی جانے کیا کیا کرتی تھیں اس نے بھی غور کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی بس انہوں نے کالج کے ذریعے زیمل کی شرکت ممکن بنادی تھی اور اس کو خبر تک نہ ہونے دی تھی وہ ابھی تک یہی سمجھ رہی تھی کہ اس کا سلیکشن میڈم عظمیٰ نے اس کی قابلیت کو دیکھ کر کیا ہے وہ ظفریاب سے رابطہ کرنا چاہتی تھی لیکن اس کی خاموشی نے زیمل کو بھی طیش دلایا تھا۔

ایگزیکٹوشن دیکھنے خرینہ بھی آئی تھیں لیکن تھوڑی دیر کے لیے۔ انہیں اس سب سے ذرا بھر دلچسپی نہیں تھی وہ تو بس اگلے دن کے نیوز پیپر میں اپنی تصویر چھپوانا چاہتی تھی سو وہ کام ہو گیا تھا اس کے اسٹال پر رک کر انہوں نے بیسٹ و شزدی تھیں عفر ا کاشی اور زونیرہ نے مل کر ایک ہی اسٹال لگایا تھا اور وہاں گھریلو دستکاری کی چیزیں رکھی تھیں یہ ساری چیزیں انہوں نے ماؤں کے پرانے سامان سے نکالی تھیں کچھ نالی دادی کے پرانے صندوق سے۔ چنگیریں مٹی کے نقش و نگار والے ڈیکوریشن پیمز ہینڈ میڈ اور بہت کچھ ساتھ والے اسٹال پر۔ بمبیشن جیولری مینگے داموں فروخت ہو رہی تھی اس کا اندازہ زیمل کو اس ٹیکس کو دیکھ کر ہوا جو اس نے پچھلے ماہ صرف پانچ سو روپے میں خریدا تھا اور یہاں وہ پانچ ہزار میں مل رہا تھا۔

ہائی سینٹری جھتی بھی ہزاروں لاکھوں سے ہی تو اسٹینڈرڈ اور اسٹینڈس شو ہوتا تھا وہ عفر اسے کچھ بات کر رہی تھی جب اس کی نظر انٹرنس پر پڑی۔ بلو اور گرین چیک دار ہاف سیلو شرٹ اور جینز میں وہ بلاشبہ ظفریاب ہی تھا وہ کئی ٹاپے کھڑی رہ گئی اتنے دنوں کی ناراضگی نے کیسی لنگھی پیدا کر دی تھی ان کے رشتے میں۔ اور اسے اب احساس ہوا تھا جیسے گزرنے والے دن تو زندگی تھے ہی نہیں اور اتنے دنوں بعد اسے یوں سامنے دیکھ کر دھڑکنیں کچھ دیر کو کھم سی گئی تھیں اور پھر جیسے عفر کی آواز نے چونکا یا۔

”یہ تمہاری پینٹنگ کے بارے میں پوچھ رہے ہیں؟“ اس نے پاس کھڑے ایک صاحب کی طرف اشارہ کیا اس نے دیکھا اور پھر عفر کے ذمہ ڈالتی وہ بھاگ کر اس کی طرف آ گئی



جہاں وہ اسے ابھی دکھا تھا ہجوم تھا وہ کہیں آگے بڑھ گیا تھا یا نہیں وہ بھی اسے ہی دھوڑ رہا ہوگا یقیناً وہ اس کے لیے ہی آیا تھا اسے سر پر اندر دینے۔ وہ جلدی سے واپس مڑی تاکہ خود جا کر اس کے سامنے کھڑی ہو جائے اتنے دنوں کی خود ساختہ ناراضگی ختم کر دے وہ ہجوم کو پرے ہٹاتی آگے بڑھتی چلی گئی سارے اسٹانڈ دیکھ لیے پیچھے تک ہوائی لیکن وہ تو جیسے عائب ہی ہو گیا تھا وہ واپس اپنے اسٹال پر آئی تاکہ بیگ میں سے اپنا موبائل لے کر اسے کال کر سکے وہ صاحب جو پینٹنگ خریدنا چاہ رہے تھے ابھی تک وہیں کھڑے تھے۔

”وینٹنگ فار یو۔“ عفرانے سرگوشی کی اس نے توجہ نہیں کی جب کہ وہ صاحب اس کی تعریف میں رطب اللسان ہو چکے تھے۔

”محترم آپ شاید میری پینٹنگ۔“ اس نے توجہ دلانا چاہی۔

”آپ کے خوب صورت ہاتھوں سے بنی ہے خوب صورت ہی ہوگی۔“ ان صاحب نے چمچور پن کی انتہا کر دی اس کا پارہ آسمان پر چڑھ گیا۔

”اصل میں.....“ وہ تھوڑا سا آگے جھکی۔

”اس وقت میرا جی چاہ رہا ہے کہ میں یہی پینٹنگ آپ کے سر پر مار کر آپ کا سر توڑ دوں مگر وہ کیا ہے کہ مجھے ابھی کسی کو ڈھونڈنے جانا ہے لیکن بے فکر رہیے میں ابھی سیکورٹی کو بھجواتی ہوں آپ کا ٹھکر پن وہی پورا کریں گے۔“ وہ دانت پیستی موبائل پر ظفریاب کا نمبر ملائی وہاں سے ہٹ گئی ان صاحب نے کھپا کر عفران کو دیکھا جس کو ہنسی کنٹرول کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

”کچھ بھی ہے آپ کی دوست واقعی میں قیامت ہیں۔“ اس نے جاتے جاتے بھی دل کے ارمان نکال ہی لیے تھے اور عفران اور زونیرہ کا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا تھا۔ اس کا تو دماغ ہی الٹ گیا تھا جب ظفریاب نے اس کے فون کے جواب میں کہا تھا وہ اس وقت دہلی میں ہے کسی کام کی وجہ سے۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا تھا اور بصارت پر شبہ ہوا تھا وہ ظفریاب کے معاملے میں دھوکہ نہیں کھا سکتی تھی وہ لاکھوں ہزاروں کے ہجوم میں بھی سب سے نمایاں ہوتا تھا اور وہ اسے پہچان سکتی تھی۔

”ظفریاب میں نے تمہیں ابھی یہاں ایگزٹیشن میں دیکھا ہے میری نظریں دھوکہ نہیں کھا سکتیں۔ تم ظفریاب تم مجھے

بیار ہے ہو اور میں جانتی ہوں تم ابھی تک اس روز والی بات پر خفا ہو بھی تم مجھ سے کھٹک بھی نہیں کر رہے اتنی بڑی بات تو نہیں یہ پھر کیوں تم مجھ سے اس طرح لی ہو کر کے دھکی کر رہے ہو۔ تم جانتے ہو ناں تم میرے لیے کتنے اہم ہو۔ پلیز ظفریاب یوں چیٹ مت کرو مجھے۔“ جانے کیا ہوا اس کی آواز بھرا گئی وہ اس کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی لیکن اس کی محبت تڑپ اٹھی تھی کیا تھی اس کی غلطی جو وہ یوں بے اعتنائی برت رہا تھا۔

”دیکھو زیمل حسان.....“ وہ بولا تو اس قدر بے گانگی لیے کہ اس کا دل بری طرح دھڑک اٹھا۔

”میں تمہارے لیے کیا ہوں یہ تمہارا مسئلہ ہے مجھے کوئی ضرورت نہیں تمہیں چیٹ کرنے کی۔ کیوں کہ تم میرے لیے اتنی اہم ہو ہی نہیں۔ میں جہاں ہوں وہاں لوگوں کا آنا جانا میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا میری زندگی کی اپنی ترجیحات ہیں اور ویسے بھی لڑکی جوتے اور کلون میں تین ماہ بعد بدل لیا کرتا ہوں۔ سو مجبوری ہے بائے۔“ ظفریاب کی باتیں نہیں بلکہ پگھلا ہوا سیمسہ تھا اسے لگا اس کی سماعتیں اور بصارتیں حتیٰ کہ اس کا پورا وجود مفلوج ہو گیا تھا ظفریاب نے اسے جیسے کسی گہری کھائی میں دھکا دے دیا تھا اونچائی سے نیچے گرنے کا شور اس قدر تھا کہ وہ کچھ بھی سمجھ نہ پا رہی تھی ہر سواندھیرا تھا اور شور میں لڑکی جوتے اور کلون تین ماہ بعد بدل لیا کرتا ہوں تین ماہ بعد..... اس نے آنکھیں میچے میچے دن گن لیے تھے تین ماہ پورے ہو چکے تھے اور ظفریاب اسے بدل چکا تھا۔

آئینہ تھا کہ میرا پیکر تھا  
تیری باتوں سے ابھی بکھرا ہے  
آنکھ کس لفظ پر بھرا آئی ہے  
کون سی بات سے دل ٹوٹا ہے

اسے کتنے دن ہو گئے تھے دنیا و مافیہا سے بے خبر پڑے۔ کھڑکی کے اس پار کتنے دن اور کتنی راتیں بیت گئی تھیں اسے کچھ پتہ نہ تھا اسے تو اپنا سارا وجود ٹکڑوں میں بنا محسوس ہوتا تھا نارسائی کا جو پتھر اس کے پندار کو لگا تھا وہ اسے اندر تک چکنا چور کر گیا تھا وہ جب بھی آنکھ کھولتی اس کی سماعتوں میں اس ہرجائی کا جملہ گونجنے لگتا۔ لڑکی جوتے اور کلون..... اس نے زیمل حسان کو جوتے برابر جانا تھا وہ جو کسی کو خاطر میں نہ لاتی تھی کتنے لوگ اس کی دوستی کی خواہش میں میرے چلے جاتے تھے وہ زیمل حسان یوں بے وقعت ہوئی تھی کہ اپنے آپ



URDU SOFT BOOKS

DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

*freedom to live happily!*



**Freedom**<sup>®</sup>

**Freedom**  
STICK ON

**Freedom**  
STICK ON  
16  
FEMININE  
HAPPINESS



A-17/B, S.I.T.E Karachi-75700, Pakistan. Ph: 2560911-13, Fax #: (92-21) 2562570-2560911, e-mail: [freedomhnp@yahoo.com](mailto:freedomhnp@yahoo.com)

KNACK

DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

URDUSOFTBOOKS.COM

URDUSOFTBOOKS.COM

URDU SOFT BOOKS







طرح کی لیلیٰ مجنوں والی محبت کرتا ہے تم نے تو کمال ہی کر دیا یوں پڑی ہو جیسے دنیا بس اسی پر ختم ہو گئی ہو۔“

”ہاں۔“ اس نے آہ بھری۔ زیمیل اٹھ بیٹھی اور لب بھینچے اس کی بکواس بن رہی تھی شبانہ نے سلسلہ کلام جاری رکھا۔

”بس ایسا ہی ہوتا ہے محبت میں تم بھی اب کیا کرو لیکن وہ کیا ہے ناں مکافات عمل۔ تم نے عون کی محبت کو لات ماری اور ظفریاب نے تمہاری محبت کو..... ہا ہائے بے چاری.....

محبت۔“ اس نے چہرے پر افسردگی طاری کرتے ہوئے زیمیل کے اوپر طنز کے تیر چلا دیئے وہ اس قدر گھٹیا تھی تو نہیں پھر کیوں عون سے شادی کرتے ہی اس کی ٹون ہی بدل گئی تھی اسے ہر بندہ لوز کیریکٹر نظر آتا تھا اور ہر لڑکی دوسروں کا حق چھین لینے والی۔

”کہہ لیا اب جاؤ۔“ اس نے منہ پھیرا۔

”ہاں..... ہاں جا رہی تھی..... میں تو تمہیں یہ بتانے آئی تھی کہ میں اور عون اگلے مہینے ورلڈ ٹور پر جا رہے ہیں میں تو تمہاری احسان مند ہوں سچ اگر تم عون کو نہ چھوڑتیں تو عون مجھے کبھی نہ ملتا اپنی دے چلوں گی۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر ایک دم جیسے کچھ یاد آیا۔

”اور ہاں وہ اپنی زمین سے ناں آج کل فیس بک پر کسی سے دوستی بڑھا رہی ہے اور عین ممکن ہے وہ اپنے اس نام نہاد ہزبینڈ کو بائے بائے کر دے۔ پوچھ کر دیکھنا تمہیں بتا دے گی بڑی کلوز فرینڈ شپ ہے ناں تمہاری۔“ آخری جملہ اس نے طنز یہ کیا تھا اسے زمین یا شبانہ دونوں کے فہم ز سے کوئی دلچسپی نہیں تھی بلکہ گزرے دنوں میں اس نے خود کو کمپوز کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی سب صحیح کہتے تھے ایک بے وفا کی خاطر یہ جنون کب تک سوار رکھتی جو اسے بھلا چکا تھا اسے بھی بھول جانا چاہئے تھا بلکہ دل سے کھرج دینا چاہئے تھا اور شبانہ کی باتوں نے تو جیسے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا وہ ابھی اور کمرے میں لگے دیوار گیر آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی وہ خود سے پہچانی ہی نہ گئی تھی وہ تو سچ سچ اس شخص کے جوگ میں پڑ گئی تھی۔

چہرہ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے اس نے اپنے ہاتھ دیکھے اپنے کپڑوں پر نظر ڈالی۔

”ماما.....“ ایک دم سے اس کے منہ سے نکلا تھا آج اسے عمیمہ مام کی یاد آئی تھی اگر وہ اس کے پاس ہوتیں تو دکھ کی اس کھڑی میں اسے تنہا نہ چھوڑتیں اس کی غمگساری کرتیں اسے

پیار سے بہلاتیں لیکن یوں کمرہ نشین نہ ہونے دیتیں۔ خزی نہ تو اس کے کمرے تک آئی ہی نہیں تھی۔ ڈیڈ البتہ جب بھی لوٹے اس کے پاس بیٹھے رہتے اس کو سنبھلنے کی تلقین کرتے رہتے لیکن ماں اور باپ میں فرق تو ہوتا ہے ناں ماں بیٹی کی تکلیف کو خود بخود سمجھتی ہے اس پر اپنے پیار کا سایہ کھتی ہے جب کہ باپ کو بتانا پڑتا ہے اور بہت کچھ باپ سے سیر بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اس کا دل چاہا ماں سے بات کرے لیکن اس سے پہلے اسے اپنا حلیہ ٹھیک کرنا تھا کچھ سوچ کر وہ باہر لان میں آ گئی اتنے دنوں بعد کمرے سے باہر نکلی تھی سب کچھ عجیب سا لگا۔ وہ تھوڑی دیر کھڑی رہی پھر دونوں پاؤں پھیلا کر کھڑی ہو گئی درمیان میں قریب ڈیڑھ فٹ کا فاصلہ تھا کندھے پیچھے رکھتے ہوئے تھوڑی اوپر اٹھا کر آسمان پر نظریں جما کر ایک گہرا سانس لیا پھر سانس کو روک کر پھر دوبارہ ایسا کیا اور بولی۔

”اے اللہ مجھے طاقت عطا کر بے شک تو مجھے طاقت عطا کرتا ہے اور میں طاقتور ہوں۔“ کہہ کر وہ کچھ ٹاپے یونہی کھڑی رہی اور پھر ایک گہرا سانس لے کر خود کو ڈھیلے چھوڑ دیا۔ اسے اپنا آپ ہلکا ہلکا محسوس ہوا تھا یہ ایک خاص ڈرل تھی جو اسی مقصد کے لیے تھی اور یہ اسے ظفریاب نے ہی بتائی تھی وہ جب بھی ڈرپریس ہوتا تھا اسی طرح کرتا تھا جب زیمیل نے اسے بتایا تھا کہ وہ ڈرپریس میں سارا کمرہ پھیلا کر سوئی رہتی ہے تو اس نے یہ ڈرل اسے کر کے دکھائی تھی اور کہا تھا کہ آئندہ سونے کی بجائے وہ یہ کر کے دیکھ لے بہت اچھا محسوس ہوگا اور اس کی بات سچ تھی کچھ دیر پہلے کے تمام منفی خیالات اس کے ذہن میں مدہم ہونے لگے تھے وہ زندگی کو جینے کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔

عمیمہ اسے یوں اپنے سامنے دیکھ کر خوشی سے گنگ ہی تو ہو گئی تھی۔

”تم مجھ سے ملنے آئی ہو ڈارلنگ۔“ انہوں نے اس کے گال کو ہولے سے چھوا کرے میں نیل انمیل کی تازہ تازہ خوشبو رچی تھی اور مام اپنے تراشیدہ خوب صورت ناخنوں پر ہولے ہولے پھونکیں مار رہی تھیں اسے بیٹھنے کا کہہ کر انٹرکام پر ملازمہ کو ہدایت دینے لگیں اس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے ارد گرد کا جائزہ لیا وہ ایک پرعیش بیوی لاؤنج تھا جس کی ایک ایک چیز امارت کا منہ بولتا ثبوت تھی مام ڈیڈ سے الگ تھیں انہیں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا وہ شاید الگ رہ کر زیادہ اچھی



زندگی گزار رہی تھیں۔

”شہریار نے کہیں بھیج کیسے دیا؟“ ان کے بولنے سے اس کے خیالات کا تسلسل ٹوٹا۔

”میں نے ان سے کہا میں چند دن آپ کے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں انہوں نے بھیج دیا۔“ وہ ہولے سے بولی ملازمہ جو اس کے لوازمات لے آئی اور اب سرور کردہ تھی اس نے صرف جوس لیا۔

”گڈ اچھا کیا۔“ پھر ملازمہ کی طرف متوجہ ہوئیں۔

”میرے ساتھ والا بیڈ روم صاف کروا کے سیٹ کروا دو بی بی کے لیے کسی چیز کی کمی نہیں ہونی چاہئے۔“

”جی بہتر۔“ وہ سر ہلاتی چلی گئی پھر وہ اس سے ہلکی پھلکی باتیں کرتی رہیں انہوں نے اپنی آج کی تمام مصروفیات ترک کر دی تھیں سچ پر بہت اہتمام تھا انہوں نے سب کچھ اس کی پسند کا بنوایا تھا وہ تو بھی ماسے کی بھی نہیں تھی پھر وہ کیسے اس کی پسند ناپسند جان گئی تھیں بہت چھوٹی تھی وہ جب مام اور ڈیڈ میں علیحدگی ہوئی تھی کیوں ہوئی نہ اس نے جاننے کی کوشش کی نہ کسی نے بتانے کی۔

وہ گورنس کے زیر سایہ ملی تھی خزینہ نے بھی کبھی سوتیلی ماؤں والا سلوک روا نہ رکھا تھا لیکن ماں تو پھر اپنی ہوتی ہے ناں اور اس رات وہ دیر تک عیسے کی گود میں سر رکھے ان کی باتیں سنتی رہی تھی جس میں ایک یہ بات بھی بتائی تھی انہوں نے کہ ان کی علیحدگی خزینہ کی وجہ سے ہوئی تھی انہوں نے مام کے ہوتے ہوئے اس سیکرٹری خزینہ سے شادی کر لی تھی اور مام یہ سب کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتی تھیں انہوں نے چپ چاپ علیحدہ ہو جانے کا فیصلہ کر لیا تھا ڈیڈ نے زیمیل کو اپنے پاس رکھنا چاہا تو انہوں نے خاموشی سے وہ حق بھی چھوڑ دیا اس کے جی میں آیا پوچھے مام کوئی اپنی اولاد بھی چھوڑتا ہے لیکن پوچھ نہ سکی مام اسے بھرپور وقت دے رہی تھی کبھی شاپنگ پر لے کر جا رہی تھیں کبھی ڈنر کبھی لंच کبھی لانگ ڈرائیو یہ دن اس کی زندگی کو کافی حد تک بدل رہے تھے اس پر جب بھی قنوطیت چھانے لگتی وہ کھلی فضا میں آ کر ظفریاب کا بتایا ہوا ڈرل کرنے لگتی۔ اسے یہاں آئے پندرہ دن ہو گئے تھے ڈیڈ کا دو چار بار فون آچکا تھا لیکن اس نے فی الحال واپس آنے سے منع کر دیا تھا اس کا یہاں دل لگ گیا تھا اس گھر واپس جانے کا سوچ کر اسے تنہائی اور وحشت کا خیال ستانے لگتا۔ زمین کا فون آیا تھا کالج جوائن کرنے کے بارے

میں پوچھ رہی تھی اور اس نے فی الحال اسے بھی نہ ہی کی تھی ویسے بھی وہ سوچ رہی تھی کوئی اور کالج جوائن کر لے اور عیسے نے اسے شہر کے مہنگے ترین کالج کی راہ دکھا بھی دی تھی۔

”شہریار فورڈ کرتا ہے اگر ڈیزائننگ ہی پڑھنا ہے تو اچھے اسٹی ٹیوٹ سے پڑھو۔ ڈگری پڑاچھے ادارے کا نام بڑا کاؤنٹ کرتا ہے۔“ اور چونکہ آج کل مام کے زیر اثر تھی اس لیے کچھ کچھ ذہن بتا رہی تھی مام کو ایک کام کے سلسلے میں اسلام آباد جانا تھا اور وہ اسے بھی ساتھ لے جانے پر مصر تھیں۔

”نہیں مام۔“ اس نے منع کیا۔ ”میں گھر میں رہنا چاہتی ہوں پھر ایک دن کی تو بات ہے کل آپ آ ہی جائیں گی۔“

”مائی ڈیر مجھے ایک دن سے زیادہ بھی لگ سکتا ہے تم اکیلی اھر کیا کرو گی؟“ وہ اس کے اکیلے رہ جانے کے خیال سے پریشان تھیں۔

”تو پھر میں واپس چلی جاتی ہوں جب آپ آئیں گی تو میں دوبارہ آ جاؤں گی۔“ وہ بھی مام اس کو اکیلے چھوڑنے پر ہچکچا رہی تھیں۔

”نہیں..... نہیں ٹھیک ہے بس میں نوری کو سمجھا دوں گی تم جیسے ریلیکس لیل کرو۔“ وہ جیسے اس کے چلے جانے کا سن کر پریشان سی ہو گئیں۔ اور یہ اس نے مام کے جانے کے بعد سوچا کہ اچھا تھا وہ ان کے ساتھ چلی جاتی اب پہاڑ سا وقت کاٹے نہیں کٹ رہا تھا مام اسے سارا دن اس قدر مصروف رکھتیں کہ وہ اپنے دکھ کے بارے میں زیادہ سوچ ہی نہ سکی۔ کبھی خیال آتا بھی تو سر جھٹک کر مام کی طرف متوجہ ہو جاتی لیکن اب اسے لگا وہ ایک دم فارغ ہو گئی ہے کتنی دیر بیٹھی وہ چینل بدلتی رہی کہیں کچھ بھی اچھا نہیں آ رہا تھا سارے ایک سے ڈرامے ایک سی کہانیاں وہ بور ہو کر اٹھ گئی پھر اس نے سوچا باہر لان کا چکر لگا آئے اور ابھی اس نے لاؤنج کا دروازہ پار کیا ہی تھا کہ عبدال آ گیا۔

”بی بی اس وقت باہر مت جائیں خطرہ ہوتا ہے۔“

”ہیں خطرہ؟“ اس نے حیرت سے عبدال کی شکل دیکھی۔

”کس بات کا خطرہ چاہا۔“

”بیگم صاحب نے منع فرمایا ہے جی۔ سو جن سو دشمن اور خیر سے اب تو وہ گھر پر موجود بھی نہیں سختی سے تاکید کی ہے جی انہوں نے کہ جو مرضی ہو آپ گھر سے باہر قدم نہ نکالیں۔“

”مطلب میں نے اگر گھر سے باہر مارکیٹ وغیرہ جانا ہو تو

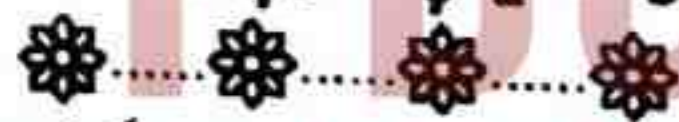


بھی نہیں؟

”جی حکم ہے بی بی جی کا ہم مجبور ہیں۔“ وہ دونوں ہاتھ باندھے سر کو جھکائے کھڑا تھا اسے غصہ تو بہت آیا مگر پی گئی دوسرے لفظوں میں مام اسے قید کر کے گئی تھیں لیکن کیوں..... انہیں کس سے خطرہ تھا؟ وہ ضبط کرتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی لیکن پھر کچھ سوچ کر وہ مام کی لائبریری کی طرف آ گئی ان کے پاس وسیع کلیکشن تھی اردو انگریزی ادب کی اس نے چند کتابیں سلیکٹ کیں اور باہر نکلنے کو بھی کہ ٹھنک کر رک گئی اسے اپنی بصارت پر شبہ ہوا تھا وہ دھیمے دھیمے چلتے کھڑکی کے پاس آ گئی اور پھر کارزریک پر رکھے اس فریم کو اٹھالیا جس میں مگی تصویر نے نہ صرف اسے شدید حیرت میں مبتلا کیا تھا بلکہ اس کے زخموں کے نیچے بھی ادھیڑ ڈالے تھے تصویر میں مام اور ظفریاب تھے وہ تصویر کو دیکھے جارہی تھی مام اور ظفریاب بے یقینی سے بیٹھی اس تصویر کو دیکھے جارہی تھی مام اور ظفریاب جس طرح کھڑے تھے اس سے لگتا تھا وہ دونوں ایک دوسرے سے اجنبی نہیں بلکہ کسی تعلق میں بندھے ہیں شاید کسی فنکشن کی تصویر تھی مام اور ظفریاب کے پیچھے کچھ اور لوگ بھی تھے جو نمایاں نہیں تھے دونوں ایک طرف دیکھ کر ہنس رہے تھے اور زیمیل نے دیکھا ہنستے ہوئے اس کی آنکھیں بھی ہنس رہی تھیں اتنی شفاف آنکھوں والا شخص دھوکے باز کیسے ہو سکتا تھا اس کی ذہنی رو پھر بھٹکی اس نے سر جھٹک دیا مام سے اس شخص کا کیا تعلق تھا یہ تو مام ہی بتا سکتی تھیں لیکن یہ تھا کہ اس تصویر نے اس کے ضبط کے سارے بندھن توڑ دیئے تھے وہ چھوٹ کا ظالم شخص تن کر اس کے سامنے کھڑا ہوا تھا اور پوچھ رہا تھا۔

”کب بھولی ہو تم مجھے؟ اپنی آنکھوں میں دیکھو جھانکو اپنے دل میں ہر جگہ میں ہوں اور تم بھول بھی کیسے ہو میں تو لہو بن کر تمہارے اندر دوڑتا ہوں ناں یہی کہا تھا ناں تم نے۔“ وہ بے اختیاری میں سر ہلاتی رہی اس کی آنکھوں سے ساون بھاؤں جاری ہو گیا تھا۔

”تم نے بہت غلط کیا ظفر..... بہت غلط..... میری محبت کے ساتھ میرے دل کے ساتھ۔ میرے جذبات کے ساتھ۔“ وہ رونے لگی۔ روتی رہی یہاں تک کہ اس کی آنکھ لگ گئی تھی یوں کہ وہ تصویر اس کے سینے پر اوندمی پڑی تھی۔



ٹیپو جب گاؤں سے شہر پڑھنے آیا تو اس کی میس بھی نہیں

بھگی تھیں ان کے گاؤں سے ابھی تک بنیادی سہولتیں کو سول دور تھیں لڑکیوں کا اسکول مڈل تک اور لڑکوں کا اسکول دسویں جماعت تک تھا چوہدری صداقت کا خواب تھا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو پڑھا لکھا کر بہت بڑا افسر بنائیں اور ان کے دن بدلیں میسٹرک کے بعد اس نے کالج کا رخ کیا چوہدری صداقت کے دوست کے توسط سے ایک اچھے کالج میں داخل ہو گیا اور یوں ٹیپو شہری بابو بننے کی پہلی سیڑھی چڑھ گیا گاؤں میں باپ جو کہ اب صرف مام کا چوہدری تھا ساری زمین رہن رکھوا چکا تھا ایک پھوپھی جو کہ اپنے چچا زاد سے بیاہی تھی اور اس کے جینٹھ کی بیٹی سے دو سال پہلے اس کی ممکنہ کردی گئی تھی وہ بچپن کے طے کے رشتے سے خائف تھا زندگی گزارنے کے لیے اس نے بہت کچھ سوچ رکھا تھا اور اس میں وہ بچپن کی ممکنہ کہیں فٹ نہیں آتی تھی اس نے بھی اس لڑکی کو ریسپانس دیا تھا نہ ہی کبھی گھر والوں کو کہہ اس رشتے سے خوش ہے۔

شہر کی زندگی اس سیدھے سادھے ٹیپو کے لیے قطعاً مختلف تھی لیکن وہ جلد ہی شہری ماحول میں رنگ گیا تھا اس کے دوستوں نے بہت جلد اسے اٹھنے بیٹھنے کا سلیقہ سکھا دیا تھا اب وہ شلوار قمیص کے بجائے جینز شرٹ پہننے لگا تھا تیل میں چڑے پال جدید میسر اسٹائل میں بدل گئے تھے یہی وجہ تھی جب وہ تین ماہ بعد واپس گاؤں گیا تو سب کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

”ہاہائے پتر.....“ نذیراں نے اپنی ڈھلکتی چادر دوبارہ سر پر جھاتے ہوئے اسے دیکھا۔

”تیرے تے بڑی چھیتی شہر دارنگ چڑھ گیا توں تے پورے دا پورا ای بدل گئیوں۔“ (تم پر بہت جلدی شہر کا رنگ چڑھ گیا مکمل بدل گئے ہو)

”بس اماں جیسا دیس ویسا بھیس۔“ وہ ہنستا ہوا ماں سے لپٹ گیا پھر پھوپھی بشری ملنے آئی تو وہ الگ حیران بلکہ پریشان زیادہ ہوئی اسے فکر لاحق ہوئی کہ یہ شہری بابو اس کی سیدھی سادھی بھینجی سے وہاں بھی کرے گا کہ نہیں۔ پر بھر جانی اور بھرانے بڑی تسلی دی لیکن ایک ڈر جو اس کے دل میں سانپ کی طرح کنڈلی مار کے بیٹھ گیا تھا جانتی تھی ضرور ڈنک مارے گا اور سب کچھ زہریلا کر دے گا۔ اور اپنے اندر پھن اٹھاتے اس ناگ کو دبانے کے لیے وہ جب بھی شہر سے آتا وہ ایک ہی بات لیے آ موجود ہوتی۔



”چل فیئر ٹیپسن تیراویاہ کرے۔“ (چلو ٹیپو تمہاری شادی کر دیتے ہیں) اور وہ کانوں کو ہاتھ لگاتا۔

”نہ نہ پھوپھی۔ میں نے دس سال دیا وہ دے بارے سوچتا  
وی ہمیں۔ میرے سننے سیرے دیرے دی گل نہ کر۔“ (نہیں  
پھوپھو میں تو دس سال شادی کے بارے میں نہیں سوچوں گا  
میرے خواب توڑنے کی بات نہ کریں) اور بشریٰ دل پر ہاتھ  
رکھ سکتی اسے سب سے پہلے اپنا گھر ٹوٹا نظر آتا دئے سے کی  
شادیوں میں ایسا ہی ہوتا ہے وہ پہلے دے لفظوں میں اور پھر علی  
الاعلان شادی کے لیے اصرار کرنے لگی تھی لیکن ٹیپو ہاتھ آ کے نہ  
دیتا تھا وہ وکالت کے بعد سی ایس ایس کر کے جوڈیشری کا  
امتحان دینا چاہتا تھا اور اس کے لیے اسے ابھی بہت سال اور  
محنت و پیسہ بھی درکار تھا شادی کی زنجیر تو ویسے بھی وہ پاؤں میں  
ڈالنے کو تیار نہیں تھا اور اس پینڈ و لڑکی کو تو وہ پسند بھی نہیں کرتا تھا  
وہ فائنل ایئر میں تھا جب پھوپھی کے توسط سے ہی اسے پتہ چلا  
کہ اس کی منگیترا المعروف نمومیشرک کرنے کی تیاری کر رہی  
ہے۔ اس نے کندھے اچکا دیئے ہو سکتا تھا زندگی میں آگے چل  
کر اس کا ذہن بدل جائے اور اس لڑکی سے شادی کرنے کو تیار  
ہو جائے سو اس نے اپنی زبان بند ہی رکھی۔

ایل ایل بی پارٹ ون میں ایڈمیشن ہو گیا تو اس نے سوچا پارٹ ٹائم جاب کر لے کیونکہ ابا جو میسے بھجواتے تھے اس میں اب خرچہ پورا نہیں ہوتا تھا فیس ہاسٹل کا کرایہ کھانے پینے کا خرچہ بائیک کا پیٹرول۔ وہ بہت محدود رہ کر پیسوں کا استعمال کرتا لیکن معزز دکنے کے لیے بھی تو کچھ لوازمات کی ضرورت پڑتی تھی اچھا کپڑا آپ کے تن پر ہو تو لوگ حقیقت کا اندازہ لگاتے ہیں اور اسی حساب سے عزت کے معیار کا تعین کرتے ہیں اس نے اپنے دوستوں سے کہہ رکھا تھا کوئی ایسی جاب ان کی نظر میں ہو جس میں زیادہ وقت نہ لگے اور اسے معقول معاوضہ مل جائے اور پڑھائی پر بھی اثر انداز نہ ہو تو اسے ضرور بتائیں اور جلد ہی اس کا دوست غضنفر اس کے لیے ایسی جاب ڈھونڈ لایا تھا اس دن کالج سے واپسی پر وہ اسے اپنے ساتھ بائیک پر بیٹھا کر اس پوش علاقہ میں لے گیا تھا جہاں بڑے بڑے محل نما خوب صورت گھر تھے لیکن حد سے زیادہ سناٹا بھی تھا صرف سڑک پر رواں دواں گاڑیوں کا شور سنائی دیتا تھا ایک بہت بڑے سیاہ گیٹ کے باہر اس نے بائیک روکی تھی وہ تو گھر کو دیکھ کر ہی مبہوت رہ گیا تھا ایسے گھر اس نے صرف فلموں

میں دیکھتے تھے۔

”یار تو مجھے یہاں چوکیدار لگوانے تو نہیں لے آیا؟“ اس نے غضنفر سے کہا تھا جواب انٹرکام پر اپنا تعارف کروا رہا تھا چند لمحوں میں وہ آہنی گیٹ کھل گیا وہ اندر داخل ہوئے تو گاڑی نے سامنے کی طرف اشارہ کر دیا غضنفر اسے لیے ادھر بڑھ گیا۔ ٹیپو کی ساری توجہ بڑے سے بے حد خوب صورت لان کی طرف تھی جہاں رنگ برنگے پھول اور ایسے ایسے پودے تھے جو اس نے آج تک دیکھے بھی نہیں تھے لان عبور کر کے جب وہ وسیع راہداری میں پہنچے تب وہ رہ نہ سکا اور غضنفر سے پوچھ لیا۔

”یار سچ بتا کس کے گھر لے آیا ہے کسی وزیر کا گھر لگ رہا ہے یہ مجھے تو۔ عام انسان کہاں رہ سکتا ہے ایسے محلوں میں۔“

”صبر تو کر کسی غلط جگہ نہیں لایا ابابا کی کزن ہیں انہیں اپنے لیے ایک ہیلپر چاہیے پڑھا لکھا سمجھ دار اور.....“ غصہ کرنے سے سرتاپا دیکھا۔

”اور کیا؟“ اس کے یوں دیکھنے پر وہ چونکا۔  
 ”اور تمہارے جیسا خوب صورت مرد۔“ غصے نے بات  
 مکمل کی تو ٹیپو کے بڑھتے قدم رک گئے۔

”کک..... کیا مطلب؟ چل واپس چلتے ہیں تم مجھے کیا سمجھ رہے ہو فوراً نکلو یہاں سے۔“ وہ اس کا بازو پکڑے واپس کھینچنے لگا دل ہی دل میں لاحول کا درد جاری تھا۔

”یار صبر تو کر غلط سمجھ رہے ہو تم خود بات کر لو ایسی ویسی کوئی بات نہیں آنٹی بے حد نفیس لیڈی ہیں اپنا بزنس ہے ان کا سوشل ورک بھی کرتی ہیں ایک این جی او بھی بنا رکھی ہے اور بڑے اچھے خاندان سے ہیں انہیں صرف چند گھنٹوں کے لیے ایک ایمان دار بندہ چاہئے جو ان کے آفس کا کام دیکھ سکے مطلب گھر میں اور وہ بھی تھوڑے عرصے کے لیے۔ لیکن اس کے لیے وہ تنخواہ بہت اچھی دیں گی تم ضرورت مند ہو آنٹی نے ابا سے ذکر کیا تھا ابا نے مجھ سے پوچھا تو مجھے تمہارا خیال آ گیا بس اتنی سی بات ہے اور تم پتہ نہیں کیا سمجھ کر میری نیکی دریا میں ڈال رہے ہو۔“ غضنفر اس کے رویے پر خفا سا ہو گیا تھا نیپو کو شرمندگی نے آن گھیرا۔ اسی وقت دروازہ کھلا اور اسے اندر بلا لیا گیا وہ تھوڑا نروس سا اندر داخل ہوا غضنفر پیچھے نہیں آیا تھا وہ ایک وسیع ہال تھا جہاں کی ہر چیز وائٹ تھی بیٹھنے والے صوفے سے لے کر دیوار پر لگے کلاک تک۔ اسے سی کی ٹھنڈک میں ملی کسی مہنگے کولون کی خوشبو ماحول کو بڑا پرسوں سا بنا رہی تھی وہ ادھر ادھر دیکھتا بڑی سی



معالے میں وہ بڑی پابند تھیں پانچ گھنٹوں سے ایک منٹ اوپر نہیں لیتی تھیں کبھی کبھار وہ اسے اپنے این جی اودالے آفس میں بلا لیتیں اسے ان کے ساتھ کام کرتے ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر گیا۔

پارٹ دن اچھے نمبروں سے کلیئر ہو گیا تھا اور اب پارٹ نو کے فائل ہونے والے تھے اس نے میڈم سے کچھ دنوں کی چھٹی لے لی تھی ایک تو اماں کی دائیں آنکھ کا آپریشن کروانا تھا سفید موتیا اتر آیا تھا دوسرا وہ یکسوئی سے پڑھائی کرنا چاہ رہا تھا میڈم عمیمہ نے بنا کسی اعتراض کے اسے چھٹی دے دی تھی ویسے بھی وہ پندرہ دن کے لیے کینیڈا جا رہی تھیں اماں کا آپریشن ہو گیا پھوپھی بشریٰ ساتھ آئی تھی خوب ہی سرکھایا اور دمکلی بھی دے دی کہ اب کہ وہ گھر آیا تو نکاح کر کے بھیجے گی وہ مسکراتا رہا فی الحال انکار کر کے وہ کوئی ٹینشن نہیں ڈالنا چاہتا تھا اماں اور پھوپھی واپس گئیں تو وہ تندہی سے پڑھائی میں جت گیا اس کے خواب بہت اونچے تھے اور اس کی تکمیل کے لیے اسے سر توڑ محنت کرنا تھی لاسٹ پیر والے دن وہ آیا تو لمبی تان کر سو پا دو دن بعد اسے واپس ڈیوٹی بھی جوائن کرنا تھی وہ چاہتا تھا ڈیوٹی پر جانے سے پہلے وہ ایک چکر گاؤں کا لگا آئے لیکن پھر پھوپھی بشریٰ کی دمکلی یاد آ گئی تو اس نے ارادہ ملتوی کر دیا اگلے دن دوستوں نے آؤٹنگ کا پروگرام بنالیا غضنفر اپنے ابا کی گاڑی لے آیا تھا وہ پانچوں شخص ٹھنسا کر بیٹھ گئے جلو پارک جانے کا پروگرام بناتا تھا سارا دن ہنگامہ مستی کرنے کے بعد واپس ہوئی۔ راستے میں شبیر نے انہیں مشہور وہی بھلے کھلانے کی آفر کی جسے بخوشی قبول کر لیا گیا غضنفر نے گاڑی روکی اسی وقت میڈم عمیمہ کی کال آ گئی وہ واپس آ چکی تھیں اور پوچھ رہی تھیں کہ وہ کب آئے گا اس نے اگلے دن کا کہا تو وہ بھڑک گئیں۔

”نہیں ابھی پہنچو۔“ وہ فون کی ٹوں ٹوں سنتا رہ گیا۔ شبیر آرڈر دے چکا تھا وہ بھی انتظار کرنے لگا اور بھی اس کی نظر سامنے ٹیبل پر بیٹھی اس لڑکی پر پڑی جو مٹی کا پیالہ ہاتھ میں تھامے وہی بھلے کھا نہیں رہی تھی بلکہ انجوائے کر رہی تھی اس کے چہرے سے یہی لگ رہا تھا جیسے وہی بھلے کھانے میں اسے بہت مزہ آ رہا تھا وہ بے اختیار اس کو دیکھتا گیا۔ وہ اتنی خوب صورت لگ رہی تھی کہ وہ نظریں ہٹانا بھول گیا تھا اور یہ بھی کہ اس کے ساتھ ایک اور لڑکا بھی تھا جو اس کے منٹلی باندھ کر دیکھنے پر قہر آلود نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔ فون بجا تو اس کی محویت

راؤنڈ ٹیبل کے گرد پڑی ایک چیئر پر ٹک گیا کمرے میں کوئی تھا مگر اس کی نظر سے اوچھل بھی دوسری طرف پڑی ریوالونگ چیئر گھومی اور ایک چہرہ سامنے آ گیا ایک جدید تراش خراش کی عورت عمر شاید چالیس بیالیس ہوگی اس کے سامنے بیٹھی بڑی ناقدانہ نظروں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی اس کے چہرے پر گولڈن فریم کا چشمہ تھا آدھے سنہرے آدھے کالے بال شانوں پر بکھرے تھے پائیں ہاتھ میں ایک قیمتی پین تھا جسے وہ بار بار نہایت دھیمے سے ٹیبل پر مار رہی تھی جائزہ تو ٹیپونے بھی پورا لے لیا تھا۔

”نام؟“ آواز گونجی۔

”ظفر یاب احمد۔“ اس نے اعتماد سے جواب دیا۔

”کہاں سے ہو؟“ اگلا سوال ہوا۔

”بہاولنگر سے۔“

”یہاں کب سے ہو اور کس سلسلے میں؟“

”تقریباً پانچ سال اور پڑھائی کے سلسلے میں ایل ایل بی

پارٹ دن کا اسٹوڈنٹ ہوں۔“

”جواب کیوں کرنا چاہتے ہو؟“

”ظاہر ہے ضرورت مند ہوں شہر میں رہتا ہوں پڑھائی

کرتا ہوں۔“

”اوکے تمہیں شام چار بجے سے لے کر رات 9 بجے تک

ڈیوٹی دینا ہوگی ان پانچ گھنٹوں میں تم میرے پابند ہو گے کام

کوئی بھی نہیں ہوگا میں اپنی مرضی سے ان پانچ گھنٹوں میں کوئی

بھی کام تم سے کروالوں گی کوئی بھی قانونی کام۔“ ساتھ ہی

وضاحت کر دی گئی تھی شاید اس کی اور غضنفر کی باہر کوریڈور میں

ہونے والی تمام گفتگوں کی گئی تھی وہ قدرے نادم سا ہوا۔

تنخواہ کی مد میں جو رقم بتائی گئی وہ بہت زیادہ پرکشش تھی

جس نے اسے اور کچھ سوچنے ہی نہ دیا اتنی رقم سے وہ نہ صرف

خود بلکہ پیچھے ماں باپ کو بھی آسائش دے سکتا تھا۔ یہ بھی اس کی

عمیمہ رحمن سے پہلی ملاقات اور جواب پر جانے کے بعد اسے

غضنفر کی باتوں پر یقین آ گیا تھا وہ حقیقتاً ٹائرس عورت تھی وہ کالج

سے آف کرنے کے بعد سیدھا ادھر آ جاتا پون گھنٹہ کا رستہ تھا

ابتدا میں تو میڈم نے بس اس سے تھوڑا بہت حساب کتاب

کروایا تھا لیکن رفتہ رفتہ اس کی ڈیوٹیز چینیج ہوتی گئیں وہ ان کے

ساتھ باہر بھی نکلنے لگا بطور باڈی گارڈ اسے تو ایسا ہی لگا تھا

فنکشنز میں بھی وہ اسے اپنے ساتھ رکھا کرتی لیکن ٹائم کے



نوٹی۔ میڈم عیمہ کی کال تھی۔

”سیا آج ان کو کیا ہو گیا تھا۔“ وہ اٹھ گیا۔ میڈم کو ناراض کرنے کا خطرہ وہ ہرگز نہ مول لے سکتا تھا۔ اس نے معذرت کی اور سڑک پر ایک آٹو میں بیٹھ کر یہ جاوہ جا۔ راستے میں اسے یاد آیا کہ وہ اس لڑکی کو ایک بار پہلے بھی گول مپے کھاتے دیکھ چکا تھا۔

میڈم عیمہ لاؤنج میں ہی ٹہل رہی تھیں۔ چہرے پر وہ ہمیشہ رہنے والی سرخی غائب تھی۔ اس نے سلام کیا اور ساتھ ہی معذرت بھی۔

”ٹھیک..... ٹھیک۔“ وہ اسی طرح شہلتی رہیں۔

وہ ایک طرف کھڑا نہیں دیکھتا رہا۔ کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں تھی وہ خود ہی کچھ کہتیں تو کہتیں۔ ٹہلتے ٹہلتے رک کر انہوں نے اسے دیکھا اور پھر دیکھتی ہی رہیں۔ جانے ان کی نظروں میں کیا تھا کہ ظفریاب کی ہتھیلیاں بھینکنے لگیں۔ کہیں وہ وقت آ تو نہیں گیا جس کا اسے ہمیشہ خدشہ لگا رہتا تھا۔ اس نے ایسی یادام ٹائپ عورتوں کے بارے میں بہت سی باتیں سن رکھی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی اس کے پاس آ گئیں۔ وہ اس سے صرف ایک قدم کے فاصلے پر تھیں۔ ظفریاب کے تو مساموں سے پسینہ پھوٹ نکلا۔ اسے لگا اگر میڈم دو قدم بھی اور آگے بڑھیں تو وہ یا تو گر جائے گا یا باہر کی طرف دوڑ لگا دے گا۔ اس میں نگاہیں اٹھانے کی سکت نہیں رہی تھی۔

”تمہیں پتہ ہے تم کس قدر وجہ ہو.....؟“ بلا آخر میڈم نے آغاز کر ہی دیا تھا۔ خطرہ کا الارم بج چکا تھا۔ وہ خاموشی سے کھڑا رہا۔ سوچ رہا تھا کس طرح بھاگے کہ دوبارہ ان کی گرفت میں نہ آ سکے۔

”اکیس..... بائیس۔ یہی عمر ہے ناں تمہاری؟“

”جی ساڑھے چوبیس۔“ اس نے تھوک نکل کر بمشکل بتایا۔

وہ اس کے گرد چکر لگانے لگیں۔ پھر اس کے مقابل آ گئیں۔ فاصلہ سمٹ کر دو قدم ہی رہ گیا تھا۔ اس نے آنکھیں زور سے میچیں اور بھاگنے کی تیاری کرنے لگا۔ ساتھ ہی میڈم کو گالیوں سے بھی نوازنے لگا دل میں۔

”قد چھ فٹ سرخ و سپید رنگت براؤن گھونگھریالے بال‘ شہتی آنکھیں۔ ابھی تک کوئی لڑکی نہیں مری تم پر؟“ اس نے قل شریف کا درد شروع کر دیا۔ اور ساتھ ہی غیر محسوس طریقے

سے قدم پیچھے ہٹائے۔

”بھاگمت.....“ انہوں نے لپک کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ایک کرنٹ ظفریاب کے پورے وجود میں دوڑ گیا اس نے فوری آنکھیں کھول کر اپنا ہاتھ کھینچا تھا۔

”کیا کر رہی ہیں آپ؟“ لہجہ اپنے آپ ہی کرخت ہو گیا تھا۔

”دیکھ رہی ہوں کتنی مضبوطی ہے تمہارے اندر؟“ وہ ہلکی ذرا بھی شرمندہ ہوئے بغیر۔ اب یہاں رکنا محال تھا اس نے ہنا کچھ کہے قدم باہر کی طرف بڑھا دیے۔ یکایک ہی وہ ہر سو دریاں سے ماورا ہو گیا تھا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ میڈم اپنے مقام سے اس حد تک بھی گر سکتی ہیں۔ اور اسے اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کر سکتی ہیں۔ بظاہر پروقار رکھنے والی عورت اندر سے اتنی بودی اور کمزور تھی وہ جان ہی نہیں پایا تھا۔

”رکھو ظفریاب.....“ عیمہ کی آواز گونجی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے قدم رک گئے۔ وہ اس کے پاس آ گئیں۔

”تم رائے قائم کرنے میں بہت جلدی کرتے ہو۔“ انہوں نے سر تا پا اسے دیکھا۔ ان کا رویہ اب بھی ناقابل فہم ہی تھا۔

”میڈم آپ نے بھی میرے بارے میں غلط اندازہ لگایا۔ میں ویسا نہیں ہوں۔ مجھے اپنے کردار سے بڑھ کر کچھ عزیز نہیں۔ جاب میری ضرورت ضرور ہے لیکن اتنی بھی نہیں کہ میں ہر غلط بات پر مجھوتہ کر لوں۔ میرے ماں باپ نے مجھے شرم و حیا کی گھنٹی دی ہے..... مجھے آپ کی جاب نہیں کرنا۔ کل صبح میں ریزائن بھجوا دوں گا۔“ اس نے بات مکمل کی اب وہ ایک مکمل پر اعتماد شخص تھا۔ عیمہ کے چہرے پر ایک مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ جا کر صوفے پر بیٹھ گئیں۔

”ظفریاب احمد..... تمہاری اور میری عمر میں آدھا فرق تو ہوگا۔ تم نے سوچ لیا کہ میں تم سے ناجائز تعلقات بنانا چاہتی ہوں۔ ہر مرد یہی سوچ لیتا ہے۔“ وہ ہنسیں۔ (جب ایسی حرکتیں کرنی پھریں گی تو مرد تو ایسا ہی سوچیں گے ناں) اس نے جل کر سوچا۔

”تم نے بھی سوچا ظفریاب میں نے تم پر اتنا اعتماد کیوں کرنا شروع کر دیا؟ ہو تو تم ایک معمولی ورکر ہی۔ پھر کیوں میں نے تمہیں اپنی زندگی کے ہر راز سے آگاہ کیا۔ یہ ڈیڑھ دو سال جو تم نے میرے ساتھ گزارا ہے تمہیں کب لگا کہ میں ایک گھنٹیا



کبھی نہیں دیکھا۔“ اس کا دل یوں دھڑک رہا تھا جیسے سینہ توڑ کر باہر آ جائے گا۔

”وہ جی.....“ عبدل ہچکچایا۔

”کیا جی؟“ اس نے جلدی سے پوچھا۔

”میڈم صاحبہ نے منع کر دیا تھا جی آنے سے۔ جب سے آپ آئی ہیں تب سے..... پر جی فون تو ان کا روزِ صبح سویرے آتا ہے۔“ عبدل تو بڑے کام کا بندہ تھا۔ کھٹا کھٹ معلومات دے دیتا تھا۔

”کتنے بجے؟“ اور عبدل نے بتایا تھا کہ اس کا فون نو سے ساڑھے نو بجے کے درمیان آتا ہے۔ وہ واپس کمرے میں آ گئی۔

ذہن عجیب سی سوچوں کی آماجگاہ تھا۔ مام سے اس کا کیا رشتہ ہے۔ وہ روزِ صبح کس کے لیے فون کرتا ہے اور مام نے اسے یہاں آنے سے کیوں منع کیا؟ کیا وہ جانتا تھا کہ میں عمیمہ کی بیٹی ہوں۔ لیکن اس نے تو بھی ظفریاب کو نہیں بتایا تھا۔

وہ اس کی تصویر کو یارِ باردیکھ رہی تھی اور ہر بار نئے سرے سے محبت جوش مارتی تھی۔ کیا وہ اس شخص سے نفرت کر سکے گی۔ اس نے خود سے پوچھا تھا اور جواب نفی میں تھا۔ مام نے آج رات کسی بھی وقت واپس آ جانا تھا۔ اور وہ چاہتی تھی کہ مام کے آنے سے پہلے اس سے مل لے۔ اس کی بے وفائی کا سبب پوچھے۔ اس نے ابھی تک مام کو ظفریاب اور اس سے اپنی محبت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا اور وہ چاہتی بھی نہیں تھی کہ مام کو اس کی ناکام محبت کا پتہ چلے۔ لیکن ایک بار وہ اس سے مل کر تمام باتیں کلیئر کرنا چاہتی تھی۔ وہ دوبارہ عبدل کے پاس آ گئی۔

”چاچا آپ کے پاس ظفریاب صاحب کا نمبر ہے؟“

”نہیں بی بی جی ہمارے پاس کہاں سے آئے گا نمبر۔ ہاں ادھر فون کے نیچے جو ڈائری رکھی ہے اس میں سارے نمبر لکھے ہوتے ہیں آپ چیک کر لو جی۔ ویسے بی بی جی سب خیر ہے ناں کوئی مسئلہ تو نہیں۔ میرا مطلب ہے کہ اگر کوئی بات ہے تو بیگم صاحبہ کو فون کر کے بلا لیں انہوں نے کہا تھا۔“ عبدل نے سر جھکائے کہا تو وہ فوراً بول اٹھی۔

”نن..... نہیں۔ بس مجھے بازار سے کچھ منگوانا تھا کچھ بکس۔ آپ مام کو کچھ مت بتانا۔ وہ پریشان ہو جائیں گی۔“ عبدل سر ہلاتا وہاں سے چلا گیا۔ وہ فوراً نیچے آئی۔ ڈائریکٹری اٹھائی لیکن اس میں خاص نمبر نہیں تھے۔ پلمبرز، الیکٹریشن، سوئزر

عورت ہوں۔ میرے لیے میرا کردار میری عزت سب کچھ ہے۔ اٹھارہ برس ہو گئے مجھے اپنے شوہر سے علیحدہ رہتے آج تک کسی مرد سے دوستی نہیں کی میں نے۔ کسی باہر کے فرد کو میرے گھر میں گھسنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ بوڑھا عبدل اور تم بس۔ ظفریاب جب میں نے تمہیں اپوائنٹ کیا تھا تب ہی میرے ذہن نے وہ کام ترتیب دے دیا تھا جو میں نے تم سے کروانا تھا۔ مجھے تم سے تمہارے وجہہ مرد ہونے سے کوئی غرض نہیں۔ میں تمہارے کردار کی مضبوطی چیک کر رہی تھی کیونکہ جو کام میں تم سے کروانے جا رہی ہوں اس کے لیے تمہارا مضبوط ہونا بہت ضروری ہے۔“ انہوں نے بولتے بولتے ایک بار پھر اس کا سر تا پیر جائزہ لیا تھا۔ وہ سر جھکائے خاموش کھڑا تھا۔ پتہ نہیں اب وہ اس سے کیا کام کروانے جا رہی تھیں جو اس کا کردار اوپر لگ گیا تھا۔

✽.....✽.....✽.....✽

وہ کب سے مام کا نمبر ٹرائی کر رہی تھی لیکن وہ لگ ہی نہیں رہا تھا اور یہی بات اس کی بے چینی سوا کر رہی تھی۔ اسے پوچھنا تھا ظفریاب سے ان کا تعلق کیا تھا؟ اسے پوچھنا تھا اسے یوں محبت میں پھنسا کر وہ خود کیوں بھاگ گیا تھا؟ اتنا تو وہ جانتی تھی وہ دوستی نہیں گیا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کا نمبر بند ہو چکا ہوتا۔ جب کہ اسی لوکل نمبر پر وہ بات کر رہا تھا۔ اس نے دیگر بہت سارے جھوٹوں کے علاوہ یہ بھی جھوٹ بولا تھا۔ وہ تصویر پکڑے باہر آ گئی۔ عبدل چاچا سوئزر سے صفائی کروا رہے تھے۔ اس نے آواز دے کر پاس بلایا اور تصویر آگے کر دی۔

”کون ہے یہ چاچا..... ماما کے ساتھ کیوں کھڑا ہے؟“

”یہ تو بی بی جی ظفر صاحب ہیں۔ میڈم جی کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ ان کے بہت سارے کام کرتے ہیں۔“ عبدل چاچا نے جو بولا اس کے کان کھڑے ہو گئے۔

”کب سے ادھر ہیں؟“

”دو ڈھائی سال ہو گئے بی بی جی۔“ عبدل نے سوچ کر

جواب دیا۔

”ادھر ہی رہتے ہیں؟“

”نہیں جی..... ادھر کسی ہاسٹل میں وکالت پڑھ رہے ہیں ناں یہ ادھر تو شام کے چار بجے آتے ہیں اور رات کے نو بجے چلے جاتے ہیں۔“ وہ بھی پوری معلومات رکھتا تھا۔

”آج کل کہاں ہیں۔ جب سے میں آئی ہوں میں نے تو



بارش ہوتی تھی وہ اس کے ہمراہ تھی۔ اسے بارش بہت پسند تھی۔  
 ”بارش سب کچھ دھو دیتی ہے۔ اندرونی بیرونی ساری گرد  
 میل اور پھر سب کچھ نکھر جاتا ہے۔“ وہ کہتا تھا۔  
 ”ہاں سب کچھ دھل جاتا ہے۔ زخم پھر سے ہرے  
 ہو جاتے ہیں۔“ اس نے دونوں ہتھیلیاں پھیلائیں۔ تیز  
 بو چھاڑ اس کی ہتھیلیوں کو کاٹنے لگی تھی۔ وہ اسے بہت تھوڑے  
 عرصے کے لیے ملا تھا لیکن گہرے نقوش چھوڑ گیا تھا اس نے  
 لاکھ سمجھانا چاہا تھا دل کو خود کو لیکن کوئی بھی سمجھنے کو تیار نہیں تھا۔ وہ  
 کب تک بھٹکتی رہی یا نہیں اور جب اس کی آنکھ کھلی وہ تیز بخار  
 میں پھنک رہی تھی۔

”کیسے ٹوٹ کے برسے رات  
 بادل دل اوتا نکھیں“

وہ لڑکی ظفریاب احمد کو بہت اچھی لگی تھی۔ اتنی اچھی کہ اس  
 روز کے بعد وہ بار بار وہاں گیا تھا۔ شاید وہ اسے دکھ جائے۔ وہ  
 اس کا نام جان لے اس سے بات کر سکے۔ لیکن کافی دن گزر  
 گئے وہ اسے دوبارہ نظر نہیں آئی۔ لیکن اس نے وہاں جانا نہیں  
 چھوڑا تھا۔ پھر چند دن بعد وہ اسے دوبارہ دکھی تھی۔ وہ اسی  
 لڑکے کے ساتھ تھی اور اسی طرح مزے لے کر وہی بھلے کھا  
 رہی تھی۔ تیز مصالحوں کے باعث اس کی آنکھوں اور ناک  
 سے پانی بہہ رہا تھا اور نشو سے صاف کرتی ہنستی چلی جا رہی  
 تھی۔ وہ بے خود سا بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔ اس لڑکے کے ساتھ  
 اس کی بہت زیادہ فرینک نیس لگتی تھی۔ شاید اس کا دوست تھا۔  
 (بوائے فرینڈ کا لفظ اسے مناسب نہیں لگا) وہ اس کو سوچنے لگا  
 تھا۔ چاہنے لگا تھا۔

چپ چاپ من ہی من میں پھر وہ اسے الحما میں ملی تھی  
 بارش میں بھیگی اس لڑکے کے ساتھ اور وہ ان سے اگلی رو میں  
 بیٹھا تھا اور اس کی آواز پر ہی وہ پیچھے پلٹا تھا۔ (آج کل تو اسے  
 ہر آواز ہر ہنسی پر اس چہرے کا گمان ہوتا تھا) ملگج اندھیرے میں  
 بھی وہ اسے پہچان گیا تھا۔ وہ اس لڑکے سے کہہ رہی تھی کہ  
 اسے سردی لگ رہی ہے اور وہ اسے اٹھا کر لے گیا تھا۔ اور  
 ظفریاب بھی ان کے پیچھے ہی باہر آیا تھا۔ وہ لڑکی اسے  
 میز میوں پر اکیلی بیٹھی نظر آ گئی تھی وہ بالکل غیر محسوس طریقے  
 سے اس کے کندھوں پر اپنا کوٹ ڈال کر واپس میز چھایا چڑھ  
 گیا تھا۔ اور جب طوفانی بارش میں وہ گاڑی تک پہنچنے کے لیے

ٹیلر مکینک سب کے نمبرز تھے کہیں ظفریاب کا نمبر نہیں تھا وہ  
 افسردہ ہی ہو گئی۔ اس سے ملنے بات کرنے کی جو موم سی امید  
 بندھی تھی وہ دم توڑنے لگی۔ اب اسے صبح کا انتظار کرنا تھا۔ دفعتاً  
 ایک خیال اس کے دماغ میں بجلی کی طرح کوندا۔ سی ایل آئی  
 میں ضرور ہوگا نمبر۔ خیال آتے ہی وہ پھرتی سے نیچے بھاگی۔  
 سی ایل آئی میں آج کی ٹین ان کمنگ کالز میں ایک ساڑھے نو  
 دوسری بارہ اور تیسری شام پانچ بجے۔ دو نمبرز تو وہ پہچان گئی تھی  
 مام کے تھے اور تیسرا نمبر اسی کا ہو سکتا تھا۔ اس نے جلدی سے  
 نمبر ہتھیلی پر لکھا۔ اور پھر کچھ سوچ کر ڈال کر لیا۔ بیل جا رہی تھی۔  
 اس کا دل جیسے مٹھی میں آ گیا تھا۔ وہ اس کی آواز سننے والی  
 تھی۔ ایک دو تین۔۔۔۔۔ اور پھر کال ریسیو کر لی گئی۔

”ہیلو۔۔۔۔۔“ ادھر سے آواز آئی تھی۔ زمیل سے بولنا محال  
 ہو گیا۔ اس کے حلق میں آنسوؤں کے پھندے پڑنے لگے۔  
 ”ہیلو۔۔۔۔۔ ہیلو عبدل چاچا آپ ہیں؟“ وہ پوچھ رہا تھا لیکن  
 ادھر خاموشی تھی۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ ”تو یہ تم ہو  
 زمیل؟“ وہ پہچان گیا تھا۔ زمیل کی آنکھوں سے آنسو بہہ بہہ  
 کر اس کے رخسار بھگونے لگے۔ وہ لب کاٹتی ریسیور سے آنے  
 والی آواز کو دل میں اتارتی رہی۔ یہ آواز اس کی زندگی تھی۔ ادھر  
 ایک ٹھنڈی آہ بھری گئی تھی۔

”زمیل بولو۔۔۔۔۔ سب خیریت ہے کیوں رو رہی ہو؟“ اس  
 کا لہجہ نارمل تھا۔ خالصتاً کاروباری۔ دکھ کے کسی بھی احساس  
 سے ماورا۔

”تم چاہتے ہو میں روؤں بھی ناں۔“ وہ پھٹ پڑی۔ اگر وہ  
 اب بھی نہ بولتی تو شدت ضبط سے اس کا دل پھٹ جاتا۔

”تم ظفریاب احمد۔۔۔۔۔ کیا سوچ کر تم نے مجھے دھوکا دیا۔  
 کس حساب میں تم میرے جذبات سے کھیلتے رہے۔ کیوں  
 ظفریاب کیوں تم نے میری محبت چھین لی مجھ سے۔ کیوں  
 ظفریاب بولو؟“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ ظفریاب نے کچھ  
 دیر ریسیور کو گھورا۔ پھر فون بند کر دیا۔ وہ روتی چیختی رہ گئی۔ بادل  
 زور سے گرجے تھے اور چھما چھم مینبر سننے لگا تھا۔

”تمہارا ملنا تمہارا چھڑنا ہمیشہ بارشوں سے کیوں موسوم رہا  
 ہے ظفریاب احمد؟“ اس نے آگے بڑھ کر بیرونی دروازہ کھولا۔  
 باہر طوفانی بارش تھی۔ شام تک تو ایسے کوئی آثار نہیں تھے۔ اسے  
 وہ بارش یاد آ گئی جب ظفریاب اس پر چھاتا تانے بحفاظت  
 عموں کی گاڑی تک پہنچانے آیا تھا۔ اور اس کے بعد جب بھی



تنگ و دو کر رہی تھی تو تب اس نے اپنا چھاتا اس پر تان کر اسے بحفاظت گاڑی تک پہنچایا تھا اور جب اس نے کوٹ واپس کیا تھا تو ساتھ ہی جیب میں دھرا موبائل بھی اس کے پاس آ گیا تھا۔ لیکن یہ اس کی قسمت بھی کہ بارش میں بھیگ کر وہ بیمار پڑ گیا تھا اور کئی دن تک وہ کوٹ سوکھنے کے لیے کھونٹی پر ہی لٹکا رہا۔ کافی دنوں بعد جب وہ کوٹ پہن کر کالج گیا تب اسے پاکٹ سے موبائل ملا۔ اس نے کاٹیکس نکال کر کوئی ایسا نمبر ڈھونڈنا چاہا جو اس کے کسی قریبی بندے کا ہو۔ مام ڈیڈی عون شبانہ زمین اور دو چار اور لڑکیوں کے نام ہی تھے۔ اسے سمجھ نہ آئی کہ وہ کس کو کال کر کے بتائے کہ فون اس کے پاس ہے۔ دو چار دن اسی طرح گزر گئے۔ پھر اس نے سوچا شبانہ کو کال کر کے دیکھتے ہیں لیکن اس سے پہلے اس نے ایس ایم ایس چھوڑے۔ کوئی جواب نہ آیا تو اس نے کال کر لی اور شبانہ نے ہی بتایا کہ اس وقت زیمل کہاں ہے؟ (زیمل..... وہ زیر لب مسکرایا تھا)

پھر وہ اسے فون پہنچانے گیا اور اسے قریب سے دیکھ بھی آیا۔ لیکن ایک اور بات بھی ہو گئی۔ زیمل کے ساتھ سامنے بیٹھی لڑکی اسے دیکھی دیکھی لگی۔ گھر آ کر بھی اسے محسوس ہوتا رہا کہ اس نے اس لڑکی کو نہیں دیکھا ہے۔ اور جب اسے یاد آیا کہ یہ تو زمین ہے بہت پہلے کی جھلک اس کی یادوں میں محفوظ تھی۔ کیونکہ ممکن کے بعد تو وہ اس کے سامنے آئی ہی نہ تھی۔ اور بذات خود اس نے کبھی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ معاملہ پیچیدہ تھا لیکن اس نے سر جھٹک دیا اور پہچان تو زمین بھی گئی تھی کیونکہ بھلے وہ اس کے سامنے نہیں آتی تھی لیکن چاچی بشری کے پاس اس کی تازہ ترین فوٹو ہر وقت موجود رہتی تھی۔ اور پہانے بہانے سے بارہا وہ چاچی کے کمرے میں جا کر دیکھ آتی تھی بلکہ جب اسے بڑے بھائی نے موبائل خرید کر دیا تو اس نے سب سے پہلے ظفر کی فوٹو ہی اس میں سیو کی تھی بے شک دھندلی تھی لیکن دل میں گہرا نقش تھا۔ ظفریاب محض اس رشتے سے بچنے کے لیے گاؤں بھی کم جاتا تھا کیونکہ جب وہ جاتا چاچی بشری کا شادی کا ذمہ سنبھالنے لگتا۔

اس نے زیمل کا نمبر نوٹ کر لیا تھا اور اب اسے ایس ایم ایس کرنے لگا۔ پہلے پہل تو وہ چڑ گئی پھر نارمل ہوتی گئی۔ وہ اس کا اعتماد جیتنے میں کامیاب ہوتا جا رہا تھا۔ کبھی کبھی اسے لگتا وہ اس لڑکی سے بے انتہا محبت کرنے لگا ہے لیکن کبھی کبھی وہ بالکل بلینگ ہو جاتا۔ دنوں اسے کال نہ کرتا۔ کبھی اس سے بالکل

انجان بن جاتا اور کبھی یوں محبت لٹاتا کہ وہ گھبرا جاتی پریشان ہو اٹھتی۔ وہ خود نہیں جان پارہا تھا کہ وہ زیمل سے تعلقات کس حد تک رکھنا چاہتا ہے۔ کیونکہ وہ نہیں جانتا تھا کہ زیمل سے اس کا رشتہ کتنی دیر نیچے گا۔ جلد اسے پتا چل ہی جاتا کہ زمین سے اس کا کیا رشتہ ہے اور پھر وہ کیاری ایکٹ کرتی۔ انجان وہ بھی لیکن وہ خود تو بہت کچھ جانتا تھا۔ جانتے بوجھتے اسے دھوکہ دے رہا تھا۔ آج نہیں تو کل اسے زمین سے شادی کرنا پڑتی کیونکہ اس کی مسلسل آنا کالی کو بھانپتے ہوئے پھوپو بشری نے اسے بتا دیا تھا کہ اگر وہ اس رشتہ کو توڑنے کی کوشش کرے گا تو پھوپا زیر پھلی فرصت میں پھوپو کو طلاق دے کر گھر بھجوا دے گا۔ تو اس کے ایسا سوچنے پر بھی سخت پابندی عائد کر دی گئی تھی۔

اس روز میڈم عمیمہ نے اسے بلایا۔ وہ آفس میں بیٹھا منتقلی رپورٹ بنارہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ ان کے کیبن میں آیا تو انہوں نے اپنی ٹیبل پر کچھ پھیلا رکھا تھا۔ وہ سامنے رکھی چیر پر بیٹھ گیا۔

”آؤ ظفریاب احمد“ انہوں نے اپنے اسٹریٹ کیے بال پیچھے کو جھٹکے۔ اس دن کے بعد سے وہ ان کے بلانے سے خوف زدہ ہو جایا کرتا تھا۔

”میں نے سوچا تمہیں تمہارا ٹاسک دے ہی دوں۔“ انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ ظفریاب کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

”یہ دیکھو.....“ انہوں نے ٹیبل پر بکھری تصاویر اس کے سامنے رکھ دیں۔ وہ حیرت سے انہیں دیکھتا رہ گیا تو کیا میڈم کو پتہ چل گیا وہ گھبرا سا گیا۔ میڈم نے اس کی گھبراہٹ کو نوٹ کیا تھا۔

”بہت خوب صورت ہے ناں یہ؟“ وہ مسکراہٹ دبا کر بولیں۔ وہ کچھ نہیں بولا۔

”تمہیں ظفریاب اس لڑکی سے محبت کرنا ہے۔“ ”جی.....!“ وہ پلکیں جھپکنا بھول گیا۔ کیا کہہ رہی تھیں وہ۔

”دھیان سے میری بات سنو۔“ وہ آہستہ آہستہ اسے اپنا پلان سمجھانے لگیں۔ جیسے جیسے وہ بول رہی تھیں ظفریاب کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ میڈم عمیمہ کی سگی اولاد تھی اور وہ محض اپنے سابقہ شوہر کو نچا دکھانے کے لیے یہ سب کروا رہی تھیں۔ ”نہیں میڈم.....“ وہ ان کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی



اٹھ کھڑا ہوا۔

”یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔ وہ آپ کی بیٹی ہے۔ میں یہ کیسے کر سکتا ہوں۔ یہ غلط ہے۔“

”کچھ غلط نہیں ہے۔“ اس کے انکار پر وہ سچ پا ہو گئیں۔

”تم اس سے محبت کا صرف ذرا مزہ کرو گے اور ملو گے۔ اس سے محبت کی باتیں کرو گے اس کو اپنا عادی کر لو گے اور پھر اس کو چھوڑ دو گے۔ بس یہی کام کرنا ہے تمہیں۔ اگر مشکل لگتا ہے تو اس کے لیے تمہیں الگ سے رقم مل جائے گی لیکن انکار نہیں سنو گی میں کلیئر۔“ انہوں نے حکم صادر کیا اور ظفریاب کو اپنے اندر دھواں بھرتا محسوس ہو رہا تھا۔ اگر وہ تھوڑی دیر بھی اور کھڑا رہتا تو شاید اپنے حواس کھو بیٹھتا۔

”مجھے سوچنے کے لیے وقت چاہیے۔“ وہ ان کو ٹالنے کے لیے بہانہ بناتا باہر نکل آیا۔ لیکن اس کا بہانہ زیادہ دیر نہیں چلنے والا تھا۔ یہ وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ اس نے اماں کی بیماری کا بہانہ کر کے چھٹی لی اور گاؤں آ گیا۔ لیکن یہاں بھی کہاں سکون تھا۔ ابا کا شادی کے لیے اصرار بڑھتا جا رہا تھا۔ ادھر میڈم کے فون پر فون آرہے تھے وہ پھر واپس بھاگ آیا۔ لیکن ابا نے واضح طور پر کہہ دیا تھا اگلی بار وہ اس کی ایک نہیں سننے والے۔ شادی نہیں تو نکاح تو اس کا کر ہی دیں گے اور ابھی وہ راستے میں ہی تھا جب زیمل کا ایس ایم ایس ملا۔ وہ ملنا چاہتی تھی۔ میڈم عمیدہ جو کروانا چاہتی تھیں اس کے لیے راہیں خود بخود ہموار ہو رہی تھیں اور پھر وہ میڈم کی تمام پلاننگ بھلائے اس سے ملنے لگا۔

روز شام چار بجے سے آٹھ بجے تک وہ کھل اسی کا ہوتا۔ میڈم کی نظروں میں وہ ان کا کام کر رہا تھا۔ جب کہ وہ صرف اور صرف اپنے دل کا کہا مان رہا تھا۔ وہ سامنے بیٹھی رہتی اور وہ اس کا روپ دل میں اتارتا رہتا۔ اسے دنیا جہاں کے قصے سناتا۔ وہ بھی اپنی چھوٹی چھوٹی باتیں اسے سناتی۔ پسند ناپسند اسے بتاتی۔ اور پھر دیر تک خود ہی ہنستی رہتی۔ زیمل کی کلاس سبز اشارت ہونے والی تھیں اور وہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ اب کیسے ملا کریں گے۔ اب تو ایک ہل کی جدائی بھی محال لگنے لگی تھی۔ اس روز وہ ایسے عون اور شبانہ کے بارے میں ڈھیروں باتیں سن رہی تھی اور تبھی اس نے پوچھ لیا۔

”عون تمہارا کزن ہے کیا بھی تم نے اس کے بارے میں نہیں سوچا۔ کسی ایک ہل ایک لمحہ۔ تم دونوں کو میں نے جب

بھی دیکھا اکٹھے ہی دیکھا۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ بھی تمہارے دل میں اس کے لیے جذبات نہ جاگے ہوں؟“

”شک کر رہے ہو؟“ وہ ہنسنے لگی۔

”یہی سمجھ لو۔“ اس نے بے نیازی سے کہا۔ زیمل نے اسے گھورا اور پھر بتانے لگی۔

”عون مجھ سے محبت کرتا تھا کب سے میں نہیں جانتی۔ لیکن جب اس نے مجھ سے اظہار کیا تو میں نے اسے سختی سے ڈانٹ دیا۔ مجھے اس سے کبھی بھی ویسی محبت نہیں تھی جیسی وہ چاہتا تھا۔ وہ میرا اچھا دوست تھا اور بس۔ لیکن جب اس نے مجھے جلانے کے لیے شبانہ سے شادی کا فیصلہ کیا تو مجھے غصا آیا تھا۔ دکھ بھی محسوس ہوا تھا۔ لیکن تمہاری محبت اس افسوس اور دکھ پر بھاری تھی سو.....“ اس نے بات ادھوری چھوڑ کر کندھے اچکائے۔ ظفریاب بڑی گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”زیمل..... اگر کبھی میں تمہیں چھوڑ جاؤں۔ تم سے ساتھ نہ بھا سکوں تو.....؟“

”ایسا سوچنا بھی مت..... میں تمہیں جان سے مار ڈالوں گی۔“ وہ اس کی بات کاٹ کر چلائی اور ظفریاب کے اندر دکھ کا گہرا سمندر اترتا چلا گیا تھا۔ وہ کیا کرتا جو اس لڑکی کا دل نہ ٹوٹا۔ وہ کیا کرتا کہ اس سے دور اس کے انتظار میں بیٹھی لڑکی خود ہی راستہ بدل لیتی۔ وہ کیا کرتا کہ میڈم عمیدہ اسے اپنا آلہ کار نہ بنا سکتی۔ اصل میں تمہاری کم ہمت۔ اس میں جرأت نہیں تھی حوصلہ نہیں تھا اور زندگی کسی بزدلوں کا ساتھ نہیں دیا کرتی۔



وہ اس کے سامنے مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑا تھا اور زیمل حسان ڈبڈبائی آنکھوں سے اس دشمن جان کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے بارے میں کسی نے بھی نہیں سوچا تھا اس کی سگی ماں نے اور نہ ہی اس شخص نے جس سے ان چند دنوں میں وہ ٹوٹ کر محبت کرنے لگی تھی۔ کس سفاکی سے اس نے اسے اپنی زندگی سے نکال پھینکا تھا۔ جیسے سچ میں وہ کوئی جوتا یا کولون ہی تو تھی۔ اس بر زندگی کی یہ تلخ حقیقت کبھی آشکار نہیں ہوتی اگر وہ اس روز صبح صبح مام سے ملنے نہ آیا ہوتا۔ وہ تو ابھی تک اس تصویر کی ممتی نہ سلجھا پائی تھی۔ شدید پیاس کے باعث اس کی آنکھ کھلی تھی۔ وہ پانی لینے روم ریفریجریٹر کی طرف آئی۔ تبھی ہوا کے دوش پر آتی کھلی کھڑکی سے ماما کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ اس لہجے میں تو کسی سے بات نہیں کرتی تھیں۔ وہ بہت نرم خو











وہ سوٹ کیس بند کر چکی تھی اور اب دوسری طرف منہ کیے جانے کیا ڈھونڈنے لگی تھی۔ جانے کیوں زیمیل کو لگا وہ آنسو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ طبیعت ان کی طرف متوجہ نہیں تھی اور زیمیل کا بھی حوصلہ نہیں ہوا کہ زمین کا بھرم توڑے۔ ہاں یہ مرد نہیں سوچتے۔ ان کی محبت دل کے کیسے ٹکڑے کرتی ہے۔ ایک وہ بیٹو تھا جس نے بھی زمین سے محبت کی تھی نہ اس کے جذبات کو سمجھنے کی کوشش۔ اور ایک وہ ظفریاب تھا جس نے محبت تو کی تھی لیکن سودے کے تحت۔ اب محبت اور پیسہ ضرورت کے ترازو میں رکھ کر تولا جائے تو ظاہر ہے پیسہ کا پلڑا ہی جھکے گا۔ وہ نہیں جانتی تھی زندگی میں کبھی ان کا آنا سامنا بھی ہوگا یا نہیں۔ لیکن یہ چھ سال ان کی زندگی کا بہترین حصہ تھے بہت کچھ کھویا تھا، بہت کچھ پایا تھا لیکن یہ تھا کہ اس کھونے پانے میں انہیں زندگی گزارنے کا سلیقہ آ گیا تھا۔

وہ آخری سپردے کر گھر لوٹی تو مجید اداں نے بتایا کہ کوئی وکیل صاحب اس سے ملنے آئے ہیں۔ وہ فریش ہونے اپنے کمرے میں چلی آئی اور سوچتی رہی کہ کون ہو گا وہ تو کسی وکیل کو نہیں جانتی تھی۔ منہ پر ٹھنڈے پانی کے جھینٹے مارتے ہوئے اس نے اپنا ستا ہوا چہرہ دیکھا نیند سے آنکھیں بوجھل تھیں۔ اتنے دنوں کی بے آرامی سے اس کے وجود پر کاہلی وستی طاری ہو رہی تھی۔ جی میں آیا انکار کر دے۔ پھر کچھ سوچ کر چلی آئی۔ خزانہ سامنے ہی بیٹھی تھی اور وکیل صاحب سے خوش گیسوں میں مشغول تھیں۔ یقیناً انہی کا کوئی ملنے والا تھا اسے دیکھ کر خزانہ اٹھ گئی۔

بے گمانی کا جو خول اس نے اپنے آپ اوپر چڑھایا تھا وہ

”ہاں۔“ اس نے سر ہلایا۔









# URDU SOFT BOOKS

DOWNLOAD BOTH OF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

WWW.URDU-SOFT-BOOKS.COM

WWW.URDU-SOFT-BOOKS.COM

WWW.URDU-SOFT-BOOKS.COM

تعلیم کی نواف کے سہولت مند

اقرا صغیر احمد

URDU SOFT BOOKS



# URDU SOFT BOOKS

DOWNLOAD BOTH OF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

WWW.URDU-SOFT-BOOKS.COM



Watch Us On  
**You Tube**

چہرے کے فالتو بالوں کا

بہت ہی آسان علاج



Health Care Club



چہرے کی جھڑیوں کا

بہت ہی آسان علاج



Health Care Club





مرحلہ زیت میں ایسا بھی آ جاتا ہے  
دل جو دکھتا ہے تو دکھتا ہی چلا جاتا ہے  
جو نا اہل ہیں مغرور وہ ہو جاتے ہیں  
جس میں ہو حوصلہ دانش وہی چھا جاتا ہے

### گزشتہ قسط کا خلاصہ

زید عمرانہ کے کہنے پر عروہ کو ڈنر پر لے آتا ہے لیکن اس دوران اس پر طنز کرنے سے باز نہیں آتا عروہ زید کی سودہ میں پسندیدگی بھانپ لیتی ہے جبکہ زید سودہ کو باہر دیکھ کر اس کی خراب طبیعت کے متعلق جان کر بھی انور کر دیتا ہے صوفیہ کو بھتیجی کی یہ لائق قطعاً پسند نہیں آتی۔ نوفل شادی کے موقع پر انشراح کی ذات کو تفحیک کا نشانہ بناتا ہے جبکہ ثانی کے احسان لینے کی وجہ سے وہ خود کو نوفل کے سامنے مجبور و بے بس تصور کرتی ہے۔ ماندہ میں اپنی کزنز سے میل جول کے بعد بہت سی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں جب ہی وہ موبائل فون نہ صرف چھپ کر استعمال کرنا شروع کر دیتی ہے بلکہ سودہ اور اس کی دوستی میں بھی دوریاں آنے لگتی ہیں۔ ایسے میں وہ شاپنگ کا بہانہ بنا کر سودہ کو اپنے ہمراہ لے آتی ہے اور وہاں سے کہیں اور فرار ہو جاتی ہے جبکہ سودہ اس کی گمشدگی پر بوکھلا جاتی ہے اور تمام صورت حال سے زید کو آگاہ کرتی ہے۔ زید وہاں پہنچ کر اس کی تلاش میں ناکام رہتا ہے اور شام ڈھلے گھر لوٹ آتا ہے جبکہ ماندہ مقررہ ٹائم پر از خود گھر پہنچ کر سارا الزام سودہ پر عائد کر دیتی ہے کہ وہ اسے وہاں چھوڑ آئی تھی لیکن ماندہ کے لہجے کی لڑکھڑاہٹ زید کو بہت کچھ سمجھا دیتی ہے جب ہی وہ اس پر ہاتھ اٹھاتے نہایت مشتعل ہو جاتا ہے۔ ماندہ ایسی صورت حال سے گھبرا کر خود کو کمرے میں مقید کر سکتی ہے عمرانہ کے آنے پر وہ تمام باتیں اس کے گوش گزار کرتا ہے مگر عمرانہ بیٹی کا بھاؤ کرتے ہوئے سودہ کو ہی ملزم قرار دیتی ہیں اور زید بھی عمرانہ کی باتوں میں الجھ جاتا ہے۔ یونیورسٹی میں انشراح اور نوفل کا جھگڑا بہت بڑھ جاتا ہے جب ہی وہ اس کے کردار پر انگلی اٹھاتا ہے اپنی توہین انشراح کو سلگا دیتی ہے جب ہی وہ نوفل کی ماں کی تربیت کو مورد الزام ٹھہراتی ہے۔ ماں کے ذکر پر نوفل مزید بھڑک اٹھتا ہے بے شک یہ اس کی زندگی کا تلخ باب تھا جسے وہ بہت پہلے بند کر چکا تھا مگر جیسے جیسے ماں کی بری کے دن قریب آتے ہیں تمام تلخیاں پھر سے اس کے وجود کا احاطہ کر لیتی ہیں۔ نوفل باتوں کے دوران یوسف صاحب کو زرقا بیگم کے ساتھ ہونے والی نا انصافیوں کا احساس دلاتا ہے جب ہی وہ حمرہ بیگم سے اس بات کا تذکرہ کرتے انیسوس کا اظہار کرتے ہیں۔ زرقا بیگم عمر میں ان سے بڑی تھیں اور انہوں نے اس بات کے پیش نظر بھی انہیں اپنی محبت و توجہ کے قابل نہ سمجھا تھا۔

اب آگے پڑھیے

کال ہیل بار بار بج رہی تھی۔ انشراح نے میگزین ٹیبل پر رکھ کر بالی کے روم کی طرف دیکھا جس کا دروازہ ابھی تک بند تھا۔ بالی کی موجودگی میں اسے گیٹ کھولنے کی نوبت نہیں آتی تھی اور اب وہ کئی بار ٹیبل بجنے کے باوجود کمرے سے باہر نہیں آئی تھی اس کا مطلب تھا وہ یقیناً باتھ لینے میں مصروف ہو گئی یہ واحد کام تھا جس کو کرتے وقت وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتی تھی۔ وہ لاؤنج و کامن عبور کر کے باہر آئی جہاں چھوٹا سالان دائیں بائیں دو حصوں میں بٹا ہوا تھا اور درمیان میں محرابی صورت میں ماربل کافرش تھا جو داخلی گیٹ تک جا رہا تھا۔ وہ جانتی تھی نانوواک سے واپس آگئی ہیں کیونکہ یہ ٹائم ان کی واپسی کا ہی تھا۔ وہ روز شام ڈھلے



واک سے واپس آتی تھیں۔ اس نے گیٹ کھولا اور سامنے کھڑے اس شخص کی سسلکتی نگاہوں میں کچھ ایسی بات تھی کہ وہ بے اختیار اٹنے قدم پیچھے ہوئی تھی۔

”انشی..... پہچانا نہیں تم نے لاریب.....“

”وینڈرفل..... بہت اچھے آپ مجھے پہچانتی ہیں یہ میرے لیے بڑے اوز کی بات ہے۔ آئیے نا بیٹھیں، کھڑی کیوں ہیں آپ۔“ لاریب پر شادی مرگ کی کیفیت طاری تھی۔

”انشریح..... مہمان سے اس طرح بات کی جاتی ہے؟ چلو جا کر چائے اور کچھا سنیکس بنا کر لے آؤ جلدی سے۔“

”ارے..... ارے آئی آپ پلیز ان سے اس طرح بات نہ کریں، میرے دل کو تکلیف ہو رہی ہے میں چائے نہیں پیوں گا۔“ جہاں آرا کا سخت لہجہ میں بولنا سچ مچ اس کے دل کو ناگوار گزرا تھا۔

”اگر تکلیف ہو رہی ہے تو جاؤ یہاں سے کیوں بیٹھے ہو؟“ اس کی آنکھوں میں گویا جہنم سا جل رہا تھا اور اس کی پیش اسے بے کل بے چین کیے ہوئے تھی اور ہسپتال میں بھی وہ اس کی ایسی ہی غلیظ نگاہوں سے محفوظ رہنے کے لیے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا کرتی تھی۔

”آپ مجھے مہمان سمجھتی ہیں..... بہت دکھ ہوا یہ سن کر آنٹی۔“ اس کے لہجے میں بڑی آزر دہائی تھی۔  
 ”آتے ہی جانے کی باتیں کرنے والے مہمان ہی ہوتے ہیں بیٹا۔“ وہ بھی ایک کائیاں عورت تھیں چرب زبان و مکاری کے  
 فن میں ماہر تب ہی پنک اور بلیک کٹر کے سوٹ میں فریش سی بالی باہر آئی تھی۔  
 ”اوہ آپ.....“ اس نے خوش دلی سے لاریب سے ہاتھ ملایا۔



”آپ نے سرفٹ نہیں رکھے؟“ بالی کے جانے کے بعد وہ حیرانی سے بولا۔

DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

”مما..... آپ کو یقین ہے کہ میں کسی کی باتوں میں آ کر بدگمان ہو سکتا ہوں؟“ اس کا ذہن بھڑکتا ہوا اٹھ اٹھا۔

”پہلے میں کسی قیمت پر یقین نہیں کر سکتی تھی۔“

”اور اب..... یقیناً تم کیا ہے آپ کو؟“

”کیا مطلب ہوا اس بات کا؟“ وہ تیوری چڑھا کر گویا ہوئیں۔

”کون تھا وہ.....؟“ وہ اسے گھورتے ہوئے لفظ لفظ استعجاباً انداز میں جما جما کر کہتی اس کے قریب آئیں۔

”ارے جب بھائی آپ جیسے ہوں گے تو دشمنوں کی ضرورت ہی کیا ہے آج آپ نے ثابت کر دیا۔ باپ پہلے ہی اس کا تے ہوئے بھی نہیں تھا اور آج..... آج بھائی بھی بدل گیا ہے۔“

”مما...مما..... ہرٹ نہاںوں میری بات سمجھنے کی سعی کریں۔“

لہاں کی سی س نے ساکھی کی لون بھاوہ؟ اس نے تاسف بھری نگاہوں سے ماں کا بدگمان چہرہ دیکھا۔





## شکرزول®

نزلہ، زکام اور کھانسی سے  
تحفظ بھی علاج بھی

مکمل سکون

ایک سپون



041-8847667 Fax: 041-8847667  
info@ashraf.com www.ashraf.com

اشرف لیبارٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ









”شیوروائے ہاٹ۔“ انہوں نے نوافل کو بہت احتیاط سے بند پر لٹایا تھا پھر اس کی پیشانی چوم کر کیبل ڈال کر عکرمہ کے روم پر آ کر بیٹھ گئے۔

”بھائی صاحب۔ کیا لگتا ہے آپ کو مونٹری کی پریسنگ پر؟“  
”میں کل کمرہ ہاؤس کا ننوں بھرا رہا ہے۔ آپ ایک ڈریسنگ کی خیرش کو جنم دینے کو بریل تیار رہتی ہے۔“ وہ مسکرا کر گویا ہوئے تھے۔

”پھر کیوں اس دشتِ خار میں سرگرمیوں ہیں؟ چھوڑ دیں خیر باد کہہ دیں بابا ہمارے لیے ایک وسیع جائیداد چھوڑ کر گئے ہیں۔“  
”چیسر میرا شیو نہیں یاد۔ میں لوگوں کے لیے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ یہاں لوگوں کو جب میں بنیادی حقوق سے محروم دیکھتا ہوں تو میرے دل پر ضربیں لگتی ہیں۔ ظالم حکمرانوں کی بے رحمی و بے ضمیرگی کے باعث عوام کینزے کھڑوں کی مانند زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے ہیں اور اس گھن وقت میں میری زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ہر ممکن سہولیات دینے کی کوشش ہوتی ہے۔“  
ان کے لہجے میں حالات کے ستائے لوگوں کا درد تھا۔

”سوری بھائی صاحب۔ یہ مجھے یاد ہی نہ رہا کہ آج آپ کو ریسٹ کرنے کا ٹائم ملا ہے۔ آپ ریسٹ کریں میں جا رہا ہوں۔“ اس خیال کے اتارنے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا وہ بھی اٹھتے ہوئے استغفار کرنے لگے۔

”اس لو کے میں ریسٹ کر لوں گا آپ کوئی بات شیئر کرنے آئے تھے وہ کیا بات تھی؟“ انہوں نے بھائی کے وجہ ہر چہرے پر نگاہیں ڈالتے ہوئے کہا اور ان کو وہ پہلے سے کمرہ اور پڑا ہوا کھائی دیا تھا۔

”عکرمہ۔ کوئی سیریس معاملہ ہے آپ اتنے دیکھ ہو رہے ہیں؟ کیا بیمار ہے ہیں؟“ وہ خامے پریشان ہو گئے تھے۔  
”ارے نہیں بھائی صاحب۔ میں ٹھیک ہوں۔“ مسکرا کر تسلی دی۔

”میری آنکھیں دھوکے نہیں کھا سکتی۔ کچھ کچھ میں بات کیا ہے؟“  
”آپ بلاوجہ فکر مند مت ہوں میں بالکل تندرست و توانا ہوں۔ صرف ایک ٹینشن تھی کہ میرے جانے کے بعد نوافل کا کیا ہوگا۔“

”آپ کے جانے کے بعد۔ کہاں جا رہے ہیں آپ؟“ عکرمہ کا لہجہ بے حد عجیب سا تھا یوسف صاحب کو لگا جیسے کسی نے ان کا دل مٹھی میں جکڑ لیا ہو جو زندگی سے خالی محسوس ہوا تھا۔

”یہ کہاں جانے کی باتیں کر رہے ہیں؟ میرے دل کی حالت بڑی دیگر گوں ہو رہی ہے پلیز۔ عکرمہ میرے دل کو گھائل نہیں کر دو جو کچھ سوچتا ہوں۔“ انہوں نے آگے بڑھ کر اسے لپٹاتے ہوئے کہا تھا۔

”کسی الکی سرزمین پر جانے کا ارادہ کر رہا ہوں جہاں سکون ہی سکون ہو۔“ انہیں محسوس ہوا اس کی آواز بھنگی ہوئی ہے کسی دکھ سے بوجھل بھی۔

”یہ سوچ کر پریشان تھا نوافل کس کے پاس رہے گا لیکن آپ کی محبت دیکھ کر یقین ہو گیا ہے نوافل کو کبھی میری کمی محسوس نہیں ہوگی۔“

”آپ جہاں جانا چاہتے ہیں چلے جائیں اس وعدے کے ساتھ کہ جلد لوٹ کر آئیں گے اور نوافل کی فکر ہرگز کرنے کی ضرورت نہیں۔ نوافل میرے سینے میں دھڑکتے دل کی طرح قریب رہے گا ویسے بھی وہ میری جان ہے۔“ انہوں نے بند پر سوئے ہوئے نوافل پر پیار مہری نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

”بھینٹیں بھائی صاحب۔“ وہ پوری شدت سے ان سے لپٹ گیا تھا۔  
”آپ تو میری امیدوں سے بڑھ کر مہربان ثابت ہوئے ہیں اب مجھے کوئی فکر نہیں ہے بہت سکون سے جا سکوں گا۔“

”مجھے نہیں بتائیں گے کہاں جا رہے ہیں؟“ وہ غصہ ہوتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔  
”بتاؤں گا بہت جلد معلوم ہو جائے گا آپ کو۔“

”شعوانہ بھی ساتھ جائیں گی آپ کے؟“  
”نہیں۔“



”نوفل کی پیدائش نے آپ دونوں کے درمیان فاصلے کھڑے کر دیے ہیں۔“

”وہ اس کو دنیا میں لانے کے حق میں کہاں بھی اس خود پرست عورت کو اپنے فکر اور اسلٹنس کا خیال تھا مگر میری خواہش کے آگے وہ اپنی من مانی نہیں کر سکی۔ نوفل کو اس نے جہنم دے دیا لیکن ماں بن کر بھی وہ ماں نہیں بن سکی۔ وہ اس کو اپنا دشمن سمجھتی ہے اور اس کی خود پسندی کا یہ عالم ہے کہ باہر کسی کو یہ بتانا پسند نہیں کرتی کہ وہ بیٹے کی ماں ہے۔“

”بھئی نہ بھئی اس کی مستی جاگ جائے گی۔“

”نہیں جاگے گی، وہ نونفل کو اس بات پر مارتی ہے کہ وہ کسی کے سامنے اس کو ممالکیوں بولتا ہے۔ مجھے اب احساس ہوا ہے میں نے جذبات میں آ کر ایک غلط عورت کا انتخاب کیا ہے۔“

”آپ نے محبت کی ہے اور جن سے محبت کرتے ہیں ان سے بدگمان نہیں ہوتے یا رومآپ تو بہت بہادر ہے۔“ انہوں نے تسلی دی۔

”اوکے‘ شعوانہ کی کال آ رہی ہے وہ ایک پارٹی میں گئی تھی اب اسے پک کرنے جا رہا ہوں۔“ وہ موبائل پر آنے والی کال سن کر جانے کے لیے فوراً تیار ہو گیا تھا انہوں نے منع بھی کیا وہ بارش ٹھہرنے کا انتظار کرے مگر شعوانہ کی مسلسل آتی کالز نے اسے جانے پر مجبور کر دیا تھا اور وہ سفر اس کا آخری سفر ثابت ہوا تھا۔

عکرمسکی جدائی آج بھی زخم بن کر اس کے دل میں موجود تھی۔

گھر میں ادا سی و خاموشی نے ڈیرے ڈال دیئے تھے، عمرانہ کی خرابی طبیعت نے سب گھروالوں کو پریشان کر دیا تھا۔ دو دن ہسپتال میں رہنے کے بعد وہ گھر آئیں تو بے حد خاموش تھیں۔ ڈرگزر کا استعمال کثرت سے کرنے کی وجہ سے ان کے اعصاب اتنے ناتواں ہو چکے تھے کہ وہ خلاف مزاج کسی کی بات برداشت کرنے کی اہل نہ رہی تھیں کہ شدید ڈپریشن کا شکار ہو جاتی تھیں اس دوران کبھی جنوبی کیفیت کا شکار ہو کر چیخنے چلانے لگتی تھیں یا بے ہوش ہو کر گر جایا کرتی تھیں اور ایسا ماندہ کے معاملے میں ہوا تھا۔ ماندہ کی حرکت کا کسی کو علم نہ ہو سکا تھا کہ سودہ کی عادت تھی وہ راز کو راز ہی رکھتی تھی اور اس حد تک راز داری نبھانے والی تھی جو ہر بات زمر سے شیر کر تی تھی وہ ان سے بھی چھپائی تھی۔

”میں دیکھ رہی ہوں‘ عمرانہ بہو کے مزاج کچھ زیادہ ہی بکڑے ہوئے لگ رہے ہیں۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے ان کی آپس میں کوئی بات ہوئی ہے۔ عمرانہ زید سے بات نہیں کر رہی..... جب بھی اس کو دیکھتی ہیں منہ پھیر لیتی ہیں اور ماتمہ الگ چپ چاپ رہتی ہے۔“ بوا کی باتوں پر سلا دینا تنی سودہ بڑی طرح چوکی تھی۔

”یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں بوا آپ؟ بھلا اس طرح کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ان میں کوئی اختلاف پیدا ہو ایک عمر سے آپ اس گھر میں موجود ہیں اور اس گھر کے اصولوں سے واقف ہیں آپ۔“ زمرہ کہا بفرمانی کرتے ہوئے تنبیہ لہجے میں گویا ہوئیں۔

”بڑی بہو..... سیاہ سے سفید بال میرے سر کے اس گھر میں ہی ہوئے ہیں یہاں کا ماحول مجھ سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔“

”پھر ایسی بات آپ کیوں کر رہی ہیں آپ جانتی ہیں زید عمرانہ کبھی ایک دوسرے سے دور نہیں رہ سکتے۔ زید عمرانہ پر زندگی نچھاور کرتا ہے ان کا پیار مثالی ہے شاید ہی کسی ماں اور بیٹے میں ایسی محبت ہو اس دور میں۔“

”بھابی جان..... کوئی نہ کوئی بات ضرور ہوگی ہے زید اور عمرانہ بھابی کی محبت کی مثال ملنا بہت مشکل ہے لیکن عمرانہ بھابی کو جو چپ لگی ہے اس کے پیچھے کوئی راز ہے ضرور۔“

”ہوا کی بات میں دم ہے۔“ صوفیہ پھلکے بتاتی ہوئی گویا ہوئیں۔  
”بلا وجہ کی قیاس آرائیوں سے بہتر ہے جا کر عمرانہ یا زید سے معلوم کر لو۔“  
”جیسے وہ بتا ہی دیں گے آپ بھی عجیب باتیں کر رہی ہیں۔“

”سودہ بیٹی..... عمرانہ کو کھانا دے آؤ یا اسے تنے میں کھانا لگا رہی ہیں۔“ زمر دان کی باتوں کو ان سنی کر کے ٹرے میں پرہیزی کھانا







جکڑے رہا تھا گو کہ اس نے اسے لفٹ نہ دی تھی مگر وہ ذرا بھی پیچھے نہیں ہٹا تھا۔ نانی سے باتیں کرتے ہوئے وہ اسے ہی تاڑتا رہا تھا۔ دل تو کر رہا تھا اس کی خبیث آنکھیں نوچ کر پھینک دے مگر اس کو دیکھ کر نانی خوشی سے ایسے نہال تھیں گویا اس سے بڑھ کر ان کو کوئی عزیز نہیں ہے اور ان کے مہمان کے ساتھ گستاخی کرنے کا مقصد ان کو اپنا دشمن بنانا تھا اور ان دونوں کے درمیان صلح ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا سو وہ ان کی حکم پر کافی بنانے چلی گئی تھی اور بابی کے آ جانے پر وہ کچن سے نکل کر بیرونی راستے سے جو لان کی طرف سے ہو کر اس کے کمرے میں آتا تھی پھر رات کو کھانے پر نانی سے خوب ڈانٹ پڑی تھی اور وہ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکالتی رہی تھی۔



استفسار کیا۔

”میرے فادر کی بری تھی میں اس وجہ سے نہیں آ سکا تھا۔“

”اوہ..... آپ کے فادر کی ڈیڑھ ہو چکی ہے بہت افسوس ہوا سن کر۔“ ماہین نے دلی ہمدردی کا اظہار کیا۔

”اور آپ کی مدر؟“ عاصفہ کا لہجہ بھی ہمدردانہ تھا۔

”ان کا بھی افسوس ہی کر لیجیے۔“ اچانک اس کا موڈ بگڑا تھا وہ پہلے دیکھ کر کا تھا انشراح کے بگڑے موڈ کی برہمی عاقلہ

اس کو کچھ سمجھانے کی سعی کر رہی تھی اور وہ غصے سے بولنے کے ساتھ گردن بھی نگی میں ہلا رہی تھی اور اسی انداز میں وہاں سے چلی گئی تھی۔

اس کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ عاقلہ یقیناً اس کی حمایت میں کچھ کہہ رہی تھی جو ابادہ غصے میں بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی تھی۔

”اوہ..... سو سیڈ نفل بھائی۔“ آواز میں حقیقی دکھ تھا۔

”یہ سب اللہ کی رضا ہے اور میں رب کائنات کی رضا میں راضی ہوں اور مانتا ہوں جب وہ کچھ لیتا ہے تو بدلے میں بہت کچھ اور بہت عمدہ دیتا ہے میں اب جن کا بیٹا ہوں انہوں نے مجھے اتنی محبت دی ہے کہ شاید میرے والدین بھی مجھے نہ دے پاتے۔“ وہ بمشکل اپنی طبیعت پر ضبط کرتا ان سے مخاطب تھا انشراح نے اس دن اس کی دھمتی رگ کو چھٹرا تھا وہ اسے معاف کرنے کو تیار نہ تھا۔

”مائدہ..... اب کیا اپنی ماما کو بھی نہیں بتاؤ گی؟“ عمرانہ رات کو سونے کے لیے لیٹیں تو راز دارانہ انداز میں قریب بیٹھی مائدہ سے بولیں۔

”کیا پوچھ رہی ہیں آپ؟“ وہ ہراساں ہو کر رہ گئی۔

”وہ راز جو زید نہ جانتے ہوئے بھی جان گیا تھا۔ کیون ہے وہ لڑکا جس کے ساتھ تم گئی تھیں؟“ ان کی نگاہیں بیٹی کے رنگ بدلتے چہرے پر تھیں جو پریشانی و گھبراہٹ کا شکار ہو رہی تھی۔

”مما.....مما وہ..... عفر کا فرینڈ کے فرینڈ ہے۔ میری اس سے فرینڈ شپ عفر نے کروائی تھی زبردستی۔“ وہ زور و شور سے رونے لگی۔

”زبردستی..... ہونہہ کیا نام ہے اس کا؟“

”کاشف۔“ وہ سخت خوف زدہ تھی۔

”کہاں گئی تھیں تم اس کے ساتھ؟“ وہ گرجیں۔ مائدہ نے بتانے کے بجائے رونا شروع کر دیا تھا زید کا تھپڑا آگ بجولہ ہوتا پھر اب یہ ماما کا غصہ اور تفتیشی انداز وہ برداشت نہ کر پائی۔

”کرب سے چل رہا ہے یہ سلسلہ؟ تم اتنی بڑی ہو گئی ہو کہ مجھ کو بھی بتانا گوارا نہ کیا اور آنکھیں بند کر کے اس سے ملنے پہنچ گئیں۔“

”پلیز ماما..... آپ خفامت ہوں۔“ اس نے ماں کو مضبوط ڈھال جان کر پیچھے چھپنا چاہا تھا مگر وہ ڈھال وقتی ثابت ہوئی تھی شاید اس کو زید کی نگاہوں سے گرنے سے بچانے کے لیے انہوں نے اس کی ایک نہ سنی تھی اور سچ جان کر بھی زید کی سچائیوں کو

جھٹلاتی رہی تھیں اور تنہائی میں صرف سچ سننے کی متمنی تھیں پھر وہ بھی بتاتی چلی گئی تھی۔ کاشف کے علاوہ بھی اس کی دوستی نوید، شان اور مزمل ناموں کے لڑکوں سے رہی تھی۔ کاشف سے دوستی حال ہی میں ہوئی تھی اور کل اس نے اس سے ملاقات کے لیے پلان

بنایا اور پلاننگ کامیاب بھی رہی تھی۔ سودہ سے بھیڑ میں وہ ہاتھ چمڑا کر تیزی سے وہاں سے نکل گئی تھی باہر سے کاشف نے پک کر لیا تھا اور وہ پارک میں گھومتے رہے تھے۔



اس کے باپ کی بری گزر گئی تھی لیکن ہر سال کی طرح وہ مضطرب بے سکون تھا کہ اس دوران ماضی کے زخم تازہ ہو جاتے تھے اور ایسے میں بڑے پایا اور ماما اس کا خیال اس طرح رکھتے گویا وہ کوئی کمسن بچہ ہو۔ ان کی ہر خلوص محبتیں و شفقتیں اس کے اندر کی تکلیف کو وقتی طور پر تسکین ضرور دیا کرتی تھیں مگر مدام نہیں بن سکتی تھیں کہ جن باتوں کو وہ بھلانا چاہتا تھا وہ اور شدت سے یاد آتی تھیں۔ وہ بھی ایک رات بھی ماما اور پاپا کی تیز آوازوں سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔

”شعوانہ..... یہ ٹائم ہے تمہارے گھر آنے کا؟ نہ تمہیں بچے کی فکر ہے اور نہ میری عزت کا خیال آدمی آدمی رات تک باہر رہتی ہو تم؟“

”تم کو کوئی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے ڈیر..... میرے ساتھ راجو ہوتا ہے وہ اچھا شو فر بھی ہے اور بہترین باڈی گارڈ بھی۔“

”راجو؟ میں نے کہا نہ تم اس سے دور رہا کرو اس کو تمہارے ساتھ میں دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا ایک آنکھ نہیں بھاتا مجھے وہ۔“  
”تم راجو کو دیکھنا نہیں چاہتے تو آنکھیں بند کر لو وہ میرے ساتھ ہی رہے گا۔“ اس نے صاف صاف کہا تھا۔  
پاپا ٹائٹ سوٹ میں پریشان کھڑے تھے جبکہ ماما خوب بھی سنوری گردن اکڑ کر ان کے مد مقابل کھڑی تھیں بے خوف انداز میں۔

”وہ دو کوڑی کا ملازم تمہیں اتنا بھا گیا کہ تم کو میری بھی پروا نہیں رہی؟ شمیم ان یو شعوانہ..... مجھے نہیں معلوم تھا تم اتنا گرجاؤ گی۔“

”میں ایسی اسٹوڈنٹ باتوں سے ہرٹ نہیں ہوتی“ تم اپنے بیٹے کی خاطر لائف کی ساری ایکٹیویٹیز سے بے گانہ ہو گئے ہو کلب، پارٹیز، فرینڈز سب کو چھوڑ بیٹھے ہو۔ میں نہیں چھوڑ سکتی یہ سب زندگی ایک بار ہی ملتی ہے اور اس کو بھی انجوائے نہ کیا جائے تو زندہ کیوں رہیں؟“

”تمہاری اسی بے راہ روی کی وجہ سے نوفل دس سال کی عمر میں ذہنی طور پر بیس سال کا ہو گیا ہے وہ از حد حساس و ذہین بچہ ہے۔“

”اپنے باپ پر گیا ہے ذہانت و حساسیت میں ہونہ۔“ وہ بڑبڑاتی ہوئی ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئی تھیں۔  
پاپا نے دوسرے دن صبح ہی راجو کو نوکری سے نکال دیا تھا جس پر دونوں کے درمیان زبردست لڑائی ہوئی تھی اور وہ روٹھ کر میکے چلی گئی تھیں پھر خلاف توقع خود ہی واپس آ گئی تھیں اور اس بار انہوں نے مردوں سے دوستی کرنا شروع کر دی تھی۔ پاپا کی غیر موجودگی میں کوئی نہ کوئی دوست ان کے ساتھ ہوتا اور وہ اسے آ یا کے سپرد کر کے بیڈ روم میں بند ہو جاتی تھیں کسی ملازم و ملازمہ کی ہمت نہ تھی کہ ان کی حرکتوں کی خبر پاپا کو کر دیتے ان سے سب ڈرتے تھے۔ گہری سانس لے کر وہ ماضی کی روشنیوں و اندھیروں سے بھری وادی سے واپس آ یا تھا البم میں لگی ان کی فوٹو کو عقیدت سے چومتا تھا۔

”پاپا..... آپ بے حد شریف النفس، محل پسند و اعلیٰ قوت برداشت کے مالک تھے آپ کو اس عورت کی تمام ذلیل حرکتوں کا علم تھا۔ آپ اس کی بے حیائی و بے وفائی سے اچھی طرح واقف ہو گئے تھے آپ سے آپ کے دوست شجاع نے کہا تھا۔“  
”عکرمہ..... بھابی کی رسوائی سب لوگوں میں ہو رہی ہے بہتر یہی ہے تم ان کو فوراً طلاق دے دو۔“  
”یہ ناممکن ہے کہ اس کو طلاق دے دوں۔“ لہجہ جھم تھا۔

”ابھی بھی تم ان کو چھوڑنے کو تیار نہیں ہو؟ اب بھی محبت ہے وہ تمہاری۔“ وہ غصے و تاسف سے کہہ رہے تھے۔  
”وہ صرف میرے بچے کی ماں ہے اور میں نہیں چاہتا میرا بیٹا طلاق یافتہ ماں کا بیٹا کہلائے اور کپیلیکس کا شکار ہو۔“  
”طلاق یافتہ..... کیا ان کے کردار کی وجہ سے آوارہ و بدچلن ماں کا بیٹا ہونے کے طعنوں سے بچ پائے گا نوفل..... لوگ بھول جائیں گے؟“

”ہاں وقت کے گزرتے گزرتے گرداب میں ایسی باتیں دب جایا کرتی ہیں۔“  
”ٹھیک کہا تھا پاپا آپ نے وقت کی گرد میں وہ رسوائیاں تحلیل ہو کر رہ گئی تھیں لیکن میرے دل میں آج تک یہ گردِ خار بن کر



چھپی ہوئی ہے وہ سب مجھے ابھی تک ازبر ہے آپ کی بے بسی اور اس عورت کی بے حیائی آپ کی خاموشی و اس کی زبان دیرازی آپ کی ڈھیل اس کی چھوٹ آپ کی وفا اور اس کی بے وفائی.....“ اس کے وجہ سے چہرے پر سرخی آئی آنکھوں میں کی جم گئی تھی وہ باپ کی فوٹو کو چومے جا رہا تھا۔ اس کا باپ ایک مظلوم و شریف آدمی تھا شرافت محل و درگزر کا مکمل پیکر ان جیسے لوگ کم ہوتے ہیں عموماً مرد کسی بھی کمگیری سے تعلق رکھتا ہو بنگلے میں رہتا ہو یا جھونپڑی میں وہ عورت کو پاؤں کی جوتی سمجھنا اپنی شان سمجھتا ہے۔ موقع بے موقع اس کی تذلیل و اہانت کر کے مردانگی کے زعم میں مبتلا رہتے ہیں لیکن اس کا باپ ایک فاحشہ عورت کو بیوی کے روپ میں پا کر بھی صبر و برداشت کا حامل رہا تھا۔ اس کا کردار و اخلاق اعلیٰ بلند یوں کو چھوٹا تھا اس نے اکہم سرہانے رکھا اور آٹھ مہینے بند کر کے لیٹ گیا۔

”عورت کی عزت وہ مرد نہیں کرتے جو عورت کے قابل نہیں ہوتے ہیں۔“ آنکھ بند کرتے ہی وہ حسین چہرہ شعلوں میں لپٹا دکھائی دیا تھا۔

”تم عورت کی انسلٹ کر کے ظاہر کرتے ہو کہ تمہاری ماں اچھی عورت نہیں تھی۔“ وہ مسکراتا چہرہ پوری شدت سے اپنا مذاق اڑاتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

مائدہ کی وہ معیوب حرکت ان تینوں کے درمیان ہی دب کر رہ گئی تھی۔ ہمارے بوا کی جہاندیدہ نگاہوں نے ان کے درمیان جاری خاموش رسہ کشی محسوس کی تھی مگر سن گن لینے کے باوجود بھی کچھ معلوم نہ کر سکیں تو اپنی دنیا میں مگن ہو گئیں ویسے بھی عمرانہ اور مائدہ کی گھروالوں سے دور دور رہنے کی عادت نے ان کا بھرم رکھ لیا تھا اور کسی کو کانوں کان پتہ نہ چل سکا تھا۔ چند دنوں میں عمرانہ بیگم کی طبیعت سنبھلی تو مائدہ اسے اور سودہ کے مشترکہ کمرے میں چلی آئی تھی۔ نماز ادا کر کے کھڑی ہوئی سودہ کو دیکھ کر نفرت سے منہ پھیر لیا تھا جبکہ وہ سب بھلا کر ہنسکراتے ہوئے گویا ہوئی۔

”ممانی ہو مائدہ..... ممانی جان کی طبیعت کیسی ہے؟“  
 ”تم سے مطلب‘ تم ہوتی کون ہو مجھ سے پوچھنے والی؟“ اس کے مسکراتے لب ساکتہ گئے وہ حیرانی سے گویا ہوئی۔  
 ”مائدہ..... تم کس کچے میں بات کر رہی ہو کیا ہوا ہے؟“

”اس لہجے میں بات کر رہی ہوں جس لہجے میں کرنی چاہیے۔ میں نے تمہیں بہن دوست سمجھا کس قدر محبت و اعتماد کرتی تھی برتم نے ثابت کر دیا کہ دوست ہوتا نہیں ہر کوئی ہاتھ ملانے والا۔ بہن وہی ہوتی ہے جو ماں کی کوکھ سے جنم لے ہاں تم جیسے لوگ آستین کے سانپ ضرور ہوتے ہیں جو موقع ملتے ہی ڈس لیتے ہیں۔“ اس کا لہجہ اس کا انداز اس کے لفظوں کی کاٹ گھماں کرتی گئی۔

”کچھ عرصے سے میں محسوس کر رہی ہوں، تم بدل رہی ہو، مجھ سے دور ہو رہی ہو مگر تم اتنی بدل جاؤ گی، اتنا دور ہو جاؤ گی میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا، شکوہ کرنا میرا حق تھا، شکایت مجھے کرنا چاہیے تھی کہ سراسر زیادتوں و غلط بیانیوں کی تلوار سے تم مجھے ہی زخمی کر رہی ہو۔“

”ہونہہ..... میں نے جو کیا وہ ٹھیک کیا تم سمجھتی ہو زید بھائی کو درغلا کر ہم سے چھین لو گی؟ اپنا پتا لو گی لیکن ایسا کبھی نہیں ہوگا۔“

”تم فضول مت بولو پلیز اگر مجھے معلوم ہوتا کہ وہ سب ہوگا تو میں کبھی بھی زید بھائی کو کال نہ کرتی۔ اللہ گواہ ہے جب تم کئی گھنٹے ڈھونڈنے کے بعد نہیں ملی تو میں نے گھبراہٹ و خوف سے زید بھائی کو کال کی تھی۔“ وہ روہاسی ہو رہی تھی۔

”میں کوئی دودھ پیتی پچی ہوں جو کم ہونے کا خدشہ تھا یا میں ایسی ناسمجھ و نادان تھی کہ جس کا دل چاہتا کڈ نیپ کر لیتا مجھے۔“ وہ دھپ سے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے ٹانگیں اوپر کر کے نخوت سے بولی۔

”مائدہ..... مائدہ تم یہ سمجھتی ہو سب میری وجہ سے ہوا ہے تو پلیز مجھے مارو اور اس وقت تک مارو جب تک تمہارے اندر کی نفرت و غصہ صاف نہ ہو جائے تمہارے یہ انداز یا جیسی لہجہ مجھے مار ڈالے گا۔“ وہ رو پڑی تھی۔







## ماریہ محبوب

میراثام ماریہ محبوب ہے اور سرگودھا کے ایک چک 29 کی رہنے والی ہوں میں اس خوب صورت گاؤں اور اپنے گھر کو رونق بخشنے کے لیے 28 اگست 1995ء کو اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئی۔ ہم چار بھائی بہن ہیں ایک بہن (مابدولت خود) اور تین بھائی جو کہ مجھ سے چھوٹے ہیں۔ میں ایف ایس سی کی طالبہ ہوں اور رزلٹ کا انتظار ہے مجھ سے چھوٹا بھائی 9th میں پڑھ رہا ہے اور چھوٹے دونوں بھی 5th اور 3rd میں پڑھتے ہیں۔ میرے ابو کو اس دنیا سے گئے ہوئے اور ہم سے پچھڑے ہوئے 4 سال ہو گئے ہیں ان کی مغفرت اور میری امی کی صحت کے لیے دعا کیجیے گا۔ عادتوں میں بہت ضدی ہوں مجھے کھانے میں بریانی، مٹر قیمہ اور گو بھی پسند ہے سویت میں برنی پسند ہے۔ کلرز میں بلیک اور لائٹ بلیو پسند ہے میں حقیقت پر مبنی اصولوں کی پابند ہوں۔ مجھے سادگی بہت پسند ہے خاص طور پر لڑکیوں میں آرمی جوائن کرنے اور یونیورسٹی میں پڑھنے کا بے حد شوق ہے گھر کے کاموں میں تھوڑی سی کام چورتو نہیں ہوں مگر دل جلدی اکتا جاتا ہے بس کوکنگ کا شوق ہے وہ بھی حد تک زیادہ نہیں۔ زیادہ بورمت ہوں اور نہ ہی گھوریں جاری ہوں چھوڑ کے یہ محفل۔ اللہ حافظ۔

”میں محبت میں دکھاوے کا قائل نہیں ہوں۔“  
”اچھا، تبھی آج تک مجھے بھی معلوم نہ ہو سکا کہ تم کس سے محبت کرتے ہو۔ چلو اب تو بتاؤ کون ہے وہ خوش نصیب؟“ اس کی رگ شرارت پھڑک اٹھی تھی۔

”تم سے کتنی بار کہا ہے میں ان خرافات کا قائل نہیں ہوں۔“ وہ سخت لہجے میں جھڑک کر گویا ہوا۔  
”محبت خود قائل کر لیتی ہے تم کو مشقت کی ضرورت نہیں۔“

”چائے کافی سوٹ ڈرنک کیا لو گے؟“ وہ غلط وقت برآ یا تھا وہ آج کل عجیب طوفانوں کی زد پر تھا اور وہ اگر اس کی آنکھوں میں جھانک لیتا تو پھر سب کچھ عیاں ہونے میں وقت نہیں لگتا دل راز چھپا لیتا ہے۔ آنکھیں ایسا طرف کہاں رکھتی ہیں اور یہ وہ راز تھے جن کو ماننے کے لیے وہ بھی ابہام کا شکار تھا۔  
”فریش لائم جوس منگوا لو۔“ وہ اس کی طرف شکایتی انداز میں دیکھتا ہوا بولا۔



وقت جب خلاف ہوتا ہے تو سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے نامعلوم وقت سے اس کی کیوں ٹھن گئی تھی جو گھر میں بھی وہ تنہا ہو گئی تھی اور یونیورسٹی میں بھی اس کی دوستیں زیادہ تر ٹائم نوفل کے ساتھ گزارنے لگی تھیں۔ کل تک جو شخص لڑکیوں کی پرچھائیوں سے بھی گریزاں تھا وہ اب اکثر ان کے ساتھ رہتا تھا اور اس کی نظر صرف عاصفہ نرگس اور ماہین کے لیے تھی۔ یونیورسٹی کی دوسری لڑکیوں کے لیے اس کا رویہ بے لچک تھا۔ اب بھی یہی ہوا تھا وہ گھر جانے کے لیے عاصفہ کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ عاصفہ نوفل کے بلانے پر کار کی چابی اسے تھا کر اس کی طرف چلی گئی تھی اور اب ایک گھنٹے سے زائد وقت گزرنے کے باوجود بھی ان کی باتیں ختم نہیں ہو رہی تھیں۔ پہلے اس نے پروانہ کی اور رخ موڑ کر گزرتے ہوئے اسٹوڈنٹس اور اساتذہ کو جاتے دیکھتی رہی لیکن کب تک دس منٹ، تیس منٹ، چالیس منٹ، ایک گھنٹہ مزید دس منٹ اس کی قوت برداشت جواب دے گئی اس نے گھوم کر ان کی طرف دیکھا تھا غیر ارادی نگاہ نوفل پر ہی پڑی تھی۔ وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا مگر مغرور آنکھوں کی مسکراہٹ بتا رہی تھی وہ اس کی طرف نہ دیکھ کر بھی پوری طرح سے اس کی طرف متوجہ ہے اس کی ہنسی جھلاہٹ جلنے کڑھنے سے پوری طرح حظ اٹھا رہا ہے چڑا رہا ہے۔

”میں جا رہی ہوں۔“ وہ غصے سے بھری عاصفہ سے وہاں آ کر مخاطب ہوئی اور کی رنگ اسے تھا کر سیڑھیاں اترتی چلی گئی۔  
”اومائی گاڈ اشی..... اشی میں آ رہی ہوں میری بات تو سنو؟“ عاصفہ نوفل اور بابر کو بائے کہتی ہوئی اس کے پیچھے بھاگی نرگس اور ماہین بھی اس کے ساتھ ہوئیں تھیں۔







## نمرہ نور

السلام علیکم! آنجل و حجاب اشاف اور قارئین کو نمرہ کا محبت بھرا سلام قبول ہو۔ میرا نام نمرہ نور ہے میں 26 نومبر 1999ء کو اس دنیا میں تشریف لائی، میرا اشارت قوس ہے۔ میں اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی ہوں، میری پسندیدہ ڈش بریانی ہے، میرا پسندیدہ کھانا بلیک سی گرین اور لاسٹ پنک ہیں۔ مجھے لباس میں ساڑھی اور فرائی بہت پسند ہیں۔ فرسٹ انر کی طلبہ ہوں، میرے پسندیدہ مضمون فزکس اور ریاضی ہیں۔ میری بہت سی فرینڈز ہیں لیکن اقراء میری بیسٹ فرینڈ ہے۔ میری خامی یہ ہے کہ میں ہر کسی پر جلد اعتبار کر لیتی ہوں اور میری خوبی یہ ہے کہ میں ہر ایک کو معاف کر دیتی ہوں۔ میری پسندیدہ رائٹر سمیرا شریف طور اور نازیہ کنول نازی ہیں۔ مجھے اپنی فیملی سے بہت محبت ہے، آئی لومائی آل فیملی ممبر آپ سب کو مجھ سے مل کر کیسا لگا ضرور بتائیے گا، اب اجازت دیں اللہ حافظ۔

اس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے لائق سے شانے اچکائے اور دونوں کاریں آگے بڑھتے ہی اس کے لمبوں پر جاندار مسکراہٹ دہرائی تھی۔

”مجھ سے جیتو گی تم؟ مجھے شکست دو گی، نونل عکرمہ کو۔ جو تم جیسی لڑکیوں کے وجود سے اس زمین کو پاک کرنا چاہتا ہے ایک ہلکی سی چوٹ تم برداشت نہیں کر سکی اور بات کرتی ہو مجھ سے مقابلہ کرنے کی؟“ وہ گنگنا تا ہوا کار کی طرف بڑھا۔

منور صاحب کے اصرار پر زمرہ بیگم نے نہاری ریکائی تھی جو دم پر تھی، زمرہ بیگم کے پکائے گئے کچھ کھانے گھر والے بڑے شوق سے کھاتے تھے جن کھانوں میں سرفہرست نہاری بھی تھی ساتھ بیٹھے میں منجن اور نان کی تیاری ہو رہی تھی۔ منجن بھی تیار ہونے پر تھا منور صاحب بھند تھے کٹان کی جگہ پر اٹھے بننے چاہیے۔

”نہاری کے ساتھ خستہ کرارے پر اٹھے کھانے کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔“

”کچھ تو اپنی بیماری کا خیال کریں، آپ کے اسی چٹورے پن نے آپ کو دل کا روگ لگا دیا ہے اور آپ ہیں کہ پرواہی نہیں کرتے۔“ وہ فکر مند تھیں۔

”دل کا روگ تو ہمیں اس دن ہی لگ گیا تھا جب آپ کو پہلی بار دیکھا تھا۔“ ان کی بڑبڑکی پرواہ لگا کر رہ گئیں۔

”کچھ تو خیال کریں، صوفیہ بیٹی ہے کیا سوچے گی۔“

”بھائی جان..... آپ یہ سمجھتے ہیں یہاں ہوں ہی نہیں۔“ وہ بھی شوخی سے بولیں۔

”تم روٹنگ نمبر تھوڑی ہو جو چھپ چھپ کر بات کروں، ارے بھئی، اپنے نام تمہارے جملہ حقوق لکھوا کر لایا ہوں کوئی مذاق نہیں کیا۔“

”تو بہ ہے بھئی، کبھی کبھی آپ حد کر دیتے ہیں۔“ وہ مسکرائیں۔

”محبت ہی اتنی کرتے ہیں کیا کریں اور آپ کی محبت اب ظاہر ہوگی جب آپ مل والے پر اٹھے بنا کر کھلائیں گی۔ واہ کیا بل ہوتے ہیں ایسے مل آپ اپنی چٹیا میں بھی نہیں ڈالتی.....“ وہ آج موڈ میں تھے۔

”کچھ سمجھیں بھابی جان..... یہ محبت دکھاوا ہے محض پر اٹھے کھانے کے لیے آپ کے سکے لگائے جا رہے ہیں۔“ وہ کھلکھلا کر ہنس دی تھیں۔

”آپ لوگ سکے سمجھو یا محبت آج پراٹھوں کا امتحان ہے۔“ وہ کہہ کر وہاں سے چلے گئے تب ہی عمرانہ تیار ہو کر وہاں آئی تھیں۔

”بھابی..... میں ماندہ کو لے کر رضوانہ اپیا کے گھر جا رہی ہوں۔“ صوفیہ کو وہاں دیکھ کر ان کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی تھی۔

”نصیر نے کارادہ ہے یا رات تک واپس آ جاؤ گی؟“



”کل آؤں گی پھر مائدہ کے کالج کی چھٹیاں ختم ہو جائیں گی۔“ جواباً زمر نے ان کو محبت سے اللہ حافظ کہا اور صوفیہ کو انگور کر کے مائدہ کا آؤں دیتی ہوئی چلی گئیں۔

”بھابی جان..... آپ مائیں یا نہ مائیں ہر دوسرے روز بھاگ بھاگ کر ان دونوں کا وہاں جانا مجھے دال میں کچھ کالا لگتا ہے۔  
 مائدہ کو دیکھا ہے آپ نے وہ کتنی بدل گئی ہے تنہائی پسند ہو گئی ہے اور تو اور اب میں اسے آئینہ کے سامنے کھڑا دیکھتی رہتی ہوں۔  
 لڑکیوں کا زیادہ خود کو آئینے میں دیکھنا ان میں خود سری و بغاوت پیدا کر دیتا ہے۔“ عمر انہ اور مائدہ کو جاتے ہی وہ ان سے راز دارانہ  
 انداز میں بولیں۔

”ہاں“ کہہ تم ٹھیک ہی رہی ہو۔ مائدہ پہلے والی مائدہ نہیں لگ رہی، تم پہلے سودہ سے معلوم کرو ان کا ہر وقت کا ساتھ ہے وہ بہتر جانتی ہوگی۔“

”میں نے پوچھا تھا اس سے وہ کہنے لگی امی وہم ہے آپ کو ایسا کچھ نہیں“ آپ ایسی باتیں نہیں کیا کریں۔“ وہ منہ بنا کر گویا ہوئیں۔

”شاید ایسی ہی بات ہو صوفیہ..... تمہاری کسی بھی بات سے مجھے اختلاف نہیں کہ اس عمر میں لڑکیوں کی دیکھ بھال بہت احتیاط و گہری نگاہوں سے کرنی پڑتی ہے پھر ہمارے بچوں کو نگہداشت کی زیادہ ضرورت ہے خیر سودہ پر اعتماد ہے وہ مائدہ کو کوئی غلط قدم اٹھانے نہیں دے گی۔“

ہسپتال سے ڈریسنگ کمرہ اور بابر اس کو گھر لے آئے تھے۔ نانی گھر میں نہیں تھیں، بالی نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا کیونکہ وہ درد سے تڑپتی رہی تھی اس لیے ڈاکٹر نے خواب آور دوائیوں کے علاوہ اسے پین کلر انجکشن بھی لگایا تھا اور وہ گھر آتے ہی سو گئی تھی۔ بالی کے اصرار کے باوجود بھی وہ دونوں نہیں بیٹھے تھے کما ج پہلے ہی بہت لیٹ ہو گئے تھے جب بالی نے چوٹ لگنے کا سبب پوچھا تھا انہوں نے ایک دوسرے کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا تھا عجیب اتفاق تھا دونوں میں سے کسی نے بھی چوٹ لگنے کی وجہ نہیں پوچھی تھی اور اب بالی کے استفسار پر ان دونوں کو احساس ہوا تھا۔

”وہ..... وہ پتھر لگ گیا تھا“ ٹھوکر سے زخم ہو گیا۔“ عاصفہ کو یاد آیا کہ پارکنگ کی طرف باؤنڈی وال پر پتھر لگے ہوئے ہیں وہ نفل کو اپنی طرف آتے دیکھ کر غصے سے آگے بڑھی تھی اور تب ہی پتھر اس کے پاؤں کو گھائل کر گیا ہوگا کیونکہ اور کوئی چیز نہیں تھی وہاں۔ بالی کے ساتھ وہ گویا خود کو بھی مطمئن کر کے چلے گئے تھے۔ نامعلوم کتنے ٹائم تک وہ سوئی رہی تھی سو کر اٹھی تو پاؤں میں درد قدرے کم محسوس ہوا تھا لیکن دھن کا احساس جوں کا توں موجود تھا۔ اس کو جاگتے پا کر بالی اور نانی کمرے میں آئی تھیں۔

”اب کیسی طبیعت ہے تمہاری بے بی؟“ بابلی اس سے آ کر لیٹ گئی تھی۔

”کیسے لگ گیا پتھر؟“ ثانی اس کا گل سہلا کر گویا ہوئیں۔

”پتھر؟“ ثانی کی بات پر اسے حیرانی ہوئی۔

”عائفہ بتا رہی تھی تمہارے باؤں میں پتھر کی ٹھوکری ہے۔“

”پتھر..... ہاں پتھر نے ہی گھاتل کیا ہے، وہ ایک پتھر ہی تو ہے۔“ اس کی نگاہوں میں وہ منظر از سر نو تازہ ہوا تھا۔

”کیا کہہ رہی ہو؟ ذرا زور سے کہو بیٹا۔“

”یہ دواؤں کے زیر اثر شام سے سو رہی ہے اب رات کے دس بج رہے ہیں میں کھانا یہیں لے آتی ہوں تم کو بھی بھوک لگ رہی ہوگی۔“ بالی کھانا لینے چلی گئی تھی پھر اٹنے قدموں واپس آئی تھی۔

”ماسی..... لاریب صاحب آئے ہیں وہ پوچھ رہے ہیں آپ کا۔“

”جا کر کہہ دو اس سے نانی گھر میں نہیں ہیں واپس چلا جائے وہ۔“ نانی کے بولنے سے قبل ہی وہ منہ بنا کر کہہ گی۔

”ان سے جا کر کہتا رہی ہوں انشراح کا دماغ خراب ہی رہتا ہے“

”دماغ خراب ہی ہوگا نانہ... جب آپ کسی غیر کی خاطر مجھے تنہا چھوڑ دیں گی آپ کو میری نہیں دوسروں کو فکر رہتی ہے۔“



## مریم عنایت امیر

السلام علیکم! آنجل وحجاب اشاف اور قارئین کو محبت بھر اسلام قبول ہو۔ میرا نام مریم عنایت ہے 14 مارچ 2002ء کو اس دنیا میں تشریف لائی میرا اشار پاسز ہے۔ میں اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی ہوں وہ مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں میری دو دوستیں ہیں ایک ردارحمان اور دوسری مریم فدا۔ میں نیم (اے) میں پڑھتی ہوں آنجل وحجاب میں میری جان ہے۔ پسندیدہ ٹیچر سارہ ہیں اور پسندیدہ منکر راحت فتح علی خان ہے۔ پسندیدہ لباس ساڑھی ہے پسندیدہ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پسندیدہ ناٹرز ”ٹوٹا ہوا تارا“ خدا اور محبت اور تیرے لوٹ آنے تک“ ہیں۔ مستقبل میں ڈاکٹر بننے کی خواہش ہے رنگوں میں بلیک اور پنک بہت پسند ہے۔ کزنز میں نمرانور خدیجہ زہرا اور سکی (عبدالمسیح) اچھے لگتے ہیں۔ میرا پسندیدہ سبجیکٹ ”بائیولوجی اور کیمسٹری“ ہے۔ پسندیدہ نام انا ہے اچھا اب اجازت دیں اللہ حافظ۔

”جب غیر اپنوں سے زیادہ فکر کریں گے تو غیروں کی ہی فکر ہوگی اور تم اپنی مرضی سے تنہا ہوئی ہو ورنہ تمہاری تنہائی بھی دور کرنے کے لیے کسی کی کمی نہیں ہے ایک بار اپنے خول سے باہر تو نکلو۔“

”جب میرے اپنوں کے پاس ٹائم نہیں ہے میرے لیے پھر میں کیوں غیروں کا سہارا لوں تنہائی دور کرنے کے لیے۔“ وہ سر جھٹک کر بولی۔

”ماسی..... کیوں بحث کرتی ہو دیکھ رہی ہوں یہ کتنی تکلیف میں ہے۔“ ہمیشہ کی طرح بالی نے تڑپ کر اس کی حمایت لی۔

”اوہ تکلیف..... عورت تو نام ہی درد و تکلیف کا ہے اس ننھے سے زخم سے کیا ڈر رہی ہو مجھے۔ عورت کو نامعلوم کیسے کیسے درد و تکلیف کے مراحل سے گزرتے رہنا ہوتا ہے جہاں ایسے زخموں کی کوئی اوقات نہیں ہوتی۔“ وہ بڑبڑاتی ہوئی چلی گئیں۔

”تمہیں کیا ضرورت تھی اس کمینے کو اندر لانے کی باہر سے ہی واپس نہیں بھیج سکتی تھی جب دیکھو منہ اٹھا کر چلا آتا ہے۔“ دل کی ساری بھڑاس بالی پر ہی نکالی۔

”اس نے مجھے بولنے کا موقع ہی کہاں دیا گیٹ کھلتے ہی اندر چلا آیا ویسے بھی ماسی کا بہت سرچہ چا ہے۔“ جواباً وہ کچھ کہے بنا آنکھوں پر بازو رکھ کر لیٹ گئی۔

”اچھا تم اب کڑھتی مت رہنا ماسی کی عادت کا معلوم ہے نہ اگر ان کے مہمانوں کو برا کہہ دیا جائے تو وہ برداشت نہیں کرتیں۔“ بڑی بہن کے انداز میں بالی نے پیار سے اس کو سمجھایا۔

”او کے جاؤ تم مہمان کی مہمان نوازی میں دیر ہو گئی تو پھر نا نوچینے چلانے لگیں گی۔“ وہ آہستگی سے گویا ہوئی اور سوچ لیا تھا وہ نونہل کو تماشا بنادے گی۔

زید کو عمرانہ اور ماندہ کا رضوانہ خالہ کے گھر جانا بالکل پسند نہ تھا مگر ماں کے خیال سے کہ وہ اپنی اکلوتی بہن سے مل کر خوش ہوتی ہیں ورنہ وہ کسی سے ملنا ہی گوارا نہ کرتی تھیں۔ ان کی محبت میں وہ سب برداشت کرتا رہا تھا لیکن اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ ماندہ کے اصل بگڑنے کی وجہ رضوانہ خالہ کی بیٹیاں ہی تھیں۔ وہ شروع سے سودہ کے ساتھ رہتی آئی تھی اور اس کی طرح ہی سادہ و معصوم تھی اور جب سے اس نے خالہ کے گھر جانا شروع کیا تھا وہ ان کے چلن میں چلنے لگی تھی۔ عروہ کی بولڈنٹس کی زد میں وہ رہا تھا عفرہ سے کم کم ملا تھا مگر جب ملا تھا وہ اسے آدو بے باک لگی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ وہ سب دیکھ کر اور جان کر بھی اس نے ماندہ کو وارن کیوں نہیں کیا؟ اگر وہ اس کو پہلے ہی اس کی حد سمجھا دیتا تو نہ اس کی معصومیت پر انگلی اٹھتی نہ ہی اس کی حمیت کو تازیانے لگتے اور آج بھی وہ خالہ کے گھر گئی ہوتی تھیں اور اس کے اندر جوار بھانا اٹھ رہا تھا۔

شاہ زیب اپنا کورس مکمل کر کے آچکا تھا اور آتے ہی تحفوں کا انبار اٹھائے وہاں چلا آیا تھا سب سے بڑے پرتپاک انداز میں ملا تھا وہ اس سے بھی زبردستی گلے لگا اور کتنی دیر تک لگا ہی رہا تھا۔

”اٹس اوکے.....“ وہ اس سے علیحدہ ہوتا ہوا انجیدگی سے بولا۔



Watch Us On  
**You Tube**

چہرے کے فالتو بالوں کا

بہت ہی آسان علاج



Health Care Club



چہرے کی جھڑیوں کا

بہت ہی آسان علاج



Health Care Club





”پلیز بھائی..... میں بڑی محبت سے لایا ہوں۔“

”تسہاری محبتوں کی یہاں نہ ضرورت ہے اور نہ گنجائش لے جاؤ۔“

”میری بات سمجھو محبت تحفوں کی محتاج نہیں ہوتی۔“ وہ اسے علیحدہ کرتا ہوا مسکرا کر گویا ہوا اور اس کے قریب بیٹھ گیا۔  
”تحفہ بھی تو محبت ہی ہوتی ہے نہ بھائی۔“

پر تکلف شام کی چائے کا اہتمام کیا گیا تھا صوفیہ اور بواسطہ کو سرور کر رہی تھیں اور وہ دل سے سب کے ساتھ بیٹھا تو کچھ دیر قبل دل پر چھائی ادا اسی خود بخود ہی دور ہو گئی تھی۔ سودہ چائے لے کر آئی تھیں بعد اس نے مگ اس کی طرف بڑھایا تو اس نے اس کی طرف دیکھے بنا ٹیبل پر رکھنے کا اشارہ کر دیا تھا اور جب اس نے مگ شاہ زیب کی طرف بڑھایا تو اس نے مگ کی بجائے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ سودہ نے بے ساختہ اس کی طرف دیکھا اس کی آنکھیں لال ہونے لگیں تھیں۔

”یہ ایک معمولی سا اشارہ ہے تمہارے لیے تمہاری اوقات بتانے کے لیے کہ میرے سامنے تم ایک چوٹی سے بھی زیادہ حقیر ہوؤں جب چاہوں جہاں چاہوں تمہیں چوٹی کی طرح مسل کر پھینک سکتا ہوں۔“ وہ درحقیقت اس کی طرف دیکھ کر دھاڑا۔

”میری اوقات بتانے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانکنا اور بتاؤ ان لوگوں کو تم کس ماں کے بیٹے ہو؟“ وہ ارد گرد پھیلے لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے طنز سے مسکرا کر بولی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)







رفاقت جاوید

اس کے ہونٹوں کا تبسم رہے قائم یا رب  
اس کے جیون میں بھی خوشیوں کا بسیرا کر دے  
تو میرے کرب کی راتوں کو بھلے ختم نہ کر  
اس کی ہر شام کے آخر میں سویرا کر دے

سالتی ہفتہ سالتی ہفتہ سالتی ہفتہ سالتی ہفتہ سالتی ہفتہ سالتی ہفتہ سالتی ہفتہ

حمدہ پچھلے ایک ہفتے سے زور و شور اور جذبے و شوق سے تیاری میں مصروف تھی۔ اس نے گھر کے تمام صوفے چادروں سے ڈھک دیئے تھے۔ ڈیکوریشن پیمز بھی الماریوں میں محفوظ کر لیے۔ رگز (قالین) پلیٹ کر ڈائننگ روم کی دیوار کے ساتھ لگانے کے بعد بیگ میں اپنا سامان پیک کرنے لگی۔

ملازمین کے بغیر اپنے گھر کا کام کرتے ہوئے اسے کبھی بھی برانہ لگا تھا بلکہ مطمئن اور خوش و خرم رہا کرتی تھی کیونکہ خانہ سال، خاکروب، مالی اور ڈرائیور کا داخلہ بھرے گھروں میں ہی مناسب رہتا ہے کیونکہ مصروفیت ایسی عبادت ہے جو انسان کے دماغ میں شیطان کے گھروندے کو نیست و نابود کرنے میں کامیاب رہتی ہے۔

حمہ نے بھلے دنوں میں انہی ملازمین کے بل بوتے پر دنیا بھر کی سیاحت بھی کی اور ہر طرح کے فنکشنز بھی اٹینڈ کیے۔ جب سے یہ بد نصیب بیوہ ہوئی تھی، دو بچوں کی شادی کے بعد اسے اپنے پرانے ملازمین کی اصلیت پر کھنے کا موقع ملا تھا کہ نرم دل مالک کو بے وقوف بنانا ان



شوہر کا اس دارفانی سے چلے جانا یہ ایسا درد و غم تھا کہ کسی پل چین نہ لینے دیتا تھا۔

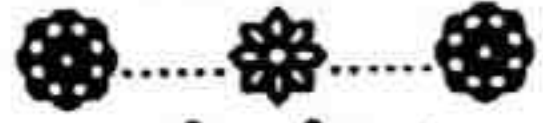
دوسرا رشتہ داروں کا رسم قل کے بعد ایسے منہ پھیر لینا جیسے وہ اسے جانتے ہی نہ تھے۔ یہ ایسا غصہ اور خفگی تھی کہ اس کی ہر پل ہجولی رہتی تھی۔ اس دکھ نے اسے نڈھال و لاغر کر ڈالا تھا اور وہ کسی قسم کا فیصلہ کرنے سے قاصر ہو گئی تھی۔

بٹی کے رشتے کا فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا، بیٹے کے لیے جیون ساٹھی ڈھونڈنا ناممکن ہو گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بیٹے اور بٹی نے اپنی کولیگز سے ہی شادی کرنے کا فیصلہ ماں کو سنایا جبکہ بہو اور داماد ماں کے خوابوں کے بالکل برعکس نکلے لیکن اولاد سے مقابلہ کرنے اور اپنے فیصلے پر ڈٹ جانے کی اس کی قوت مدافعت و جرأت ہی جواب دے چکی تھی۔ اس لیے رضا مندی میں ہی مصلحت جانی وہ سوچتی کہ یہ کیسی دنیا ہے کہ جو آپ کے ہر لمحے کے ساٹھی تھے وہ بھی مصروفیت کا بہانہ تو کبھی اپنی بیماریوں اور مجبوریوں کا رونا روتے حتیٰ کہ فون کرنا بھی گوارہ نہیں کرتے تھے۔

میاں کی لاڈلی اور پیاری بیگم نے اس کے بعد تجربات سے یہ درس سیکھ لیا تھا کہ ہر رشتہ چاہے خونی ہو یا فدائی۔ سب عارضی اور فانی ہیں یہ رشتے فقط بھلے اور خوش کن حالات میں زندہ رہتے ہیں۔ خوب ذلیل ہونے کے بعد اس نے اپنی زندگی کے شب و روز اور ماہ و سال کو اپنی ہجولی بنا کر اپنے ضابطے و قوانین بنالئے نہ دنیا کی پروا رہی نہ اولاد کی تو انہی رشتوں نے پلٹا کھایا کیونکہ جب دنیا والوں کی محتاجی اور ضرورت کا پیمانہ خالی ہو جائے تو پھر دنیا ہی اسی خالی پیانے کو لبریز کرنے کی کوشش کرنے لگتی ہے۔ اپنی محبتوں، چاہتوں اور لگاؤوں سے کچھ ایسا ہی حال حمہ کا بھی ہوا لیکن حمہ نے ان تمام عنایتوں اور نوازشوں کے باوجود اکیلے رہنے اور اپنے وقت کو اپنی مرضی اور پسند کے مطابق گزارنے کو اولیت دی پھر ایسا معجزہ وارد ہوا کہ وہ تنہا رہ کر بھی خوش رہنے لگی۔

خدمت خلق اس کا مشن بن گیا۔

وہ زیارت کے لیے ایران پہنچی تو اسے بی بی فاطمہ معصومہ کی زیارت کے بیرونی احاطے میں کالے برقعے میں ملبوس دو خواتین بچ پر بیٹھی ہوئی نظر آئیں۔ ایک خاتون نے اسے اشارے سے بچ پر بیٹھنے کے لیے جگہ دی۔ حمہ شکر یہ کہہ کر ان کے قریب بیٹھ گئی اور ایک عمر رسیدہ خاتون اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔



حمہ حسب معمول خوشی خوشی موسم بہار میں ایران زیارتوں کی حاضری کے لیے سدھار گئی۔ مشہد میں امام رضا کے مزار پر سلام کرنے کے بعد وہ قم روانہ ہو گئی جہاں اس نے نو عدد زیارتوں پر حاضری دی۔ وسیع و عریض میوزیم میں وہ ہمیشہ گھنٹوں گزارتی، مسجد بھی قابل دید ہونے کی وجہ سے سب کی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ وہاں بھی اسے بے پناہ قلبی و ذہنی سکون ملا کرتا تھا۔

عمر خیام کے مقبرے پر وہ گھنٹوں گزارنے کے بعد بی بی فاطمہ معصومہ کی روضہ مبارک کی طرف چل دی ان کا نام فاطمہ تھا اور انہیں قم کی معصومہ کا خطاب دیا گیا تھا جب بھی حمہ ان کے مزار مبارک پر حاضری کے لیے آتی تو خود کو بہت محفوظ محسوس کیا کرتی تھی۔ اس لیے یہاں وہ صبح سے شام تک عبادت گزاری میں مصروف رہتی تھی۔ تہران میں ایک بڑا چھوٹی ادارہ گوشہ بہشت تھا۔ حمہ ہر سال وہاں اپنی اور بیٹی و بیٹے کی طرف سے زکوٰۃ خیرات اور صدقہ دینے جایا کرتی تھی۔ اس ادارے کا ہر فرد اسے بخوبی جانتا تھا اور اس کی بے حد عزت و احترام بھی کرتا تھا۔ ہمیشہ کی طرح آخری دن اسی ادارے کے ایک پارک میں گزارنے کے لیے ایک بچ پر بیٹھ گئی اس کا مقصد ایک ہی تھا کہ اس پارک میں جو بھی غریب اور سفید پوش عورت ور کر اسے نظر آتی تھی وہ اپنی ضرورت کے علاوہ کچھ بھی رقم ان میں تقسیم کر کے سیدھی ایئر پورٹ روانہ ہو جایا کرتی تھی۔ یہی اس کا دلی اور ذہنی سکون تھا اسی دولت نے اسے ڈپریشن جیسی جان لیوا بیماری سے چھٹکارا دلا کر اسے



کارآمد بنا ڈالا تھا۔

آج پہلی دفعہ اس ادارے کی مالکہ اسے ملنے اس کے پاس تشریف لائی تو وہ حسرت سے اس انجان عورت کو دیکھ کر پرس کھولنے لگی اس نے پرس بند کرنے کا اشارہ کیا اور بیچ پر اس کے ساتھ بیٹھنے کی ریکوسٹ کی تو حمدہ ذرا سا مسکرائی اور ذرا سا کھسک کر اس کے بیٹھنے کی جگہ بنائی۔ وہ گہری اپنائیت اور لگاؤ سے اس کے قریب بیٹھ گئی ایک جوان عباہیہ میں لڑکی ان کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ حمدہ نے اسے غور سے دیکھا وہ قد میں پست تھی مگر چہرے مہرے سے عورت لگ رہی تھی جیسے اللہ تعالیٰ نے اسے بڑھتے ہوئے یک دم روک کر توجہ اس کے چہرے پر دے ڈالی ہو۔ اس کی آنکھوں میں حسرت و یاس کی پرچھائیاں خاصی نمایاں تھیں۔ بے جان اور بجھی ہوئی آنکھوں کو دیکھ کر اس کی نگاہیں اس کے چہرے پر جم گئیں اس کے گورے اور سرسوں کی مانند پیلے چہرے پر کئی نشانات مرتسم تھے۔ جیسے کسی نے اس کے چہرے کو نوچ کر اس کی شادابی و رعنائی کو ختم کرنے کی کوشش کی ہو۔ وہ لڑکی اس خاتون کی بیٹی کہیں سے نہیں لگ رہی تھی حمدہ شش و پنج میں مبتلا دونوں کو باری باری دیکھنے لگی۔ ادھیڑ عمر خاتون کا عباہیہ عین فیشن کے مطابق تھا جبکہ جوان لڑکی کی غربت و کمپرسی برقعے کے اندر سے بھی جھانک رہی تھی۔

”مسٹر تم نے جو سوچا ہے درست ہے۔ میں تمہاری بقیہ مشکل آسان کیے دیتی ہوں۔“ وہ ٹوٹی پھوٹی اردو میں ذرا سا مسکرا کر بولی۔

”غزل کے بارے میں اتنی سی التجا ہے تم سے اسے تمہاری اشد ضرورت ہے کیونکہ ایسی لڑکیوں کے لیے بھائی اور باپ کا دعویٰ کرنے والے بے حساب مرد تو مل جاتے ہیں لیکن ماں ایک بھی نہیں ملتی۔“

”میری ضرورت.....“ حمدہ حیرت و اضطراب کی کیفیت میں بولی۔

”پہیلیاں چھوڑو سیدھی سیدھی بات کرو بہن۔“

”بہن..... میں پچھلے دو مہینے سے تمہیں ہر زیارت پر

حاضری دیتے ہوئے دیکھ رہی ہوں۔ مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے کہ تم غزل کے لیے بہترین مسیحا ثابت ہو سکتی ہو۔ میں مجبوری کے تحت اس کے لیے کچھ نہ کر سکی کیونکہ میں تو ایک شمشے کے گھر میں رہتی ہوں۔ تم یہاں زیارتوں سے فیض یاب ہونے گھر سے نکلی ہو میں نہیں جانتی کہ تم اکیلی کیوں ہو جیسی بھی ہو مجھے بے حد نیک طبیعت خاتون لگی ہو۔ یہ مت سمجھنا کہ میں تمہاری خوشامد کر رہی ہوں یا اس معصوم بے گناہ سے جان چھڑانا چاہ رہی ہوں ایسا ہرگز نہیں۔ غزل مجھے عزیز نہ ہوتی تو یوں سینے سے لگائے ماری ماری نہ پھرتی ایک نیک انسان کے لیے سرگرداں ہوں لیکن بہت ناکامی ہوئی کیونکہ سب اس سے نفرت کرتے ہیں۔ رابعہ بھری کے بارے میں تم نے بھی ضرور سنا ہوگا پڑھا بھی ہوگا کہ وہ بچپن میں ہی یتیم ہو گئیں ایک ظالم نے انہیں پکڑ لیا اور اپنی کنیز بنالیا اور پھر گلیل رلم میں بہت جلد فروخت بھی کر دیا اور ان پر ظلم کی انتہا کر دی۔ ایک مرتبہ وہ کہیں جا رہی تھیں کہ نامحرم کو دیکھ کر گر گئیں اور ہاتھ ٹوٹ گیا آپ اسی وقت سجدے میں گر گئیں اور فریاد کرنے لگیں کہ میں تو ایک لاوارث لڑکی ہوں۔ محنت مشقت کر کے بھوک مٹانی ہوں اب میرا ہاتھ ہی ٹوٹ گیا تو ندا سے آواز آئی اے رابعہ..... عملین مت ہو کل تجھے وہ مرتبہ ملے گا کہ مقرب ملائکہ بھی تجھے پر رشک کریں گے۔ یہ سن کر آپ اپنے مالک کے پاس گئیں اور یہ خوش خبری سنائی ایک رات عبادت کے دوران مالک نے آپ کے سر پر معلق نور فروزاں دیکھا۔ وہ اپنے رب سے فریاد کر رہی تھیں کہ میں کسی کے قبضے میں ہوں تیری عبادت شب بھر کرنے سے قاصر ہوں۔ یہ سن کر مالک اتنا پریشان ہوا کہ انہیں آزاد کر دیا اس کے بعد آپ جنگل میں گوشہ نشین ہو گئیں سچ ہے کہ سکون تو تنہائی کی دولت سے ہی خریدا جاتا ہے لیکن بد قسمتی سے یہ معصوم تو کسی جنگل میں بھی روپوش نہیں ہو سکتی کیونکہ زمانہ بدل گیا ہے۔ جنگل میں بھیڑیوں کی تعداد بڑھ سکتی ہے وہ بھی اسے زندہ نہ چھوڑیں گے اور دنیا کی محفلوں میں بھی غیر محفوظ جہاں انسان نما



درندوں کا بسیرا ہے۔ اسے سولی پر لٹکانا اپنا اولین فرض سمجھیں گے مجرم بھی تو وہ تختہ دار پر لٹکانے والے بھی وہ خود۔ وہ دکھ بھرے لہجے میں بولی۔

”اس بچی کو اپنے سینے سے لگا لو۔“  
”وہ کیسے..... اور کیوں؟ یہ ناممکن ہے بہن..... تم تو مجھے ایک سمجھ دار اور چٹکی بھلی خاتون لگ رہی ہو پھر اس بچی کو میرے سپرد کرنے کا مقصد کیا ہے؟“ وہ زچ سی ہو کر بولی۔

”تم غزل کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام سمجھو۔ اس بچی کو اپنے ساتھ گھر لے جاؤ تمہاری خدمت بھی کرے گی اور یہ مظلوم دنیا والوں کی نظروں سے اوجھل بھی رہے گی ورنہ آج اندر کل باہر کا سلسلہ ختم نہیں ہوگا۔“ وہ ایک سانس میں بہت کچھ ذمہ داری باتیں بول گئی۔ حمدہ اس کی اس گول مول بات کا مطلب سمجھ نہ سکی جہاں دیدہ خاتون کی نگاہوں نے اس کا جائزہ لیا اور بولی۔

”اندر باہر کا مطلب ہے جیل کی اسیری اور باہر کا مطلب یہ بے لگام کھلی فضا جہاں یہ معصوم بچی پھر سے شیطان کا نشانہ بنتی رہے گی اور ایک دن پولیس اپنی بھی شیطانیت دکھا کر اسے جیل میں ڈال دے گی۔ خدا را اسے ساتھ لے جاؤ میں نے کس مشکل سے اسے رہائی دلائی ہے تم اندازہ نہیں کر سکتی اس کی بہتری کے لیے دوسرے کو نے سے اس کو لے کر یہاں پہنچی ہوں میرا اس سے صرف انسانیت کا رشتہ ہے۔ میں نے یہاں کی مقدس سر زمین کی برکت و کرامت سے یہاں بیسیوں لڑکیوں کی جان عزت کے تحفظ کے لیے آپ جیسی پاک باز خواتین کو پہلی نظر میں پہچانا اور مجھے کبھی ناکامی یا پچھتاوا نہیں ہوا۔ بس میری یہی خدمت خلق ہے۔“

”مولا مشکل کشا قبول فرمائے آپ نہیں جانتی کہ میں پاکستانی ہوں۔ اس بچی کو اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتی یہاں زیارتوں کے لیے ہر سال آتی ہوں۔ اس کے لیے صدقہ و خیرات تو کر سکتی ہوں لیکن ساتھ لے جانا ناممکن ہے۔“ حمدہ ایک دم بے ساختگی سے بولی۔

”میں تمہارے لباس اور شکل و صورت سے پہچان گئی ہوں کہ تم پاکستانی ہو اس کا انتظام میری ذمہ داری ہے۔ یہ کام مجھ پر چھوڑ دو تم اس کی فکر مت کرو میں پہلے بھی یہ کام کئی بار سرانجام دے چکی ہوں۔“ وہ نقاب درست کرتے ہوئے بولی۔ ”ناممکن کو ممکن بنانا انسان کے اختیار میں ہے۔“

”وہ تو ٹھیک ہے لیکن میں اس کے حالات زندگی معلوم کیے بغیر تو فیصلہ نہیں کر سکتی۔ ایک جوان لڑکی کی ذمہ داری اٹھانا آسان نہیں جتنا تم نے سمجھ رکھا ہے۔“ حمدہ نے مضطربانہ لہجے میں کہا تو وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر خانہ کعبہ کی طرف اپنے ہاتھ اٹھ کر بولی۔

”اس مقدس مقام کی جانب منہ کر کے سچ کے سوا کچھ نہ کہوں گی۔“ وہ غزل کے سر پر محبت و شفقت بھرا ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ ”وہ لوگ بہت خوش نصیب اور جنتی ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی خدمت کے لیے جن لیتا ہے۔ دوزخ کی آگ ایسے لوگوں پر حرام ہو جاتی ہے تم ذرا غور سے سننا اس کی دل سوز کہانی..... غزل اس وقت پندرہ سال کی تھی بد قسمتی سے اس کے والدین کی آپس میں بن نہ سکی۔ ہر وقت کی مار کٹائی لڑائی جھگڑا اور گالم گلوچ سے تنگ آ کر اس کی ماں نے دوسری جگہ عشق لڑایا اور پانچ سالہ غزل اور چار بیٹیوں کو باپ کے پاس چھوڑ کر اپنے عاشق کے ساتھ فرار ہو گئی۔ اس سے پہلے کہ قانون اسے سزا دیتا وہ کار کے حادثے میں جاں بحق ہو گئی۔ غزل کے چار بھائی اس سے بڑے تھے ان کا انجام بھی بہت بھیا تک نکلا۔ ایک بھائی نے سرحد کر اس کرنا چاہا تو گولی کا نشانہ بن گیا۔ دو بھائیوں کی کھیت میں لڑائی ہو گئی ایک نے بھائی کو کھپاڑی سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

تیسرا آج تک جیل میں ہے چوتھا باپ کے تشدد سے تنگ آ کر سٹکے سے لٹک گیا۔ جب غزل گھر میں اکیلی رہ گئی تو اس کا ماموں اسے اپنے ساتھ لے گیا۔ اس کے بعد اس بچی پر تشدد تو ختم ہو گیا لیکن ماموں کے ایک دوست نے اس پر نظر رکھ لی اور اس کے سامنے کھلونوں اور ٹافيوں کا



انبار لگا کر اسے خاموش رہنے کی تلقین کی۔ معصوم غریب اور لاوارث غزل نے اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کو ہنس کر برداشت کر لیا جب یہ بارہ سال کی عمر تک پہنچی تو اس وقت تک ماموں کے بے شمار دوستوں کا نشانہ بن چکی تھی جو اسے بُرا اس لیے نہ لگتا تھا کیونکہ ہر چاہنے والا اپنی بساط کے مطابق اسے کپڑے، جیولری اور ہلکا ہلکا میک اپ کا سامان فراہم کر کے اسے خوش رکھتا۔ کھانا بھی کھلاتا اور پارک میں گھمانے پھرانے کا کام بھی خوش اسلوبی سے کرتا تو اسے اور کیا چاہیے تھا۔ ممانی بھی خاموشی تماشا شائی بن کر ہر ایک سے اپنا تکیہ وصال کرتی رہی۔ جب غزل تیرہ سال کی عمر میں حاملہ ہو گئی تو ایرانی قانون کے مطابق اسے جیل میں ڈال دیا گیا اور سزا سو کوڑوں کی صورت میں اسے برداشت کرنی پڑی۔“

”بچے کا کیا ہوا؟“ حمہ نے المناک لہجے میں پوچھا۔  
 ”غزل مرتی کیا نہ کرتی۔ قانون کا احترام کرتے ہوئے اس کا حمل گرا دیا گیا لیکن جس شادی شدہ مرد سے یہ گناہ کبیرہ سرزد ہوا تھا، غزل کے بتانے کے باوجود وہ آزاد دندناتا پھرتا رہا جبکہ قانون کہتا ہے کہ اگر کوئی عورت یا مرد شادی کے بعد زنا کاری میں ملوث ہوتا ہے تو ان کی سزا رجم ہے جبکہ سزا صرف اسے ہی سہنی پڑی۔ ایک بار کوڑوں کی سزا بھگتنے کے بعد اسے رہا کر دیا گیا، بہت جلد ہی سیکنڈ ٹرائل ہوا۔ میرا ادارہ ایسی معصوم بچیوں کی مدد کے لیے ہر وقت کوشاں رہتا ہے۔ ایرانی قانون کے مطابق ایک بدکار و بدچلن عورت کو تین بار کوڑوں کی سزا بھگتنے کے بعد چوتھی بار پھانسی پر لٹکا دیا جاتا ہے، افسوس ہے کہ مرد کی پکڑ نہیں ہوئی۔ اس نے دوبار مظلم برداشت کیا، اس سے پہلے اسے تختہ دار پر لٹکا دیا جاتا تھا اسے اپنے ادارے ”گوشہ بہشت“ میں لے آئی کیونکہ میں ایسی بچیوں کو قصور وار نہیں ٹھہراتی۔ یہاں کی زیارتوں اور حاضریوں و ریاضتوں سے یہ معصوم لاوارث اور بے گناہ بچیاں جب پاک صاف ہو جاتی ہیں تو میں حاجت مندوں سے ان کے نکاح کر دیتی ہوں۔ جس کا نکاح نہیں ہو پاتا انہیں آپ

جیسی پاک باز اور نیک دل خواتین کے حوالے کر دیتی  
ہوں تاکہ یہ گھر کی چار دیواری میں محفوظ رہ کر زندگی  
گزار سکیں۔ میں بے حد افسوس سے کہتی ہوں کہ ایسی  
بچیوں کے لیے اس ملک کی سر زمین تنگ کر دی گئی ہے  
انہیں یہ معاشرہ قبول کرتا ہے نہ ہی ان کے اپنے خونی  
رشتے، تجھے زیادہ تر ایسا ہی تجربہ ہوا ہے کہ یہاں کی خواتین  
اپنے جنت کے گہوارہ گھر کو ایک لاوارث اور ایسے کردار کی  
لڑکی کو جگہ دے کر دوزخ میں تبدیل کرنے کا تصور بھی نہیں  
کر سکتی ان کی بے حسی کی لاتعداد داستانیں آپ کو سنا سکتی  
ہوں۔ ”وہ تاسف بھرے لہجے میں بولی۔

”وہ بھی تو مجبور ہیں لیکن میں حیران ہوں اس سوچ پر کہ آپ مجھ جیسی عورتوں پر اعتماد کیسے کر سکتی ہیں جبکہ نہ جاننا نہ پہنچان اور میں ہوں بھی پاکستانی۔“ حمود نے سنجیدگی سے کہا۔ ”میں بھی تو اس سے ناجائز اور غلط کام کروا سکتی ہوں۔“

”یہ میرا تجربہ ہے کہ پاکستان کی پاک سرزمین پر رہنے والے لوگ وسیع النظر ہیں ان کے ذہن اس دھرتی کی طرح وسیع و عریض اور دل سمندر کی مانند گہرے ہیں۔ وہ جسے اپنے گھر میں جگہ دے دیتے ہیں ان کی ہر طرح کی ذمہ داری اٹھالیتے ہیں۔ میں بیسیوں بار تمہارے ملک کی سیروسیاحت کے لیے جا چکی ہوں اگر وہ کسی مجبوری کے تحت سہارا دینے سے قاصر ہوں تو وہاں ان لاوارثوں کا باپ ایدھی موجود ہے جو انہیں اپنے زیر سایہ بھی رکھتا ہے اور ان کی روٹی ہوئی خوشیاں بھی واپس دلاتا ہے۔ تمہارے ایدھی کی مسخور کن خوشبو دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہے۔“ وہ عقیدت مندانہ لہجے میں بولی تو حمہ بھی ذرا کھرو بندار سے اکڑ کر بولی۔

”اس میں کوئی شک نہیں، آپ ٹھیک فرماتی ہیں ایدمی صاحب اس دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن آج بھی ان کے ادارے میں تیسروں، بیواؤں اور لاوارثوں کی جگہ موجود ہے۔ وہاں آج بھی گناہ کی غلامت کی پردہ پوشی کا سلسلہ جاری و ساری ہے اور رہتی دنیا تک ان کا مسکن بے سہارا



لوگوں کی پناہ رہے گا۔ پاکستانی قوم کو ان پر بہت غر ہے جہاں تک معاشرے اور مرد کا تعلق ہے ان کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس کے گناہ بھی وہاں نہ صرف معاف کر دیئے جاتے ہیں بلکہ اس سے چشم پوشی کی جاتی ہے اس کا بھی ایک مقصد ہے کہ وہاں بدکاری زنا کاری اور زیادتی کو شہ نہ دی جاتی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جب گناہ سب کے سامنے آ جاتا ہے تو اسے تقویت ملتی ہے اور وہ نیکو کاروں کے لیے بد بودار اور بد چلن لوگوں کے لیے خوشبودار ہو جاتا ہے اس لیے تو ہمارے مذہب نے عیب و گناہ کی پردہ داری کا حکم دیا ہے۔

”میں سب جانتی ہوں جی میں نے خدمت خلق کسی طمع و ذاتی مفاد کے بغیر کرنے کا درس ایدھی صاحب سے ہی سیکھا ہے۔ وہ میرے ہیرو ہیں آپ کے ملک میں ایسا رول ماڈل واہ واہ کیا کہنے کہ وہ ہر لاوارث اور یتیم بچوں کا بھی باپ اور بلیقیس ایدھی ان کی ماں بن جاتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں اپنی شریک حیات کے لیے ہیں کہ جب ایک فقیر کو فقیرنی مل گئی تو میں دولت مند اور شہنشاہ بن گیا میں بن شادی کے ان بچیوں کی ماں کی جگہ ہوں یہ ماں ایسی بے شمار بچیوں کو ایدھی جیسے باپ کی پناہ گاہ کی زینت بنا چکی ہے۔ آپ کو بھی اجازت ہے اگر غزل آپ کے مطابق نہ نکلی تو اسے اس کے روحانی باپ کے سپرد کر دیجیے گا۔ وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

”جزاک اللہ..... غزل میرے ساتھ پاکستان چلو گی میرا پاکستان بہت خوب صورت بھی ہے اور اس کے مکین نرم دل مسیحا اور ہمدرد بھی۔“ حمد نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”وہاں تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا میں بھی اکیلی ہوں دونوں ماں بیٹی ایک دوسرے کا سہارا بن کر زندگی گزاریں گی۔“ غزل نے جواب نہ دیا سر جھکائے بیٹھی رہی جیسے اسے اس کی باتوں پر یقین ہی نہ آیا ہو۔

”مائی سسٹر..... ہماری سوسائٹی ایک تازہ سیب کی مانند ہے دوڑے دیکھنے والوں کو ہماری سوسائٹی پر

رکھ آتا ہے لیکن یہ سیب اندر سے کیڑوں سے بھرا ہوا ہے۔“ وہ ہڑ مردگی سے بولی۔ ”جب اسے کھانے کے لیے کاٹا جاتا ہے تو یہ پیٹ کے بجائے کوڑے میں چلا جاتا ہے۔“ حمد یہ سن کر دل گئی وہ اپنے معاشرے میں بھاگتے ہوئی بولی۔

”ہماری سوسائٹی میں ابھی تک عورت کے عیبوں کی پردہ داری کی جاتی ہے۔ اس کے تحفظ کا سامان کیا جاتا ہے نہ کہ اسے بچ چورا ہے میں کوڑے اور پھر پھانسی پر لٹکا دیا جائے وہ چاہے گناہوں کی گھڑی ہی کیوں نہ ہو؟ اسے دنیا کے سامنے ذلیل و رسوا نہیں کیا جاتا بلکہ رازداری میں ہی سمجھا بجھا کر مزید گناہ کو پھیلانے سے روکا جاتا ہے۔ ان آنکھوں نے نجانے کتنے ہی بھٹکے ہوئے نوجوانوں اور دوشیزاؤں کو صراطِ مستقیم کی طرف گامزن ہوتے دیکھا ہے۔ میں ہر گز یہاں کے خود ساختہ قانون کی حمایت نہیں کروں گی۔ یہ کیسا قانون ہے کہ سزا کے لیے عمر کی قید نہیں جبکہ انٹرنیشنل لاء ہے کہ اٹھارہ سال کے بعد مجرم کو سزا سنائی جاتی ہے یہاں ایک معصوم کسٹن بچی کو ورغلا نے والا مرد سر عام گناہ کرتا ہے اور کوڑے اور پھانسی کی سزا بھی اس بے قصور معصوم کو وہ بھی سر عام اور جو ابھی تک قانون کے مطابق قابل سزا بھی نہیں ہوئی۔ یہ بے انصافی کیوں ہے۔“

”سسٹر تم درست فرما رہی ہو۔ اس کو جیلر سے میں نے کیسے حاصل کیا ہے یہ بھی ایک لمبی کہانی ہے۔ یہ دنیا صرف بد معاشی و عیاشی کا اڈا ہے یہاں ہمارا تو کوئی کام نہ تھا کاش ہم پیدا ہوتے ہی مر گئی ہوتیں۔“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی تو غزل آہستہ سے بولی۔

”اللہ تعالیٰ ایسی باتوں پر جب خفا ہوتا ہے تو پھر عذاب انسان پر نازل ہو جاتا ہے۔ صبر کرنا سیکھو ماں..... ایسے مت بولو ہماری ماں کو زندہ رہنا ہے ہم جیسی اولاد کے لیے۔ یہ دنیا بہت حسین اور اس میں قائم کیے گئے تمام رشتے بے حد مقدس ہیں غربت اور حالت تمام پاکیزگی اور حسن کو نگل جاتی ہے۔“



”آج سے میں تمہاری ماں ہوں غزل۔“ حمد نے اسے گلے لگا کر محبت آگئیں لہجے میں کہا۔ ”تم تو بہت سمجھ دار بچی ہو۔ اتنی بڑی بڑی باتیں کہاں سے سیکھی ہیں؟“ اس نے شرمناک سر جھکا لیا۔

”یقیناً جیسے نیکی مہک بن کر چار سو پھیلتی ہے۔ اسی طرح بدی بدبو بن کر معاشرے کو پراگندہ کرنے میں کمال کا کام کرتی ہے لیکن ہمارا مرد جو معاشرے کا ذمہ دار ہے یہ سمجھنے سے قاصر ہے کیونکہ ہر داغ اس کی شخصیت میں چھپ جاتا ہے پھر بھی تمہیں ناامید نہیں ہونا چاہیے۔“

”سبحان اللہ..... میرے رب تُو نے شیطان کی موجودگی کے باوجود اس دنیا میں انسان کو نیکیاں کمانے کی توفیق دی۔ اس میں شک نہیں وہ بہت عظیم ذات ہے۔ وہ اپنی مخلوق سے بے انتہا پیار کرتا ہے اور اس کی مخلوق سے جو محبت کرتا ہے وہ پالتہا اسی کا ہاتھ زبان اور قلب و ذہن بن کر اس سے اپنی مرضی کے مطابق کام لینے لگتا ہے۔“ خاتون نے عقیدت مندانہ لہجے میں کہا۔ تینوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر پارک سے باہر نکل کر ٹیکسی کی طرف چل پڑیں غزل کے دل نے سرگوشی کی۔

”اس ملک میں میری رسوائی کے ہمراہ شہرت کافی دہشت ناک رہی۔ میڈیا نے ابھی تک میرا پیچھا نہیں چھوڑا اب تو یہ قیاس آرائی کرنا ذرا مشکل ہو گئی ہے کہ میں کس شے سے خوف زدہ ہوں پھانسی یا مزید جگہ ہنسائی سے اگرچہ اب میں آنٹی کے زیر سایہ تحفظ میں ہوں لیکن اس وقت میرا دماغ پھر جاتا ہے جب گوشہ بہشت میں کام کرنے والے مرد مجھے چالو کہہ کر پکارتے ہیں۔ میں ذہنی طور پر منتشر ہو جاتی ہوں اور پھر آپ سے باہر ہو کر انہیں گالیاں دینے لگتی ہوں ایسا اس لیے ہونے لگا ہے کہ میں نے اس عمر میں سینکڑوں تجربوں کے بعد یہ درس سیکھ لیا ہے کہ جو مرد مجھے پیار کا جھانسا دے کر میری عصمت دری کرتا ہے وہ میرا عاشق نہیں میری حرمت کا قاتل اور میرا جانی دشمن ہے۔“ اس نے افسردگی سے اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو دیکھا جو بے بسی کی حالت میں ایش ٹرے کا

کام کیا کرتی تھیں۔ ”میں خود سے نفرت محسوس کرتے اپنا چہرہ ناخنوں سے کھرچ ڈالتی تھی۔ ٹانگوں اور بازوؤں پر بلیڈ سے کٹ لگا کر ضمیر کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتی۔ ٹخنوں اور ٹخنوں پر گھٹنوں جو تے مارا کرتی تھی۔ مجھے جتنی تکلیف محسوس ہوتی تھی میرا ذہن اتنا ہی پُر تسکین اور پُر سکون ہو جاتا تھا۔ اب میں ایک مکروہ علت سے نکل آئی ہوں افسوس کہ پھر بھی مجھے یہ معاشرہ سولی پر لٹکانے کے لیے کیوں تیار ہے؟ سوچتی ہوں جیسا سنا ہے کہ ماں کے ناجائز مراسم باپ کا ظلم و تشدد خاندان کی عزت و ناموس کو آنا فانا ہضم کر گیا دونوں نے اجتماعی منصوبے کے تحت پانچ بچوں کو آلہ کار کے طور پر استعمال کیا۔ میرا باپ جانتا ہے کہ میں زندہ ہوں اور سولی اور مجھ میں چند فٹ کا فاصلہ باقی ہے لیکن وہ مجھے اپنی بیٹی قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ایسی لڑکیاں ہمارے معاشرے کا سرطان ہے۔ انہیں پہلی بار کوڑے مارنے کے بجائے پھانسی دے دی جانی چاہیے ورنہ سرطان پھیلتا چلا جائے گا کیونکہ یہ لاعلاج مرض ہے۔“

”کیسی عجیب باتیں کرتا ہے۔“ یہ سوچتے ہوئے وہ چکرانے لگی۔

”سرطان تو وہ ہے کاش تمہیں اس کا احساس ہو جائے۔“ اس نے فوراً حمد کا سہارا لیا اور دیوار کے ساتھ سر ٹکا کر خود کو سنبھالنے لگی۔ ”کیا میں اپنا الٹناک اور تکلیف دہ ماضی بھول پاؤں گی۔“ وہ خود کلامی کر رہی تھی۔

”غزل کیا طبیعت ٹھیک نہیں۔“ حمد نے اس کے سر پر زماہٹ سے ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

”پلیز غزل..... خوش رہو تم میری بچی ہو جان۔“ اس قدر لہجے کی شیرینی پر وہ بے چارگی و بے بسی سے اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

”مجھے معاف فرمائیے گا۔ مجھے آپ کے ساتھ جاتے ہوئے ڈر لگنے لگا ہے جس شخص نے اپنے جسم کے ٹکڑے کو پہچاننے سے بیسیوں بار انکار کیا ہے۔ آپ ایک بے کار اور غیر ضروری جسم کے اس عضو اپنڈکس کو اہمیت کیونکر دیں



گے۔“ وہ پھر سے سمجھ داری سے بولی تو حمد نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”بات تو تم نے سو فیصد درست کہی ہے لیکن اس کا علم تمہیں کیسے ہوا۔ کیا تم گوشہ بہشت میں تعلیم حاصل کر رہی ہو بہت خوش کیا ہے تم نے میں تمہیں مزید ایک حقیقت سے روشناس کرنا چاہتی ہوں۔ ہمارے جسم کے ہر عضو کی اہمیت ہے کیونکہ باری تعالیٰ نے کسی عضو کو کسی مقصد کے بغیر تخلیق نہیں کیا۔ یہ تو سائنس کی اختراع ہے جس پر میں یقین نہیں کرنی حالانکہ میرا جسم بھی اپنڈکس سے عاری ہے۔ میرے بدن میں جس عضو کی کمی ہو چکی ہے وہ تم پوری کرو گی تم میرے جسم کا بہت اہم اور معصوم سادہ حصہ ہو جس کی لوگوں کی نظر میں کوئی وقعت نہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ ہوسکتا ہے اس عضو کے نکل جانے کے بعد ہم پر کتنی ہی بیماریاں حملہ آور ہونے کے لیے آزاد ہو جاتی ہوں گی۔“ دل سے آواز ابھری۔

”جلد بازی مت کرو تم نہیں جانتی کہ اس درد بھری کہانی کے پس پردہ کیا حقیقت پوشیدہ ہے۔ دھوکہ دہی، فریب کاری اور دروغ گوئی تو ہمارے خون میں شامل ہو چکی ہے۔ ذرا سوچ سمجھ کر یہ ذمہ داری اٹھاؤ ورنہ ماری جاؤ گی۔“

”غزل تم تو بہت خوش بخت ہو جسے اتنے سالوں بعد ایک ماں نے اپنی آغوش میں چھپالیا۔ اب تم دنیا کی نظروں سے ہمیشہ کے لیے اوجھل ہو جاؤ گی۔ یہ ماں ہی تو عظیم ہستی ہے جس کی مشابہت اس رب سے ہے جو ستر ماؤں جیسا پیار رکھتا ہے ان شاء اللہ تم بہت جلد خود اعتماد ناقابل شکست اور اپنے ارادے کی اتنی مضبوط ہستی بن جاؤ گی جتنی ایک بیٹی اپنے ماں کے ٹھنڈے اور معطر سائے کے نیچے خود کو دنیا کے تمام جھمیلوں سے محفوظ رکھ کر محسوس کرتی ہے۔ میری دعا ہے کہ تم ایک فرماں بردار و تابعدار بیٹی وفادار اور مخلص بیوی اور حمد جیسی بے لوث محبتیں لٹانے والی ماں بنو گی اور بھی پلٹ کر نہ دیکھو۔“

”بہن..... میں ایک بار پھر سے نشیب و فراز کے

بارے میں سوچ کر فیصلہ کرنا چاہتی ہوں کہ کیا میں اتنی بڑی ذمہ داری اٹھانے کے قابل بھی ہوں کہ نہیں۔ دنیا کے ہر حصے میں ہر طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں پاکستان بھی تو اسی دنیا کا ایک معمولی سا حصہ ہے ایسا نہ ہو کہ ہم تمہاری توقعات پر پورے نہ اتر سکیں۔ یہ شرمندگی و ندامت مجھ سے برداشت نہیں ہوگی۔“ وہ یہ کہہ کر گہری سوچ میں کھو گئی اور طویل خاموشی چھا گئی تھی۔

”آف..... تمہیں کیا بتاؤں کہ پاکستانی قوم کس قدر بد بخت ہے کہ اپنے ہیروز کو بھی برا بھلا کہنے سے باز نہیں آتی۔ نیکو کاروں کو بدکار ثابت کرنا ان کا شیوہ ہے۔ یہ کیا جانے کہ پاکستان بھی اچھے اور بُروں کی آماجگاہ ہے جہاں نا انصافی بھی ہے اور محبت و عقیدت بھی ہے۔ جہاں درندگی بھی ہے اور مسیحائی بھی ہے۔ دنیا نیک بندوں سے ہی قائم و دائم ہے۔“ سوچتے ہوئے اس نے غزل کو اپنے زیر سایہ رکھنے کا مستحکم فیصلہ اس کے گوش گزار کیا تو اس کی آنکھوں میں بجلی کی روشنی کوند گئی، یک دم لبوں پر مسکان پھیلی اور چہرے پر طمانیت و مسرت جذبات کی پرچھائیاں ہو پدا ہو گئیں۔

فرشتہ خصال خاتون نے اسے سینے سے بھینچ لیا اور اس کا ہاتھ حمد کے ہاتھ میں دے کر عقیدت مندانہ لہجے میں بولی۔

”میں بہت جلد آپ کی امانت سمیت پاکستان پہنچنے کی کوشش کروں گی۔ میں سیوٹ کرتی ہوں آپ جیسی نرم دل عورتوں کو اور اس پاک ملک کو جس کی سر زمین نے نجانے کتنی ہی بلیقیں اور ایدھی کو جنم دیا ہے۔“







شہزادہ کی پہلی بارش  
نارنگہ والی لڑکی



Watch Us On  
**You Tube**

چہرے کے فالتو بالوں کا

بہت ہی آسان علاج



Health Care Club



چہرے کی جھریوں کا

بہت ہی آسان علاج



Health Care Club





وہ جو آتے تھے آنکھوں میں ستارے لے کر  
جانے کس دیس گئے خواب ہمارے لے کر  
مگنتی ہی دور چلے جائیں وہ ہم سے لیکن  
وقت آئے گا انہیں پاس ہمارے لے کر

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

شہزاد حویلی سے فرار ہونے کی کوشش کرتی ہے لیکن ناکام ہو جاتی ہے اسے اغوا ہوئے تین روز ہو چکے ہوتے ہیں حویلی کی کچھ ملازمائیں ملک فیاض کے کہنے پر اسے نکاح کے لیے تیار کرنے آتی ہیں اور اس کے اشتعال کا شکار ہوتی ہے۔ ملک فیاض خود اس سے بات کرنے آتا ہے اور اس پر اپنی جاگیر داری کی رعب جھاڑتا ہے جس پر شہزادہ عمر عباس کی دھمکی دیتی نکاح سے انکاری ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف عبداللہادی کو ہوس آ جاتا ہے جبکہ ملک فیاض کو کسی ضروری کام کے سلسلے میں ملک سے باہر جانا پڑتا ہے تب وہ اپنے کارندوں کو شہزادہ پر نظر رکھنے کا کہتا ہے شیر دل حویلی واپس آ جاتا ہے اور شہزادہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ عمر عباس مسلسل درمکنوں کو کال کرتا شہزادہ اور مریرہ کا پوچھتا ہے تب درمکنوں پریشان ہوتی ہے اور اسے حقائق سے آگاہ کرتی ہے عمر عباس پریشان ہو جاتا ہے اور قریبی تھانے میں مریرہ اور شہزادہ کی گمشدگی کی رپورٹ درج کروا دیتا ہے۔ صیام شگفتہ کی شادی کے بعد درمکنوں کا دیا ہوا گھر خالی کرتا نئے گھر میں شفٹ ہو جاتا ہے خالی گھر کی چابی درمکنوں کو تھا کر حیران کر دیتا ہے درمکنوں کی نظر میں صیام نے یہ سب اس لیے کیا ہوتا ہے کہ وہ اس کی محبت کو ٹھکرا چکی تھی۔ ہوزان کی ملاقات عمر عباس سے ہوتی ہے تب وہ پرہیزگار کو فون کرتی عمر عباس کا بتاتی ہے تب پرہیزگار پاکستان آنے کا بتاتی اسے عمر عباس سے رابطے میں رہنے کا کہتی ہے۔ عمر عباس مریرہ رحمان کو پنڈی سے اسلام آباد شفٹ کراتا ہے وہ درمکنوں سے مریرہ کی حالت کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے لیکن درمکنوں مریرہ سے ملنے کی خدشہ کرتی ہے مریرہ کوے میں ہوتی ہے۔ صمد حسن گھر نہیں آئے تھے جس کی وجہ سے سارا بیگم نے رورو کر برا حال کیا ہوتا ہے تب زلیوار سارا الزام عائکہ پر رکھ کر اسے گھر سے نکال دیتا ہے۔

(ابا گے پڑھے)



محبت نہیں کہ چاند کو تم توڑ کر لاؤ  
محبت نہیں کہ تم ستارے مانگ میں بھرو  
محبت نہیں کہ وعدے کر لو سات جنموں کے  
محبت نہیں کہ پھول راہوں میں بچھا دو تم  
محبت ہے کہ تم جو ہاتھ تھا موچھوڑ نہ دینا  
محبت ہے کہ تم محبوب سے منہ موڑ نہ لینا  
محبت ہے کہ تم جھگڑو لڑو اور روٹھ بھی جاؤ  
ستارے مسکرا کر پھر مٹا لینا بھی آتا ہو

کسی کے عارض و رخسار  
 DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS



جب شرم و حیا سے سرخ ہو جائیں  
تو اپنے لب جبین ناز پر تم رکھ کے یہ کہہ دو  
میں یہ سب کر نہیں سکتا کہ جو ممکن نہیں لیکن  
میں تم سے وعدہ کرتا ہوں

کہ جب تک سانس باقی ہے  
تمہاری زندگی میں الفتوں کا سایہ کروں گا  
تمہارے لاڈ ناز و نخرے سب کچھ میں اٹھاؤں گا  
زمانے بھر کی نفرت سے تمہیں ہر پل چھپاؤں گا  
مجھے تم سے محبت ہے کہوں یا نہ کہوں لیکن  
مجھے تم سے محبت ہے یہ میں کر کے دکھاؤں گا

زلیوار کی نگاہ آنے والی خوب صورت خاتون پر ٹھہری تھی اس کے لیے وہ چہرہ اجنبی تھا مگر مقابل کھڑی شخصیت کی نگاہوں میں  
اس کے لیے جو خشونت اور حقارت تھی وہ نظر انداز کیے جانے کے قابل نہیں تھی تبھی وہ خالص پریشانی لہجے میں بولا۔  
”تشریف رکھیے“

”میں یہاں تشریف رکھنے نہیں آئی۔“ خاتون کے لہجے میں کڑنگی تھی وہ چونک اٹھا۔  
”تو پھر؟“

”پھر کچھ نہیں صمد حسن کے سپوت کو دیکھنا ہی تھی کتنا بڑا بد معاش بن گیا ہے۔“  
”کیا مطلب ہے آپ کا..... کون ہیں آپ؟“

”میں کون ہوں یہ جاننا ضروری نہیں ہے تمہارے لیے مگر تم کون اور کیا ہو یہ ضرور میں جاننا چاہوں گی۔ تمہیں دیکھ کر یقین نہیں  
آتا کہ تم جیسے شخص نے واقعی مریدہ رحمن جیسی پیاری پاک باز عورت کے بطن سے جنم لیا ہوگا۔“ دونوں بازو سینے پر باندھے وہ اسے  
نفرت سے دیکھ رہی تھی زلیوار شیشا کر رہ گیا۔

”وہاں رہیں..... کہنا کیا چاہتی ہیں آپ؟“ اب کے اخلاق کے تمام تقاضے ایک طرف پرکھتے ہوئے وہ بھی حصہ ہوا تھا مگر  
سامنے کھڑی شہر بانو پر اس کے غصے کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

”تم جیسے بد کمزور خود سر لڑکے سے بھلا کیا کہنا چاہوں گی میں میں تو صرف یہ جاننے آئی ہوں کہ تم نے عمر بھائی پر گولی کیوں  
چلائی ان کی کیا دشمنی ہے تمہارے ساتھ؟“ ملی تھیلے سے باہر آئی تھی زلیوار کے لمبوں پر استہزائیسی مسکراہٹ بکھر گئی۔

”لوہ تو عمر عباس کے خاندان سے ہیں آپ؟“  
”میں کس خاندان سے ہوں یہ جاننے میں تمہیں کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے۔ تم صرف میرے سوال کا جواب دو عمر بھائی پر  
گولی کیوں چلائی تم نے؟“

”آپ سے کس نے کہا کہ میں نے عمر عباس پر گولی چلائی؟“  
”اسی نے جسے تم بددلی سے گھائل کر کے چھوٹائے تھے۔“

”بکواس کرتا ہے نہ وہ ٹھہرا گیا ہوگا شاید۔“

”جسٹ شٹ اپ عمر بھائی کے بارے میں اس طرح سے بات نہیں کر سکتے تم۔“

”کیوں؟ کیا ہے عمر عباس ہوں.....“ اب کے اس کے لہجے میں تسخیر تھا شہر بانو نے بے حد ملاحتی نگاہوں سے اس کی  
طرف دیکھا۔

”دوبارہ ایسی گھٹیا حرکت کر کے دیکھنا کبھی زندگی میں تمہیں پتا چل جائے گا عمر عباس کس چیز کا نام ہے جو گھٹیا حرکت تم نے کی



ہا اگر تم مر رہے رحمن کے بیٹے نہ ہوتے تو اب تک تمہیں پتا چل چکا ہوتا کہ عمر عباس کیا ہے بہر حال انسانیت کے ناطے سمجھانے آئی ہوں زندگی میں دوبارہ بھی ایسی حماقت مت کرنا نہیں تو عمر بھائی تمہارا وہ حشر کریں گے کہ خود تمہارا باپ بھی تمہاری شکل نہیں پہچان سکے گا۔“ زویار کے تسخیر پر انگلی اٹھا کر وارن کتنی شہر بانو کا چہرہ اس وقت غصے سے سرخ ہو چکا تھا زویار کے اندر جیسے کسی نے شرارے بھردیئے تھے۔

”اچھا تو پھر عباس کی پیغامبر بن کرائی ہیں آپ؟ کیا لگتا ہے آپ کو میں ڈر جاؤں گا آپ کی ان دھمکیوں سے؟“  
”تمہیں ڈرنا چاہیے کیونکہ جس مر رہے رحمن کے لیے اس نے پہلی بار تمہاری خطا معاف کی ہے وہ مر رہا اب زندگی اور موت کے درمیان لگی ہے۔ اب وہ تمہارا الحاق نہیں کریں گے سمجھتے تم؟“ تنفر سے کہتے ہوئے وہ پلٹ کر تیز قدموں سے چلتی اس کے آفس سے نکل گئی تھیں۔ زویار چپ کھڑا نہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

”مر رہے رحمن زندگی اور موت کے درمیان..... کیوں؟ ابھی کچھ روز پہلے ہی تو وہ اسے دھول چٹا کر آیا تھا تب تو وہ بالکل ٹھیک تھی پھر اب کیا ہو گیا تھا؟“ اسے لگا جیسے اس کے اندر گہری چپ اتر گئی ہو۔

یہ سچ تھا کہ اسے اپنی سگی ماں کے وجود پر شرمندگی تھی وہ اس سے بدگمان تھا۔ نفرت کرتا تھا مگر شہر بانو کے الفاظ نے اس کے اندر سناٹے کیوں بکھیر دیئے تھے یہ وہ نہیں جان سکتا تھا۔ اس کا دل چاہا وہ اس عورت کے پیچھے بھاگ کر جائے اور اسے بتائے کہ اسے مر رہے رحمن کے زندہ با مردہ رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا مگر چاہنے کے باوجود وہ اس کے پیچھے نہ جاسکا۔ جانے کیوں اس کے پورے وجود پر ہلکی سی ٹپکی طاری ہو گئی تھی۔ پیشانی پر ابھرنے والے پسینے کے قطروں کو صاف کرنے کا ہوش بھی نہ رہا اسے دماغ جیسے فریز ہو گیا تھا وہ چپ چاپ آفس سے نکل کر گھر کے لیے روانہ ہو گیا۔



شام کے دھندلے گہرے ہو رہے تھے سارا بیگم لان سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئیں۔ سناٹوں کے بیچ گھر سے درود یوار کے اندر ان کا وجود کسی زندہ لاش سے کم نہیں تھا۔ یہ وہی گھر تھا جس میں ہمیشہ رہنے کے لیے انہوں نے صرف دو زنگیاں ہی نہیں کسی کا محبت بھر اول بھی اجاڑا تھا زویار اس راز سے واقف نہیں تھا واقف ہوتا تو شاید کب کا اس محل سے در بدر ہو چکا ہوتا۔  
وقت کا پیہر گھومتا رہتا ہے کبھی کسی ایک ہی جگہ پر رکتا نہیں ہے اگر کوئی انسان یہ سمجھ لے کہ اس نے وقت کو اپنا تابع کر لیا ہے تو یہ اس کی بے وقوف ہے وقت کی نہیں۔ انہوں نے اللہ کے خوف کو دل سے نکال کر مر رہے رحمن سے اس کی جنت جہنم لی تھی۔ عائکہ علوی کو بھی وہاں سے نکلتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا مگر پھر بھی ان کے اندر سکون نہیں تھا سب کچھ پا کر بھی وہ بے سکون تھیں۔

مصمید حسن کا رویہ ان کے لیے مسلسل دل آزاری کا باعث بن رہا تھا وہ اب اس کے وجود سے بےزار ہونے لگے تھے کھلم کھلا ان سے اپنی نفرت کا اظہار کرنے لگے تھے شاید وہ یہ ذلت بھی برداشت کرتی رہیں کہ اب تک مصمید حسن کی نگاہوں میں اپنے لیے ناپسندیدگی اور بے زاری بھی تو برداشت کر رہی تھیں مگر مصمید حسن کا چپ چاپ یوں گھر سے نکل جانا بہت بڑا طمانچہ تھا ان پر انہیں گھر چاہیے تھا وہ شخص ”گھر“ ان کے منہ پر مار کر چلا گیا تھا۔

پرہیان مصمید عائکہ سب چلے گئے تھے یوں جیسے وہ گھر نہیں کوئی سرائے تھا۔ انہیں یلخت اس گھر کے درود یوار سے خوف آنے لگا وہاں ہر چیز جیسے ان پر ہنس رہی تھی۔ زویار پاگلوں کی طرح مصمید حسن کو ڈھونڈ رہا تھا مگر ان کا کہیں کوئی پتا ٹھکانہ نہیں مل رہا تھا۔ نجانے وہ شخص کہاں روپوش ہو گیا تھا نجانے مر رہے رحمان کہاں روپوش ہو گئی تھی اپنے ہی اندر سر اٹھاتی وحشت سے گھبرا کر وہ لان سے اٹھ آئی تھیں۔ جس وقت وہ کمرے میں داخل ہوئیں انہیں اپنے پیچھے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی فوراً سے پوچھنے انہوں نے پلٹ کر دیکھا مگر وہاں کوئی نہیں تھا ان کا دل بے ساختہ دھڑکا تھا۔

درود یوار جیسے ان کا گلہ گھونٹ دینا چاہتے تھے وہ بے حد گھبرا کر تیز قدموں سے چلتی اپنے کمرے میں آ کر بستر میں دو بک گئیں۔ آج کام والی بھی چھٹی پر تھی مگر نہ اس کی موجودگی سے تھوڑی سی ڈھارس بندھ جاتی۔ گھڑی کی ٹک ٹک بھی انہیں وحشت زدہ کر رہی تھی وہ کسے پکاریں کہاں جاتیں؟ ایک عائکہ کا سہارا تھا اسے بھی زویار وہاں سے بے دخل کر چکا تھا۔ پرہیان کی دوست ہوزان بھی



پچھلے تین چار روز سے نہیں آئی تھی سب نے انہیں اکیلا کر دیا تھا بلکہ نہیں سب نے نہیں وقت نے انہیں اکیلا کر دیا تھا۔ گھڑی کی ٹنگ ٹنگ سے وحشت زدہ ہو کر ابھی وہ چوکیدار کھانا دینے ہی لگی تھیں جب آہستہ سے ان کے کمرے کا دروازہ دھوا اور اگلے ہی لمحوں پر بیان ان کے مقابل چلی آئی۔ سارا بیگم اپنی بیٹی کو نگاہوں کے سامنے دیکھ کر بے حد گھبراہٹ کے باوجود پڑیں۔ کیا یہ بھی ان کا الوٹن تھا یا حقیقت میں وہ چلی آئی تھی۔

”پری.....“ جانے کیسا پتے ہواں پر قابو پاتے ہوئے انہوں نے اسے پکارا تھا جواب میں پر بیان صوفے پر ٹنگ گئی۔ وہ بے حد تھکی ہوئی نڈھال لگ رہی تھی سارا بیگم بھی سبھی سی نگاہوں سے اسے دیکھ گئیں۔

”کیسی ہیں آپ؟“ اپنے چلے کی طرح تھکے تھکے سے لہجے میں انہوں نے اس کی آواز سن کر بھی دل کو کچھ حارس بندھی تو وہ بستر سے نکل کر اس کے قریب چلی آئیں۔

”تم کیسی ہو کہاں چلی گئی تھیں تم اپنی ماں کو چھوڑ کر؟“ نم آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے وہ وہیں اس کے پاس نیچے قالین پر بیٹھ گئی تھیں پر بیان نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔

”اب اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا ماما کہ میں کیسی ہوں کاش آپ نے وہ سب نہ کیا ہوتا ماما تو آج میں بھی عزت اور فخر سے سر اٹھا کر جی سکتی۔“

”کیا..... کیا ہے میں نے؟“ آنسو ٹوٹ کر گر رہے تھے مگر سارا بیگم کو اب کسی بات کی کوئی پروا نہیں تھی ان کے لیے یہی بہت تھا کہ ان کی بیٹی ان کے پاس واپس لوٹ آئی تھی۔ پر بیان نے ان کے سوال پر بے حد دکھ سے ان کی طرف دیکھا۔

”کیا آپ نہیں جانتیں کہ آپ نے کیا کیا ہے؟ میرے وجود کو گالی بتا دیا ہے آپ نے ماما.....“ وہ بھی رو رہی تھی سارا بیگم کے دل پر جیسے گھونسا پڑا تھا۔

”میں نے ایسا کچھ نہیں کیا تمہارے والد عذیر سے میرا باقاعدہ نکاح ہوا تھا۔ فرسٹ کزن تھا وہ میرا مگر اس کے طوطے طریقے ٹھیک نہیں تھے اسی لیے میرے بابا نے اس سے خلع کا مطالبہ کر دیا۔ یہ بات اسے گوارا نہیں تھی تبھی اس نے مجھے سزا دینے کی خاطر اپنا حق استعمال کیا اور طلاق دے دی۔“ برسوں بعد دل کے زخم ادھر رہے تھے پر بیان کے آنسو اس کی پلکوں پر ٹپک گئے۔

”میں یہ کیسے مان لوں ماما کہ آپ سچ کہہ رہی ہیں۔ میری نگاہوں میں آپ اپنا اعتبار کھو چکی ہیں۔“

”جانتی ہوں اسی لیے اس روز میں نے اپنی صفائی میں ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا جب تم مجھے اپنے لفظوں سے زندہ درگور کر کے گئی تھیں مگر میری کہانی صمد حسن کے ساتھ حسنہ حسین بھی بہت اچھی طرح سے جانتی ہیں تم ان سے تصدیق کر لیتا۔“ سارا بیگم کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا عین اسی لمحے زواہار کے قدم ان کے کمرے کی دہلیز کے باہر کے تھوڑے کھدے کہہ رہی تھیں۔

”میرا اللہ جانتا ہے پری..... میں بد کردار نہیں ہوں تم میری جائز اولاد ہو۔ میری کل زندگی کا حاصل ہو صرف تمہارے لیے تمہاری زندگی اور تمہاری خوشیوں کے لیے میں نے صمد حسن کا دل اجاڑ دیا۔ مریرہ رحمٰن کے لیوں کی ہنسی چھین لی صرف تمہارے لیے پری میں نے اتنا کچھ غلط کیا کہ شاید میرا اللہ بھی مجھے اس سب کے لیے معاف نہ کرے۔“ وہ رو رہی تھیں زواہار صمد کو لگا جیسے کسی نے اسے اونچی عمارت سے نیچے گھٹیل دیا ہو۔ اس کا دل چاہا وہ بھاگ کر جائے اور سارا بیگم کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دے مگر اس میں تو ہلنے کی سکت بھی نہیں رہی تھی۔ ٹھکن سے جو غور جو جسم مزید بوجھل اور نڈھال ہو گیا تھا اندر وہ پھر کہہ رہی تھیں۔

”میں نے مریرہ اور صمد کا دل دکھایا ہے پری..... دھوکہ کیا ہے ان کے ساتھ صرف تمہارے لیے میں نے ایک عورت کی زندگی اجاڑ دی اس کا دل اور گھر اجاڑ دیا کیسے معافی ملے گی مجھے کیسے؟“ وہ اب خود کو کوں رہی تھیں۔

زواہار پاتال کی انتہا میں گرنا چلا گیا اسے یاد آیا صمد حسن جیسے اس کے کان میں کہہ رہے تھے۔

”میں نے اسے نہیں چھوڑا وہ خود مجھے چھوڑ کر چلی گئی کیونکہ وہ کسی اور کو پسند کرتی تھی۔“ تبھی اس کے اپنے لہجے کی چنگھاڑ اس کی سماعتوں میں گونجی تھی۔

”نفرت ہے مجھے عورت کے کردار سے آپ سے آپ کے تصور سے..... کتنا بد نصیب ہوں میں کہ جس نے آپ جیسی بد چلن عورت کی کوکھ سے جنم لیا۔ کاش میں اتنا بہادر ہوتا کہ آپ کو اپنے ہاتھوں سے موت کی آغوش میں سلا سکتا تاکہ دنیا کی ساری



عورتیں غلط راہ پر چلنے سے پہلے ایک بار آپ کا انجام دیکھ کر عبرت پکڑ لیتیں۔ کوئی حق نہیں ہے آپ جیسی گری ہوئی عورت کو عزت سے جینے کا بھی آپ؟ اس کی چنگھاڑ پر برستی نگاہوں کے ساتھ مریرہ نے جذباتی لہجے میں اپنی صفائی پیش کی تھی۔

”میں نہیں گئی تھی اپنی سگی اولاد کو چھوڑ کر وہ آئی تھی میرے گھر میں ڈاکہ ڈالنے جسے تم معتبر کہہ رہے ہو جا کر پوچھو اس سے کیا کیا اس نے میرے ساتھ صمد حسن کے ساتھ مل کر اپنے باپ سے پوچھو جا کر میں تمہیں چھوڑ کر گئی تھی یا اس نے تمہیں مجھ سے چھینا تھا؟“ مگر زواہیار نے اس وقت اس کے لفظوں کا اعتبار نہیں کیا تھا نتیجتاً اب یہی الفاظ گونج کی صورت اس کے کان پھاڑ رہے تھے وہ پلٹ رہا تھا جب اس نے پرہیان کی آواز سنی۔

”آپ نے صرف اپنے مفاد کے لیے کسی کی زندگی اجاڑ دی ماما..... جائیں جا کر دیکھیں وہ عورت اب آپ کو معاف کرنے کے قابل بھی نہیں رہی..... خوش ہو جائیں آپ وہ اب کبھی پلٹ کر اس گھر میں نہیں آسکے گی۔ آپ جیت گئیں ماما..... بہت بہت مبارک ہو آپ کو یہ گھریہ عیش و آرام یہ دولت اس کا شوہر اور بچے سب آپ کے ہوئے۔ وہ دنیا سے جا رہی ہے اپنا سب کچھ آپ کو سونپ کر بنیاد شکایت کا ایک لفظ کہے وہ مر رہی ہے۔“ اپنی بات مکمل کرتے ہی پرہیان ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کے بچوں کی طرح ہلکے ہلکے بلند آواز میں رونے لگی۔

زواہیار کو زور کا چکرا آیا اگر وہ فوری طور پر دیوار کو نہ تھام لیتا تو کچھ بعید نہیں تھا کہ اوندھے منہ زمین پر گر پڑتا۔ اندر کمرے میں سارا بیگم کی آنکھیں جیسے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

”ک..... کیا مطلب ہے تمہارا.....! کیا ہوا ہے اسے؟“

”روڈ ایکسیڈنٹ ہوا تھا ان کا جس کے بعد وہ کومے میں چلی گئیں۔ ڈاکٹرز کے مطابق وہ بس اپنی سانسیں پوری کر رہی ہیں وگرنہ زندگی کی طرف دوبارہ پلٹنے کے چانسز ان کے نہ ہونے کے برابر ہیں۔“ پرہیان کے لہجے میں شکستگی تھی۔ زواہیار کو لگا جیسے وہ اپنی بیٹائی گنوا چکا ہو اسے یکا یک ہر چیز تاریک نظر آنے لگی تھی۔

یہ کیا ہو گیا تھا؟

”ایک لمحے کے لیے آپ بھول جائیں کہ میں آپ کا بیٹا ہوں پھر منہ نوچیں میرا تا کہ اس کے بعد میں آپ کو بتا سکوں کہ میری نظر میں آپ جیسی سفاک بے حس و بردار عورت کی کیا حیثیت ہے۔“ اس کے اپنے ہی الفاظ طمانچہ کی طرح اس کے منہ پر آ کر لگے تھے زواہیار نے دونوں ہاتھوں سے چکراتا سر تھام لیا۔

”میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی زواہیار صمد حسن..... یہ یاد رکھنا تم اللہ بڑا منصف ہے آج نہیں تو کل میرے کردار کی سچائی تمہارے سامنے آ جائے گی۔ جان جاؤ گے تم کہ تمہارے باپ نے سارا منیر حسین کے ساتھ مل کر برسوں پہلے مجھ پر کیسے قہر توڑے تھے۔ مجھے اپنے اللہ پر بھروسہ ہے وہ میری قربانیوں کو رائیگاں نہیں جانے دے گا مگر میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی نہ یاد رکھنا۔“ چکراتے سر کے ساتھ اس نے مریرہ کو چلاتے ہوئے سنا تھا۔ اسے لگا جیسے وہ کسی پہاڑ تلے دوب کر رہ گیا ہو سانس بھی کھینچ کر لینا پڑ رہی تھی۔

یہ کیسی حقیقت تھی جس سے آج اس کا سامنا ہوا تھا؟ یہ کیسی کہانی تھی جس سے وہ اب تک بے خبر رہا تھا۔ یہ وقت کا کیسا وار کیسی سزا تھی جس نے اس کے اعصاب کو مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ صمد حسن نے اس سے غلط بیانی کیوں کی صرف اپنا اور سارا منیر حسن کا جرم چھپانے کے لیے وہ کبھی لوٹ کر اپنی ماں کے پاس نہ چلا جائے اس لیے اب تک اسے ہر سچائی سے بے خبر اندھیرے میں رکھا گیا تھا تو کیوں قطعاً بے خبری میں اپنا جو نقصان وہ خود اپنے ہاتھوں کر چکا تھا اب اس کا تاوان کس نے بھرنے کا کون ذمہ دار تھا اس کا کیا زندگی رہی تھی اس کی؟

کیا باقی رہ گیا تھا اس کے پاس؟ اس کا دل جاہادہ زور زور سے چلائے مگر چلانے کی خواہش دل میں دبائے وہ پلٹا اور بھاگتے ہوئے گھر سے باہر نکل گیا۔ مریرہ رحمن کی آواز اب بھی اس کے ساتھ تھی۔

”آج مجھے اس بچے کو کھونے کا کوئی دکھ نہیں رہا جسے صمد حسن نے زبردستی مجھ سے چھین لیا تھا۔ پچیس سال جوتاں میں نے اس وجود کے لیے بہائے آج ان تمام آنسوؤں پر ندامت ہے اب جاؤ یہاں سے آج کے بعد میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں۔“



الف فہم گارٹی

گارٹی شدہ

خصوصیت

پائیدار

بے آواز

(حکومت پاکستان سے منظور شدہ)

Regd No: 71107

دی بیسٹ کارکردگی ایوارڈ یافتہ

دہن تو لے جائے گی اسے اپنے ساتھ۔۔۔

Sabir Products

SABIR  
WASHING MACHINE



سلائی مشین

میر و ن حرم گیسٹ ملتان فون: 061-4549020, 0300-6323114







”بک بک بند کر اور بھی کام ہیں مجھے۔“ غصے سے شیر دل کو ڈپٹ کر وہ آگے بڑھ گیا تھا۔ شہر زاونے ذرا سا گھونگھٹ اٹھا کر شیر

دل کو دیکھا وہ مر رہا تھا پھیر کر دیکھا۔  
شہر زاد کے ہاتھوں سے لکھا گیا محفل محفوظ طریقے سے اس تک نہ صرف پہنچ چکا تھا بلکہ اس نے پڑھ بھی لیا تھا اب اس کا

شہر بانو مریرہ رحمن کے کمرے سے ہوائی تھیں۔ اس وقت عمر عباس کے کمرے میں بیٹھی وہ شہزاد اور مریرہ دونوں کے لیے بے

یوں دشمنوں کی دشمنی کی بحیثیت چڑھ جائے گی۔  
جو خوف انہیں راتوں میں گہری نیند سے اٹھ کر بیٹھے پر مجبور کر دیتا تھا بلاآخر پورا ہو گیا تھا اب وہ بچپتا رہی تھیں کہ انہیں شہر زاد کو

پڑھنا شروع کر دیا لکھا تھا۔  
 ”عمر انکل..... میں جانتی ہوں آپ تک میرے اغواء کی خبر پہنچ چکی ہوگی اور آپ اس اطلاع کو لے کر بہت پریشان ہوں گے“

آپ کی نیک تمناؤں اور دعاؤں کی طالب شہر زاد!

میں نے کہا کہ میں نے اس کی سانسوں میں بھی تھی۔ اسی گھٹن کو کم کرنے کے لیے وہ اپنے کمرے سے نکل کر مرید







”جی چاہا..... آپ نے بلایا؟“

”آہوا بھی کال کرو اور لندن کا ٹکٹ کنفرم کرو اور میرا فوراً۔“

”خیریت؟“ جیب سے سیل نکالتے ہوئے اس نے پوچھنا ضروری سمجھا ملک فیاض اس گستاخی پر پھر دھاڑا اٹھا۔

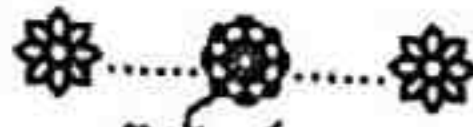
”جتنا کہا ہے اتنا کرو ابھی انٹرویو دینے کا ٹائم نہیں ہے میرے پاس۔“ اس کا دماغ کام کرنا چھوڑ رہا تھا شیردل نے اس کی ٹکٹ

کنفرم کروادی۔ آٹافانا وہ ہو گیا تھا جس کا کسی کو وہم و گمان بھی نہیں تھا۔ اس نے اپنے پاک رب سے اس کی نصرت مانگی تھی شدت

دل سے اپنی عزت کی حفاظت کی دعا مانگی تھی اور بے شک اس کے رب نے اس کی دعاؤں کو رو نہیں کیا تھا۔

ملک فیاض اسے تنہائی میں بناء کوئی بات کیے لندن روانہ ہو گیا تھا شہر دل نے دل ہی دل میں اپنے پیارے رب کا شکر ادا کیا۔

اب وہ سکون سے سوچ سکتی تھی کہ اسے آگے کیا کرنا ہے؟



سودائیوں سے حلیے میں اہورنگ نگاہوں کے ساتھ مریرہ رحمان کو دیکھتی وہ دیوار سے چسکی بیٹھی تھی۔ عمر جیسے ہی کمرے میں داخل

ہوا اسے وہاں دیکھ کر چونک گیا۔ اس نے تو اسے اس سانچے سے بے خبر رکھا تھا پھر وہ کیسے وہاں پہنچ گئی۔

کمرے میں آہٹ پر درمکنوں نے بھی سر اٹھا کر دیکھا تھا عمر عباس پر نگاہ پڑتے ہی اس نے نگاہ پھیر لی۔ عمر نے دیکھا اس کی

آنکھیں مسلسل رونے سے خوب سرخ ہو رہی تھیں وہ سست قدموں سے چلتا اس کے قریب چلا آیا۔

”دری.....“ مگر درمکنوں نے اس کی پکار کا جواب دینے کی بجائے سر گھٹنوں میں چھپا لیا۔

”میں جانتا ہوں تم مجھ سے ناراض ہوئی الوقت بات نہیں کرنا چاہتی مگر میں مجبور تھا بیٹا میری حالت ایسی نہیں تھی کہ

تمہیں سچ بتا سکتا۔“

”مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں۔“ عمر کی وضاحت پر درمکنوں نے گھٹنوں میں منہ چھپائے چھپائے قدرے روکھے لہجے میں کہا تو

وہ گہری سانس بھر کر رہ گیا بھی ہوزان وہاں چلی آئی۔

”تم گھر نہیں گئیں ابھی تک؟“ کمرے میں آتے ہی اس نے درمکنوں سے پوچھا۔ عمر جان گیا کہ وہی درمکنوں کو وہاں لے کر

آئی ہوگی بھی افسردہ سا باہر نکل گیا۔

کوئی اس کے دکھ اس کے نقصان کو محسوس نہیں کر رہا تھا سب کو بس اپنی اپنی تکلیف نظر آ رہی تھی اس کی تکلیف کی جیسے کسی کے

نزدیک کوئی وقعت ہی نہیں تھی۔ شہر بانو مریرہ کے گھر چلی گئی تھی وہ بے مقصد سا یونہی روڈ پر پیدل چل پڑا۔ ابھی اس نے بمشکل چند

فرلانگ کا فاصلہ ہی طے کیا تھا جب اچانک زاویار کی گاڑی کے ٹائر عین اس کے قدموں کے قریب جڑ چرائے وہ بے ساختہ ٹھٹکا

تھا۔ زاویار کی نگاہ جیسے ہی اس پر پڑی وہ فوراً گاڑی سے باہر نکل آیا۔

”ایلیکسیوز می مسٹر عمر..... مجھے آپ سے بات کرنی ہے پلیز۔“ عمر کے لیے اس کا بلتی لہجہ حیرانگی کا باعث تھا شاید تبھی وہ اسے

نظر انداز نہ کر سکا۔

”مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی سوری۔“

”میری بات سنیں پلیز میں اپنی ہر خطا پر نادم ہوں بہت شرمسار ہوں۔ پلیز میرے ساتھ ایسے نہ کریں میں اپنی ہر خطا کے

لیے آپ سے معافی کا طلب گار ہوں پلیز۔“ وہ بہت ڈسٹرب لگ رہا تھا عمر نے ایک سنجیدہ نظر اس پر ڈالنے کے بعد کہا۔

”کل تک جو شخص اپنی سگی ماں کے ساتھ ساتھ میرے بھی خون کا پیا سا تھا کتنی حیرانی کی بات ہے کہ آج وہی معافی مانگ رہا

ہے۔ یہ معجزہ کیسے ہو گیا؟ میرے زخم ابھی مندمل نہیں ہوئے ہیں مسٹر زاویار صمد۔“

”میں جانتا ہوں اسی لیے ہر سزا کے لیے تیار ہوں آپ چاہیں تو ابھی میرے وجود میں جتنی چاہیں گولیاں اتار سکتے ہیں میں

آف تک نہیں کروں گا مگر اس سے پہلے پلیز میرے چند سوالوں کے جواب دے دیں۔ میں آپ کے اور ماما کے درمیان رشتے کی

حقیقت جاننا چاہتا ہوں پلیز۔“ عمر کے کڑواہٹ بھرے لہجے پر وہ خاصی دلگڑی کے ساتھ بولا تو ایک تلخ مسکراہٹ نے عمر کے لبوں

کا احاطہ کر لیا۔







دیکھا جب اس نے وضاحت دی۔  
 ”میں نے اسے ابھی آپ کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا یہ مجھ سے میرے اور میرے دو کے درمیان تعلق کی حقیقت پوچھنا یا تھا۔ میں اسے آپ کے پاس لے آیا کیونکہ صمد حسن اور سارا منیر حسن کے بعد آپ ہی اسے میرے اور میرے دو کے بارے میں خبر جانبداری سے سب سے صحیح بتا سکتی ہیں۔“  
 ”ہوں۔“ عمر کی وضاحت پر حمزہ حسین نے گہری نگاہوں سے ذرا دیر کا جائزہ لیا۔

”کیا جانا چاہتے ہو تم عمر بھائی اور میرے دو کے بارے میں؟“  
 ”جی اور سب کچھ اب تک میں صرف اتنا جانتا تھا کہ میری ماں نے محض عمر عباس نامی شخص کو پانے کے لیے میرے والدین کے گھر اور بچوں کو چھوڑ دیا تھا نہ صرف انہیں بلکہ وہ اپنے سکے چچا کرنل شیر علی سے بھی کنارہ کش ہو گئی تھیں تبھی مجھے میرے لیے میرے پاپا کو دوسرے شادی کرنی پڑی۔ اسی لمحے سب کچھ یا جھوٹ نے مجھے میری ماں سے متفرک کیا میں جانا چاہتا ہوں میری ماں کی زندگی کی حقیقت کیا تھی؟ انہوں نے اگر اپنے سارے رشتوں کو چھوڑ تو کیوں؟ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں انہیں دیکھنا چاہتا ہوں پلیز۔“ ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ اس کے چہرے پر زمانے بھر کی لڑائی تھی۔ حمزہ کو بے ساختہ اس پر ترس آیا۔  
 ”تم نے حقیقت جاننے میں بہت دیر کر دی ہے بیٹا..... اب سچ جان بھی لو تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔“

”ایسا کیوں کہہ رہی ہو آپ؟“ حمزہ حسین کے پاسیت بھرے لہجے پر ذرا دیر نے شکوہ کیا تھا کہ اس کی طرف دیکھا۔ عمر اپنی جگہ سے اٹھ کر سائیڈ میں لگے گلاب کے پودوں کی کیاری کی طرف چلا آیا۔ جانے کیوں اس کے اندر کی عین بڑھتی جا رہی تھی حمزہ نے آہستہ سے نظریں پھیر لیں۔

”میریہ اب اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ تم اس سے معافی مانگ سکو کرنل صاحب کی وفات والے روز پنڈی روڈ پر بہت زبردست ایکسیڈنٹ ہوا تھا اس کا اسی ایکسیڈنٹ کے نتیجے میں وہ کومہ میں چلی گئی۔ ڈاکٹرز کے مطابق اب اس کے زندہ رہنے کے چانسز بہت کم ہیں اب اگر تم سب سچ جان بھی لو تو سوائے پچھتاؤں کے کچھ ہاتھ آئے والا نہیں۔“ جوابات پر ہیان نے کی تھی وہی بات حمزہ حسین اسے بتا رہی تھی۔ ذرا دیر کے اعصاب کو ایک اور زبردست دھچکا لگا۔  
 کرنل صاحب کی وفات والے روز ہی تو اس کا میرے دو سے ٹکراؤ ہوا تھا اسی روز تو اس نے اس سے بدتمیزی کی انتہا کی تھی۔ اس کا دل دکھایا تھا تو کیا اسی کی وجہ سے وہ روڈ ایکسیڈنٹ کا شکار ہوئی؟ کیا میرے دو کی اس حالت کے پیچھے اسی کا ہاتھ تھا؟ اسے لگا جیسے وہ وہیں بیٹھا بیٹھا کئی فنٹ گہرے گڑھے میں گر گیا ہو۔ اس نے کہا۔

”نفرت ہے مجھے عورت کے کردار سے آپ سے آپ کے تصور سے۔ کتنا بد نصیب ہوں میں کہ جس نے آپ جیسی بد چلن عورت کی کوکھ سے جنم لیا۔ کاش میں اتنا بہادر ہوتا کہ آپ کو اپنے ہاتھوں موت کی آغوش میں سلا سکتا کہ دنیا کی ساری عورتیں غلط راہ پر چلنے سے پہلے ایک بار آپ کا انجام دیکھ کر عبرت پکڑ لیتیں کوئی حق نہیں ہے آپ جیسی گری ہوئی عورتوں کو عزت سے جینے کا کبھی آپ؟“ اور اس نے اپنا کہا سچ کر دکھایا تھا۔ اپنے ہاتھوں اپنی ماں کو موت کی آغوش میں سلا دیا تھا۔  
 معافی تو بہت دور کی بات تھی وہ تو نفرت کے قابل بھی نہیں تھا اس نے نہ صرف اپنی ماں کو موت پر اکسایا تھا بلکہ اتنا مجبور کر دیا تھا کہ وہ کسی حادثے کی بحیثیت چڑھ جاتی اپنی ماں کے مقابلے میں اس نے اپنے باپ کی بات کا اعتبار کیا تھا۔  
 کتنا عاقبت اندیش تھا وہ؟ حمزہ حسین نے سچ کہا تھا اب اگر وہ سچ جان بھی لیتا تو سوائے پچھتاؤں کے کیا رہ گیا تھا اس کے پاس؟ وہ خود پر جتنا بھی ماتم کرتا تھا۔

”میریہ کے ساتھ میری دوستی یوں تو بچپن سے ہی تھی ہم ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے مگر تب ہماری اتنی دعا سلام نہیں تھی جتنی اس وقت ہوئی جب وہ بیاہ کر کرنل صاحب کے مکان سے صمد حسن کے ساتھ میرے محلے میں آباد ہوئی۔ میں نے اسے فطرتاً ہی حد حساس اور محبت کرنے والی لڑکی پایا شاید اسی لیے بہت جلد ہم ایک دوسرے کے بہت قریب آ گئی تھیں۔ عمر بھائی سے میرے دو کا تعلق اس کے بچپن سے تھا کیونکہ عمر بھائی کے والد ملک اظہار عباس اور میرے دو کے چچا کرنل شیر علی آپس میں بہت گہرے دوست



تھے۔ لڑکپن سے ہی عمر بھائی اور مریرہ کے درمیان گہری دوستی تھی مگر اس دوستی میں عامیانه پن نہیں تھا پاکیزگی تھی۔ مریرہ کو تو کبھی ہوا ہی نہ چل سکا کہ عمر بھائی کے دل میں اس کے لیے کیا جذبات ہیں وہ ہمیشہ انہیں ایک اچھا مخلص اور ہمدرد دوست سمجھتی رہی اسی لیے جب صمد حسن کو کرنل صاحب اپنا بیٹا بنا کر گھر لائے تو وہ اس سے متاثر ہو کر دل ہی دل میں اسے چاہنے لگی۔ صمد حسن لاوارث تھے کرنل صاحب نے ان کے سر پر دست شفقت رکھا انہیں بہترین تعلیم دلوائی کاروبار شروع کرنے کے لیے پیسے دیئے۔ بہت احسان تھے ان کے اور مریرہ کے صمد حسن پر یہی نہیں بلکہ کرنل صاحب نے اپنے سگے بیٹے سکندر علوی کا حصہ بھی صمد حسن کے سپرد کر دیا تھا بعد ازاں صمد حسن کی رضامندی کے ساتھ مریرہ کا نکاح بھی طے کر دیا ان سے۔ مریرہ کی طرح صمد حسن بھی دل ہی دل میں اسے بہت چاہتے تھے یوں ان کی شادی ارنج میرج کم اور لومیرج زیادہ تھی۔

زاویار صمد حسن پتھر کا بُت بنا خاموش بیٹھا تھا جب حمزہ حسین نے گزرے ہوئے وقت کے اوراق پلٹنے شروع کیے۔ حمزہ حسین اسے اس کی ماں کے بیٹے ہوئے کل کی کہانی سنارہی تھی وہ کہانی کہ جس سے وہ آج تک بے خبر رہا تھا۔ حمزہ حسین اب دھیمے لہجے میں بتا رہی تھی۔

”مریرہ اور صمد حسن کی محبت کی کہانی میں عمر عباس کبھی نہیں آیا ہاں سارا منیر حسین آگئی تھی۔ صمد حسین کے بزنس پارٹنر منیر حسین کی شادی کب اس کا صمد حسن سے آنا سامنا ہوا۔ کب ان کی دعا سلام شادی کے منصوبے تک پہنچی مریرہ رحمٰن سمیت کسی کوکان وکان خبر تک نہ ہو سکی۔ جس روز مریرہ رحمٰن نے تمہیں جنم دیا تمہارا عظیم باپ اسے بالکل اکیلا چھوڑ کر سارا منیر حسین کے ساتھ وقت گزار رہا تھا میں اسے ہسپتال لے کر گئی تھی۔ صمد حسن صرف اس کا شوہر نہیں تھا عشق تھا اس کا یقین تھا مگر جس دن وہ سارا منیر حسین کو اس پر سوتن بنا کر لایا اس کا یہ یقین ٹوٹ گیا۔ سارا منیر حسین کے لیے تمہارے باپ نے برستی بارش میں اسے تین کپڑوں کے ساتھ گھر سے بے گھر کر دیا تھا وہ اس وقت حاملہ تھی مگر نہ صمد حسین کو اس پر ترس آیا نہ سارا منیر حسین کو۔ کرنل صاحب اسے اجازت نہیں چاہتے تھے وہ ملک سے باہر تھے۔ مریرہ ان کی دہلیز پر آ کر بیٹھی تو وہ بھی اسے مجبور کرنے لگے کہ وہ صمد کے پاس واپس لوٹ جائے اسی لیے وہ ان کی زندگی سے بھی نکل گئی۔ مجھ سے پوچھو ان دنوں وہ کیسے ساری ساری رات جاگ کر اپنے چہن جانے والے بیٹے کے لیے بچوں کی طرح روتی تھی۔ اسے روتے دیکھ کر درود یواری کا کلیجہ بھی پھٹتا تھا مگر صمد حسن نے اس پر ترس نہیں کھایا جس روز اس نے تمہاری بہن درکنون کو جنم دیا وہ مرتے مرتے بچی تھی۔ کیسے کیسے دکھ نہیں دیکھے اس نے فقط چند سو روپے ماہانہ کی نوکری کے لیے میری دوست درود کے دھکے کھاتی رہی۔ آج اگر اس کی عزت ہے تو صرف عمر بھائی کی وجہ سے اگر وہ دولت مند ہے تو صرف عمر بھائی کی وجہ سے کیونکہ جب ساری دنیا نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تب عمر بھائی نے اسے سہارا دیا۔ مریرہ نے اگر آج تک عمر کو نہیں چھوڑا تو اس کی ایک وجہ ان کے اس پر بے شمار احسانات ہی ہیں ویسے بھی عمر بھائی نے بہت دکھ دیکھے ہیں ان کے سگے تایا اور ان کے بیٹوں نے مل کر پورا خاندان ختم کر ڈالا عمر بھائی کا دنیا میں سوائے ایک بھائی اور بھئی کے ان کا اور کوئی نہیں۔“ حمزہ حسین کی آنکھ میں آنسو تھے۔ زاویار کو لگا وہ زمین میں دھنستا جا رہا ہو۔ اس کی قوت سماعت قوت گویائی جیسے سب سلب ہو گئی تھی۔ حمزہ حسین جانے اور بھی کیا کیا کہہ رہی تھی مگر وہ سن کہاں رہا تھا وہ تو پتھر ہو چکا تھا۔



ذرا دیکھو تو دروازے پر دستک کون دیتا ہے  
محبت ہو تو کہہ دینا یہاں اب ہم نہیں رہتے  
دروازہ آہستہ سے کھلا تھا صمد حسن نے جیسے ہی کمرے کی دہلیز پر قدم رکھا وہاں دیوار سے فیک لگائے بیٹھی درکنون کو دیکھ کر ٹھٹھک گئے وہ چہرہ ہو۔ بھواسی کی کاپی تھا اس کا ہاتھ جیسے دروازے کے ہینڈل پر جم گیا۔

”میں چلتی ہوں اب شاید عمر عباس کو اس وقت میری ضرورت ہے۔ پری بھی پاکستان پہنچ چکی ہے شاید وہ رات میں چکر لگائے بہتر ہوگا اگر تم بھی تھوڑا سا آرام کر لو۔“ ہوزان نے ساکت بیٹھی درکنون سے کہا درکنون نے آہستہ سے پلکیں موند لیں۔  
ہوزان اگلے ہی پل صمد حسن کو یکسر نظر انداز کرتی کمرے سے نکل گئی تھی صمد کی سمجھ میں نہ آیا وہ درکنون سے کیا کہے پچھلے ایک ہفتے میں اس نے دنیا کو پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ کھانا پینا سونا سب حرام کر لیا تھا پچھلے ایک ہفتے سے وہ کمر اس کا مسکن



تھا۔ صرف کسی نہ کسی حاجت کے لیے ہی وہ وہاں سے اٹھتا تھا ابھی بھی وہ اپنی حاجت پوری کر کے کمرے میں واپس آیا تھا جب درکنون اور ہوازن کو وہاں دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

”دری بیٹا.....“ مگر درکنون نے اس کی ہلکا سا کوئی جواب نہ دیا وہ بے حس سی محضوں میں منہ چھپائے بیٹھی رہی۔

”میں جانتا ہوں تم مجھ سے بات نہیں کرو گی میں مر رہے کے ساتھ ساتھ تمہارا بھی مجرم ہوں مگر.....“

”آپ ہیں کون اور کس سے یہ سب کہہ رہے ہیں؟“ سرخ آنکھوں کے ساتھ اس نے اچانک سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا

تھا۔ صمد اپنی جگہ فریز ہو کر رہ گیا تھا۔

پہلے اندازہ نہیں تھا وہ بالکل سناکت سا اپنی بی بی کا حصے سے سر پر چہرہ دیکھا۔ کیا۔  
 ”اب جائیں یہاں سے نہیں تو میں ہسپتال کی انتظامیہ سے کہہ کر زبردستی آپ کو یہاں سے نکلوا دوں گی۔“ وہ آنکھیں جو بالکل  
 اسی کی کاپی تھیں ان آنکھوں میں نفرت کے انکار سے بھر رہے تھے حمید حسن کو لگا اس کا وجود فنا ہو گیا ہو۔  
 کیا یہ دن دیکھنے کے لیے اس کا زندہ رہنا ضروری تھا؟ کیا زندگی میں اس سے برا وقت بھی کبھی آ سکتا تھا اس پر؟ وہ اٹھا اور  
 خاموشی سے کمرے سے نکل گیا۔ واقعی اسے مریدہ رحمن کے پاس ٹھہرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔

تھا۔ شہر زادے اس دوران کی پلاکڑیاں۔  
افیشن نے اس کی ہدایت پر شہر میں میرپ کو ملک فیاض کی دوسری شادی اور ملک سے باہر پرواز کے بارے میں مطلع کر دیا۔  
میرپ کے لیے یہ اطلاع کسی بارود سے کم نہیں تھی وہ اسی روز شہر سے گاؤں حویلی چلی آئی۔ شہر زاد اس وقت حویلی کے کشادہ صحن میں  
بیٹھی کبوتروں کے لیے روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے نرم کر رہی تھی جب وہ تن فن کرتی حویلی میں داخل ہوئی۔  
”افشین.....“ اس کی پکار میں بجلی کی سی گرج تھی، افشین حویلی سے ملحقہ احاطے سے ہاتھ باندھے فوراً حاضر ہو گئی۔  
”حکم لی لی صاحب۔“


[DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND E-BOOKS MONTHLY DIC](#)



Watch Us On  
**You Tube**

چہرے کے فالتو بالوں کا

بہت ہی آسان علاج



Health Care Club



چہرے کی جھڑیوں کا

بہت ہی آسان علاج



Health Care Club





”آپ اپنے کام سے کام رکھیں ہر بات میں آپ کا نامک اڑانا ضروری نہیں۔۔۔۔۔ آئی سمجھ۔“ بدتمیزی کی انتہا کرتے ہوئے وہ انہیں کھانے کو دوڑی تھی۔ عائشہ بیگم نے چپ سا دھلی ان کی خاموش نگاہیں بے حد حیرانی سموائے شہزاد کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں جو سفید اور سیاہ لان کے پرنٹڈ سوٹ میں لمبوں لے بالوں کو پشت پر پکھرائے کہیں سے بھی ایک دن کی دھن نہیں لگ رہی تھی۔ میرب نے عائشہ بیگم کو لٹاڑنے کے بعد اپنا چہرہ پھر سے شہزاد کی طرف موڑ لیا۔

”نکلو یہاں سے نہیں تو میں تمہارا وہ حشر کروں گی کہ سارا گاؤں تماشہ دیکھے گا۔“ اس بار بے حد جرأت کے ساتھ اس نے شہزاد کا بازو پکڑا تھا اور شہزاد کے ضبط کی حد بس یہیں تک تھی۔ ایک جھٹکے سے میرب کا بازو جھٹکتے ہوئے اس نے اسے پرے دھکیلا تھا۔

”تم ہوتی کون ہو مجھ سے اس لہجے میں بات کرنے والی ہاں؟“ میرب کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اسے یوں اینٹ کا جواب پتھر سے ملے گا بھی وہ شہزاد کی جرأت پر حیران نہ ہو گئی تھی۔

”آج ہاتھ لگایا ہے دوبارہ ایسی گستاخی کی تو منہ توڑ دوں گی میں تمہارا آئی بڑی تھانیدارنی۔۔۔۔۔ تمہارے باپ کی عزت ہوں میں اب ادب کے ساتھ بات کیا کرو مجھ سے وگرنہ وہ حشر کروں گی کہ پوری حویلی تماشہ دیکھے گی۔“ اس کا جلال بھی کچھ کم نہیں تھا میرب فیاض کے لیے سب کے سامنے ڈوب مرنے کا مقام ہو گیا عبدالہادی کی آنکھوں کے جھکڑے سے کھلی تھی۔

افشین نے شہزاد کی ہدایت کے عین مطابق بھاگ کر ملک فیاض کو کال کھڑکادی حویلی کا نمبر دیکھ کر اس نے پریشانی کے باوجود فوراً کال اینڈ کر لی تھی۔

”ہیلو۔“

”سلام علیکم سائیں! میں افیشن حویلی سے بول رہی ہوں جی۔“

”آہ ہوتا ہے مجھے کیوں کی ہکال؟“ وہ بے زار تھا افشین نے آواز دہمی کر لی۔

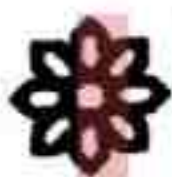
”سائیں بڑا غصہ ہو گیا ہے میرب بی بی آپ سے ملنے آئیں تو انہیں آپ کی دوسری شادی کا پتا چل گیا۔ تو بے پرواہ ہنگامہ کیا ہے جی انہوں نے چھوٹی بی بی صاحبہ پر ہاتھ بھی اٹھایا ہے اور انہیں دھکے دے کر حویلی سے بھی نکال رہی ہیں۔“ افشین نے اس وقت جو بھی کہا تھا ملک فیاض کو اس کا خدشہ تھا بھی اس کی اطلاع پر بناء ایک بھی لفظ کہ اس نے کال کاٹ دی تھی۔ میرب جو ابھی شہزاد کے وار سے ہی نہیں سنبھلی تھی اپنے سیل پر ملک فیاض کی کال دیکھ کر دوبارہ غصے سے کھول اٹھی۔

”یہ کیا حرکت کی ہے آپ نے بابا۔۔۔۔۔ شرم نہیں آئی اس عمر میں ایسا کام کرتے ہوئے اس چیل کو ابھی اور اسی وقت شلاق دے کر یہاں سے دھک کر دیں نہیں تو میرا غصہ جانتے ہی ہیں آپ۔“ کال پکارتے ہی وہ شروع ہوئی تھی ملک فیاض کا دماغ گھوم گیا۔

”زیادہ ڈر کرنے کی ضرورت نہیں۔۔۔۔۔ ماں سے وہ تمہاری خبردار جو اس کے ساتھ کوئی بدتمیزی کی تم نے۔ میں نے شیردل سے بات کر لی ہے ہوشل چھوڑ آئے گا تمہیں۔“ جس لہجے اور انداز میں ملک فیاض نے اس سے بات کی وہ بے ہوش ہوتے ہوتے پچی۔ جان قربان کرنے والا باپ محض چند لمحوں میں بدل گیا تھا۔

یہ کون سا روپ تھا اس کا۔۔۔۔۔ فقط چند لمحوں میں یہ کیا ہو گیا تھا؟ شہزاد جانتی تھی جو ہوا تھا تبھی مسکراہٹ لیوں میں دبائے وہ ہلٹی اور تیزی سے حویلی کے بڑے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ عبدالہادی دلیز پر کھڑا تھا شہزاد سر جھکا کر چلنے کے باعث قطعی غیر دانستگی میں اس سے ٹکرائی۔ دونوں کی نگاہیں ملیں اور جیسے دونوں ہی اپنی اپنی جگہ ساکت رہ گئے تھے۔

(ان شاء اللہ باقی اگلے شمارے میں)



URDU SOFT BOOKS

DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS





ضرورت  
راحت و وفا

ROAD, URDU POETRY AND ALL MONTHLY DIGESTS

RDUSOFTBOOKS.COM

سالگره نمبر سالگره نمبر سالگره نمبر سالگره نمبر سالگره نمبر سالگره نمبر سالگره نمبر

لفظوں کے رنگ اس نے بکھیرے کچھ اس طرح  
تلخی بھی پیار سے میرے دل میں اتر گئی  
اس کا بھی حال مجھ سے کوئی مختلف نہ تھا  
شیشے کی طرح ٹوٹ کے جب میں بکھر گئی

سائیکل سمیت اندر داخل ہوتا تو پہلی بات یہی کرتی۔

”صاحب گاڑھی چائے یا پتلی؟“ پہلی مرتبہ تو یہ سن کر اسے ہنسی آئی تھی مگر پھر اپنے دفتر کے کولیگ سے ذکر کیا تو اس کے سمجھانے پر کہ ”گاڑھی چائے سے مراد اسٹرونگ اور پتلی سے مراد لائٹ چائے..... تمہیں کیا فرق پڑتا ہے تم گاڑھی یا پتلی کہہ دیا کرو۔“ یوں وقار احمد ہیڈ سپروائزر صاحب نے اچھی طرح سمجھ کر ”گاڑھی“ کہنا شروع کر دیا اس کو اسٹرونگ چائے پسند تھی۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ گاڑھی چائے کا کپ اس کے سامنے رکھتے ہوئے پتی کے نقصانات گنوانے لگتی جبکہ وہ چائے کی چسکی لیتے ہوئے چائے کی تعریف کرتا تو رشیدہ کے منہ سے فقط اتنا نکلتا۔

”بی بی کے ہاتھوں میں بہت لذت ہے“ رشیدہ پتی دودھ کو قطعاً نمبر نہ دیتی سارا کریڈٹ بی بی کے کھاتے میں ڈال دیتی۔ بی بی کے نام پر جواں سال وقار احمد تبسم سی خاموشی اختیار کر لیتا۔

تکمر آج دس منٹ سے زیادہ وقت گزرنے کے باوجود دروازے کے پیچھے مکمل خاموشی تھی۔ ماسی رشیدہ کی ننا ہٹ

بل کھاتی سیر حیاں اتر کر وہ حسب عادت راہداری میں  
رکا۔ گھڑی دیکھ کر نیچے اتر اٹھا پورے آٹھ بج رہے تھے دفتر  
اور گھر کے درمیان دس منٹ کا فاصلہ تھا۔ پانچ سات منٹ  
مافی رشیدہ سے بات چیت میں لگتے تھے اسی رشیدہ ڈیڑھ ماہ  
سے اسی وقت سیر حیاں کے ختم ہونے پر شروع ہونے والی  
راہداری کے نیم تارک ماحول میں آتی اور پوچھتی۔

”کھانا کھا کر آ تمہیں مے یا نہیں۔“ وہ ساٹھ پینٹھ سالہ  
ماہی رشیدہ کے رٹے رٹائے سوال پر پہلے تو جربز ہوتا تھا مگر  
اب مسکرائے بنانہ رہتا۔ کبھی اثبات میں گردن ہلا دیتا اور کبھی  
نفی میں وہ کچھ نہ کہتی البتہ وہ اپنا رسمی شپ شدہ جملہ دہرا دیتا۔

”کوئی ضرورت.....؟“ اس سوال پر وہ تیزی سے جالی والا پراتا سا دروازہ کھول کر اندر جاتی اور پھر اس کے مین گیٹ تک پہنچنے سے پہلے واپس آ کر کہتی۔

”کوئی ضرورت نہیں۔“ یہ جملہ وہ گزشتہ ڈیڑھ ماہ سے سن رہا تھا، موٹر سائیکل اشارت کر کے گیٹ سے باہر نکلا۔ ماسی رشیدہ اس کی موٹر سائیکل کے ہارن سے اچھی طرح شناسا ہو گئی تھی پہلے ہارن پر کھٹ سے گیٹ کھل جاتا جو نہی وہ موٹر



تھی اور نہ آواز اس نے دروازے پر دستک کے لیے سیدھے ہاتھ کی شہادت کی انگلی کو خم دے کر ارادہ ہی کیا تھا کہ مہینہ سی آواز آئی۔

”کھانا کھا کر آئیں گے یا نہیں۔“ وقار احمد پوری طرح گڑبڑا گیا، ”کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ پھر آواز آئی۔“

”کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ اب کے وہ متحیر سا ہو گیا، ”کچھ کہنے نہ کہنے کی کیفیت سے دو چار آگے بڑھ گیا۔ گیٹ کھولا، موٹر سائیکل باہر نکالی، چور نظروں سے پیچھے دیکھا مگر کوئی نہیں تھا۔ گیٹ ویسے ہی باہر سے بند کر کے موٹر سائیکل اسٹارٹ کی تو اندر سے گیٹ بند کرنے کی آواز آئی۔“

ایسا اتنے دنوں میں کبھی نہیں ہوا تھا، وہ راستہ بھر ہی سوچتا رہا کہ ماسی رشیدہ کہاں تھی؟ بی بی نے بات کی یا اور بھی کوئی رہتا ہے کیونکہ اسے تو کمرے کی چابی تھماتے ہوئے اسٹیٹ ایجنسی والے نے یہی بتایا تھا کہ ایک مکان مالکن اور ایک ملازمہ ہوتی ہیں۔ بے انگ گیٹ بن کر وہ ڈیڑھ ماہ قبل شفٹ ہوا تھا بلکہ یوں کہیے کہ پہلی بار بڑے شہر میں آیا تھا وہ بھی سفارش سے حاصل ہونے والی سرکاری نوکری کی وجہ سے در نہ جلال پور پیر والا کے کچے مکے گھر میں نئی نوپلی دہن کو چھوڑ کر کب آئے کو دل چاہتا تھا۔ چھو جیسی کچی ملائی جیسی نرم و نازک دہن کو تو آدمی سامنے بٹھا کر نکا کرے ایک لمحے کو بھی چھوڑ کر کہیں نہ جائے مگر اسے چھوڑ کر وہ دل پر جبر اتالے لگائے جیسے تیسے رات دن بتا رہا تھا۔ شہر آتے ہوئے اسے اپنا عام سامو بائل فون دے آ یا تھا، کہا تھا کہ نیا فون اور نئی سم لے کر فون کروں گا مگر دو مرتبہ سے زیادہ فون بھی نہیں کر سکا تھا اس نے خود کبھی کیا نہیں۔ وہ بھی دفتری مصروفیات اور تھکن کے باعث روز ہی بھول جاتا۔

آج بھی دفتر میں غیر معمولی مصروفیت تھی نوکری سفارش سے ضرور حاصل کی تھی لیکن نوکری کے معاملے میں فرض شناس ڈیوٹی فل انسان تھا یہ دیکھ کر دوسرے ساتھی اس کا مذاق اڑاتے مگر اس نے کبھی پروا نہیں کی۔ ڈیوٹی کے دوران سرائٹا کر نہ دیکھتا مگر آج کچھ غیر معمولی رویہ تھا اس کے کانوں میں وہی باریک سی آواز بار بار گونج رہی تھی۔

”کیا بات ہے؟“ برابر والی کرسی پر بیٹھے کو لیگ نے کہنی ماری۔

”آں ہاں..... کچھ نہیں۔“ وہ چونکا۔

”بھابی کی یا قاری ہے؟“

”نہہ..... ہاں ہاں شاید۔“ وہ بے ساختہ جھوٹ بول گیا۔

”تو کل چھٹی ہے ہواؤ۔“ مشورہ مناسب تھا مگر اس نے قبول نہیں کیا۔

”دیکھوں گا۔“

آج ٹھیک چار بجے وہ گیٹ پر تھا ہارن دینے کی ضرورت ہی نہیں پڑی گیٹ ماسی رشیدہ نے کھول دیا۔ ماسی رشیدہ کو دیکھ کر یہ تو اندازہ ہو گیا کہ وہ گھر میں موجود ہے مگر اگلا سوال یہ تھا کہ صبح کون تھا؟ اور کس کی آواز تھی؟

”چائے گاڑی یا پتلی؟“ ماسی رشیدہ نے اسے کچھ ذہنی مصروف دیکھا تو اپنا مخصوص جملہ ادا کیا۔

”بہت باریک۔“ وہ بے دھیانی میں بڑبڑا کر سیڑھی چڑھنے کو تھا کہ ماسی رشیدہ نے ہنس کر اس کی بات کا مذاق اڑایا۔

”باریک چائے کیسی ہوتی ہے؟“

”باریک چائے..... کیا مطلب؟“ وہ دوسری ہی سیڑھی پر جم گیا۔

”آپ بتائیں۔“

”میں..... میں کیسے بتا سکتا ہوں؟“ وہ اصل موضوع تو بالکل بھول چکا تھا اس لیے کچھ بے زاری سے کہہ کر تیسری چوٹی سیڑھی چڑھ گیا مگر ایک دم ہی جیسے بریک لگ گئی۔

”میری کمر کی بات کی ہوگی یا..... ہی ہی ہی۔“ ہنسی کا جلت رنگ سا بجا اور اس کے پلٹ کر دیکھنے تک وہ دونوں جالی والے دروازے کے پیچھے گم ہو گئیں۔

”نہہ..... احمق، کمر باریک کب ہوتی ہے؟“ وہ تمسخر اڑا کر اوپر پہنچ گیا، کپڑے چھینج کیے ہی تھے کہ گرم بھاپ اڑاتا چائے کا گما گیا۔

”تمہاری بی بی کی کمر باریک ہے یا پتلی۔“ اس نے مگ سے چائے کی چسکی لیتے ہوئے پوچھا۔ ماسی رشیدہ چونکی اور نہ گڑبڑائی بڑے اطمینان سے بولی۔



”بی بی کی باریک ریلی آواز میں سنیں تو باریک ہی سنائی اور دکھائی دیتی ہے۔“  
 ”کیا مطلب؟“  
 ”جو آواز سن کر محسوس ہو وہی سچ ہوتا ہے۔“ ماسی رشیدہ نے ہوشیاری کا مظاہرہ کیا۔  
 ”خیر..... وہ ٹال گیا۔“  
 ”کھانا.....“

”نہیں مجھے باہر کھانا ہے۔“ اس نے خواندہ ہی بہانہ بنایا۔  
 ”دراصل میں صبح پوچھ نہیں سکی تھی۔“  
 ”وہ پوچھا تو تھا کسی نے۔“  
 ”چلیں آرام کریں۔“ ماسی رشیدہ نے کہا اور دھیرے دھیرے سیڑھیاں اتر گئیں۔

وہ بستر پر دراز ہو گیا میز پر سے اپنا موبائل فون اٹھایا بے دھیانی میں ٹھیکو کو فون کر لیا۔ ٹھیکو شاید فون کان سے لگائے بیٹھی تھی۔

”تم مجھے بھول گئے ہو۔“ روتا بسورتا سالہجہ اسے ناگوار سا لگا حالانکہ بڑا فطری سالب ولہجہ تھا شکوہ بھی حقیقی تھا۔  
 ”غلطی کر لی ہے تمہاری بے سری آواز سن لی بس۔“ اس نے یہ کہا اور فون بند کر دیا پھر ٹھیکو بار بار فون ملائی رہی اور وہ کاٹتا رہا۔ اسی کشمکش میں وہ بڑی گہری نیند سو گیا آنکھ جب کھلی تو بہت شدید بھوک لگ رہی تھی۔ رات کے پونے گیارہ ہو رہے تھے وہ کچھ کھانے کے لیے موٹر بائیک کی چابی اٹھا کر سیڑھاں اتر کر پورچ میں پہنچا تو بڑی سی سیاہ ہنڈا اسی دیکھ کر وہ ٹھٹکا سوچ بچار میں گھرا اپنی موٹر بائیک تک پہنچا تو پھر پلٹ کر گاڑی کی طرف دیکھا اس سے پہلے اس نے بھی کوئی گاڑی نہیں دیکھی تھی۔ بہر کیف..... اس پر حیرت کی جاسکتی تھی تشویش نہیں۔ مجھے کیا کوئی آئے اور کوئی جائے اس سوچ نے سب بھلا دیا اور وہ سڑک کے اس پار فرائی مچھلی کھانے میں محو ہو گیا۔

مگر واپسی پر گاڑی موجود پا کر ایک بار پھر اس نے کچھ سوچا اور سیڑھیاں چڑھ گیا ویسے بھی کوئی آواز نہیں تھی شاید اندر کوئی تھا ہی نہیں مگر یہ بھی سچ کہ گاڑی کھڑی ہو اور گھر والے

غائب ہوں اس نے ذہن جھٹکا لگا اور وہ بستر پر دراز ہو گیا۔

آج اس کی آنکھ دیر سے کھلی تھی دفتر میں آڈیٹ ٹیم آئی ہوئی تھی جلدی پہنچنا تھا مگر خلاف معمول دیر ہو گئی تھی جسے واجبی سنا ہونا کہتے ہیں اس نے وہی نہایا شرٹ کے من بند کر رہا تھا کہ دروازہ ہلکی سی دستک سے کھلا ماسی رشیدہ ٹرے اٹھائے اندر آ گئیں اسے تعجب ہوا۔

”میں تو ناشتا نہیں کرتا پھر آج یہ.....“  
 ”دراصل ڈھیر سارا سامان بچ گیا آدمی ایک اور اہتمام سوکا ہو تو ایسا ہی ہوتا ہے۔“ ماسی رشیدہ ٹرے میز پر رکھتے ہوئے خود بھی ذرا دیر کو کرسی پر ٹنگ گئیں۔  
 ”کیا مطلب؟“ اسے ناگوار لگا۔  
 ”کچھ نہیں تم ناشتا کر کے ہی جاؤ۔“  
 ”کیوں میں جھوٹا بچا کچھا ناشتا کیوں کروں؟“ وہ منہ پھٹتھا سو کہہ گیا۔

”اچھا آہستہ بولو ابھی مہمان گئے نہیں۔“ ماسی رشیدہ کچھ فکر مندی سے بولیں۔  
 ”معاف کرنا کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ مہمان کون ہیں؟“ نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے پوچھ ہی لیا۔  
 ”مہمان تو مہمان ہی ہوتا ہے۔“  
 ”چلیں خیر میں چلتا ہوں دیر ہو رہی ہے۔“ وہ جوتے کے تسمے باندھ کر چابی اور اپنا ٹوٹا اٹھاتے ہوئے بولا۔  
 ”مطلب..... یہ ناشتا؟“

”اپنے مہمان کی گاڑی میں رکھوا دیں۔“ وہ یہ کہہ کر سیڑھیاں اتر گیا۔

”ارے سنو تو.....“ پیچھے پیچھے ماسی رشیدہ آوازیں لگاتی آئیں تو اپنے قدموں پر رک گئیں۔ گیٹ سے گاڑی جا چکی تھی اور وہ متحیر سا اپنی موٹر سائیکل میں اٹی سیدھی چابی گھمانے کی کوشش کر رہا تھا ماسی رشیدہ نے آگے بڑھ کر مین گیٹ بند کیا اور پوچھا۔

”ملاقات ہوئی کیا؟“  
 ”کالے شیشوں سے ملاقات ہوئی ہے۔“ وہ بولا۔



”کیا مطلب؟“

”چھوڑو میاں پھر سہی۔“ ماسی رشیدہ کی آواز بھی کچھ

اجنبی سی لکھی پہلی بار بہت ٹوٹ پھوٹ سی سنائی دی۔

”چلتی ہوں۔“ وہ کہہ کر اٹھیں اور بہت دیر بعد میرے  
 جما جما کے قدم اٹھائے۔ جانے کیوں اسے لگا کہ ماسی رشیدہ  
 میں کوئی انقلاب گزرا ہے۔ دو دن میں اچھی خاصی ڈھسی  
 مٹی تھیں وہ جا چکی تھیں مگر اس کے پراٹھے کی چکنائی سے  
 لتھڑے ہاتھ خالی اخبار پر جیسے جم گئے تھے۔

”وقار احمد..... یہ وہ ماسی رشیدہ تو نہیں تھی۔“ اس نے خود سے کہا بات سچ ہی تھی کہ چائے کا بھی نہیں پوچھا۔ یہ خیال تو اسے بہت ہی بے کل کر گیا تھا بیٹھے سکون نہ آیا تو اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا اور پھر بھی مضطرب ہونے کے احساس نے چٹکیاں کاٹیں تو ایک دم ہی موٹر سائیکل کی چابی اٹھا کر نیچا گیا۔ پورج بالکل خالی تھا وہ چند ساعت رکا مگر ماسی رشیدہ باہر نہیں آئیں۔ بایک اشارت کی جان بوجھ کر سلف لگائی مگر کوئی بل جل نہیں ہوئی۔

کافی دیر سڑکیں تھیں مٹھیمو نے مچنچے کے بعد اطلاع نہ دینے کا شکوہ کیا اس نے ہوں ہاں کہہ کر جواب دے دیا پھر واپس آ گیا کچھ دیر بستر پر کروٹیں لیں اور سو گیا۔

مکمل صبح بالکل ایک نئی سی صبح تھی وہ تیار ہوا دانستہ اپنے قدموں سے فرش پر دھمک پیدا کی کہ شاید نیچے سے کوئی آواز

آئے مگر ہو کا ساعا لم تھا۔ آخریچہ اترا آیا جاہلی والے دروازے پر چند ساعت رک کر کھنکھار مگر کوئی آواز نہیں تھی اس نے کئی

پارہاتھ اٹھا کر دروازہ کھٹکھٹاتا چاہا مگر پھر مناسب نہیں سمجھا۔  
لاعلق سا بن کر اپنی بایک کی طرف بڑھ گیا گیٹ کھلا بند ہوا

وہ ایک منٹ گیٹ کے باہر بھی رکا پھر مایوس ہو کر چلا گیا۔  
سارے راستے وہ متوجہ اور متفکر ساتھ انی ورکنگ چیئر پر

بیٹھا تو بھی کھویا کھویا اور گرم سم سا ہم منصب ارشد نے جائزہ لینے کے بعد دھیر سے سے پوچھا۔

”کیا بات ہے؟“ مگر وہ چونکا نہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

DOWNLOAD URDU PDF BOOK



”حساب کتاب میں لین دین میں رشیدہ نے کبھی انیس بیس کا فرق بھی نہیں رکھا۔ پچاس کا مطلب پچاس وہ بھی کرائے میں سے کاٹ لینا۔“

”کیسا حساب کتاب؟“ وہ ہولے سے ہنسا اور پھر پچاس کا نوٹ ہی نکال کے تھما دیا۔

”چائے پوئے۔“

”جی۔“ وہ یہ کہہ کر سیڑھیاں چڑھ گیا۔

ٹھیک بیس منٹ بعد ماسی رشیدہ نے چھوٹی سی ٹرے میں دو پیپر گلاس چائے سے بھرے اس کے سامنے رکھے تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”پیو یہ چائے۔“

”ہنہ جی شکریہ۔“ وہ کچھ نہ بولا ہاتھ بڑھا کر ایک کاغذی گلاس اٹھالیا۔ ماسی رشیدہ کسی گہری سوچ میں چائے کی کبھی برق رفتار چسکی بھرتیں اور کبھی چسکی لینے کا گویا طریقہ بھول جاتی یہ پہلا موقع تھا وہ حیران تھا مگر چپ تھا۔

”تم مرد کتنے گھنے ہوتے ہو اندر سوال ہی سوال ہوتے ہیں مگر پوچھنے کی ضد نہیں دکھاتے۔“ وہ ایک دم ہی رخ ہو گئی، بچی کچھی چائے کے ساتھ گلاس فرش پر پھینک دیا جو ہوا سے گول گول گھومنے لگا بالکل اس کے ذہن کی مانند۔

”ماسی..... خیر تو ہے۔“

”تمہیں کیا لگتا ہے؟“ اس کی آنکھیں بھرا آئیں۔

”کچھ پریشانی سی۔“

”میں چلتی ہوں۔“ وہ ایک دم ہی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”مگر یہ چائے.....“ اس نے خالی گلاس کی طرف اشارہ کیا۔

”کل اور اچھی بنوالاؤں گی۔“ وہ یہ کہہ کر چلی گئیں مگر اس کا ذہن بھٹک گیا اور بھٹکتے ذہن نے اسے مجبور کیا تو وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گیا مگر پہلا موقع تھا کہ جالی والے دروازے سے آوازیں آرہی تھیں۔ کچھا آہیں کچھا نسواور

بہت سی باتیں وہ نہ چاہتے ہوئے بھی دروازے کے ایک طرف رک گیا۔

”تجھے نیلام میں نے نہیں کیا میں نے بہت کوشش کی کہ تجھے بچا سکوں چھپا سکوں مگر تقدیر کو کس پتھر پر

”یار..... کیا کرتے ہو؟“ وہ ارد گرد بیٹھے لوگوں کی وجہ سے شرمندہ سا ہوا۔

”مسئلہ کیا ہے کیوں پریشان ہو۔“

”یار..... مسئلہ تو ہے کچھ اور نہیں بھی وہ سارا ماحول ہی بدل سا گیا ہے۔“ اس نے ہچکچاہٹ کے ساتھ کہا۔

”جناب نے اس پردہ نشیں کا دیدار تو نہیں کر لیا۔“ ارشد نے سرگوشی کی۔

”لا حول والا..... دیدار کو چھوڑا آواز بھی گئی۔“ اسے سچ بولنا پڑا شاید وہ اس کی آواز کا عادی ہو گیا تھا۔

”مطلب.....؟“

”مطلب وحشت بھرا صحرا ہے۔ میری اپنی آواز لوٹ کر مجھ سے لپٹ جاتی ہے۔“ اس نے بہت دھیرے سے کہا۔

”یار..... یہ بڑا شہر ہے بڑی بڑی کٹھیوں میں سے شور شرابہ نہیں آتا۔“ ارشد نے بڑا ہی غیر منطقی جواز پیش کیا وقار نے گھور کر دیکھا۔

”جانتا ہوں میں یہ سب غار کے زمانے سے تعلق نہیں ہے میرا۔“

”اچھا تو مسئلہ کیا ہے؟“

”کچھ تو ہے ماسی رشیدہ ہی بدل گئی ہے۔“ اس نے کہا۔

”تو بدل جانے دو تمہیں کیا لینا دینا؟“

”کہیں وہ بیمار تو نہیں..... یا پھر؟“ سامنے اپنے چیمبر سے باس کو باہر نکلتا دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا اور کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

دن تو گزر گیا اضطراب اور تجسس تو گیٹ پر پہنچ کر پیدا ہوا۔ خود گیٹ کھولا اور موٹر بائیک کھڑی کی پورچ ویران تھا ماسی رشیدہ ایک دم دروازہ کھول کر باہر آ گئیں۔

”میاں..... ایک پچاس روپے ہوں گے کیا؟“

”جہ..... جی..... ہیں۔“ اس غیر متوقع سوال پر وہ ہٹکایا اور جلدی سے پینٹ کی جیب سے نوٹ نکال کے پچاس کی جگہ سو کا سرخ نوٹ نکال کر دینا چاہا تو ماسی رشیدہ نے فوراً بھرائی آواز میں کہا اور اپنے خالی ہاتھ دوپٹے کے اندر چھپا لیے۔



پھوڑوں۔" یہ ماسی رشیدہ کی آواز تھی۔

"خوب بچایا، بہتر تو یہ تھا کہ تو مجھے اسی منڈی میں چھوڑ آتی۔" دوسری آواز وہی سریلی اور باریک سی تھی۔

"تو ملک ناصر الماس کی نشانی تھی میں نے ناصر الماس سے اپنی محبت کی تھی پھر کیسے حسینہ بانی کے حوالے کر آئی؟"

"واہ..... اپنی محبت وہ بھی تماش بین سے اور پھر اگلے تماش بین کے سامنے رکھ دیا جسے میرا باپ کہتی رہی، سبق کی طرح رٹاتی رہی وہ میری قیمت تجھے دے گیا۔"

"حرام ہے مجھ پر سینٹھ بدرالدین کا ایک پیسہ بھی یہ سب قبول کرتی تو طلاق کا جھوٹا تھے پر سبائی؟" ماسی رشیدہ کی کرب میں لپٹی آواز اپنا مذاق اڑا رہی تھی۔

"اماں..... تجھے تو آزادی مل گئی سینٹھ بدرالدین نے تجھے آزاد کر دیا اور مجھے ہا ہا بڑا کمال کیا ٹوٹنے۔" وہ ہنستی چلی گئی۔

"ہاں..... پینسٹھ برس کی عمر میں آزادی کہاں سے اسیری کا سفر شروع ہوا؟ پچاس برس رنگ و بو میں گزر گئے صرف ایک ہی طوطا پالا تھا ناصر الماس کی محبت کا اس نے بھی تجھے پہچاننے سے پہلے چھوڑا اور جانے کہاں گیا؟" ماسی رشیدہ کی آواز آنسوؤں سے تر تھی۔

"تو نے بہت خسارے کا سودا کیا اماں..... وہ ناصر الماس راہزن تھا تو سینٹھ بدرالدین ڈاکو۔ میرا باپ تو کوئی نہیں تھا وہ تیرا شوہر بن کر آتا تھا اور لفظ باپ سے نفرت تو مجھے کرانا تھا تو اس کے آنے پر نیند کی گولی کیوں کھا کے سوتی، اگر تجھے میری پروا ہوتی۔ تو شوہر کے نام پر عزت دار زندگی بسر کر رہی تھی تیرے لیے مرد کا نام ضرورت تھا میں نہیں۔" وہ زار و قطار رونے لگی۔

"ریشم..... میں نے عزت کی زندگی تیرے لیے ہی قبول کی تھی ناصر کی اولاد سمجھ کر بدرالدین کو قبول کیا تھا۔ حسینہ بانی کے شر سے تجھے نکالا تھا تیرا یہ روپ یہ حسن اگر حسینہ بانی کے کوشے پر پروان چڑھتا تو وہ تجھے ہر پل مارتی تیرے روپ کا سونا ہی تو شاید سینٹھ بدرالدین کو نظر آ گیا تھا۔"

"مارا تو ٹوٹنے بھی ہے میرے روپ کا سودا کر تو ٹوٹنے

خود منتخب کیا تھا اب مجھے زبردستی دے دے کہ میں مر جاؤں یہ احسان کرنا اپنی پٹلی باندھ کر تو کیسے جاسکتی ہے؟" یہ گھر نہاں کی ہر چہ مجھ پر حرام ہے میں جاؤں نہ تو کیا کروں؟ ٹوٹنے دیکھا نہیں کہ گل سے میں نے پھنسیں کھلیاں اس وقار سے چائے کے پیسے لیے تو مرد کا بھر مہر کھا۔

"واہ..... رشتوں کو حرام کرنے والی رشیدہ بانی حلال چائے پینے والی بن گئی۔ مجھے بھی اس وقار سے حلال کر دیتی وہ مجھے بھی حلال چائے پلا دیتا مگر ساری زندگی تجھے تو اپنی فکر رہی۔"

"وہ..... وہ کیسے؟ وہ تو ہمیں بہت باعزت سمجھتا ہے تجھے مالکن اور مجھے ماسی رشیدہ سمجھتا ہے۔ وہ نہ ناصر الماس ہے اور نہ سینٹھ بدرالدین اس لیے ٹوٹنے اسے کبھی ملوایا نہیں۔" ماسی رشیدہ نے کہا تو باہر کھڑے وقار کے وجود میں ارتعاش سا پیدا ہوا اور جیسے سب کچھ جان لینے کے بعد اس کا دل تھلایا اور برداشت کرنے کی آخری کوشش کے باوجود ایک لمبی قے اس کے منہ سے نکل اور ابکائی کی آواز نے راز فاش کر دیا۔ دروازہ کھلا اور ماسی رشیدہ اور ریشم باہر آ گئیں وہ دہرا ہوا ابکائیاں لے رہا تھا آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا چہرہ سرخ انگارہ ہو گیا تھا غصہ پیشانی پر چمک رہا تھا۔

"اچھا ہوا وقار میاں..... محدہ صاف ہو گیا اچھا راز منہ کے رستے نکل گیا۔ اتنی زیادہ گندگی تم ہضم نہیں کر سکتے تھے۔" ماسی رشیدہ نے وقار کی پیٹھ تھپتھپائی اس کی نظریں قے زدہ فرش پر جمی تھیں حسین ریشم کو دیکھنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔ دیکھنے کی تمنا قے میں بدل گئی قدم سیر میوں کی طرف بڑھائے وہ آخری سیر می پر تھابت آواز کی باریک سی آواز۔ "مجھے ضرورت ہے۔" وہ ٹھٹکا مگر پلٹا نہیں ٹھہرا نہیں۔ پہلی بار ماسی رشیدہ کو رازخ یقین ہوا کہ حلال مرد کے منہ سے حرام اند نہیں جاسکتا۔







# URDU SOFT BOOKS

DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

WWW-URDU-SOFTBOOKS.COM

URDU-SOFTBOOKS.COM

URDU-SOFTBOOKS.COM

# URDU SOFT BOOKS

ذرا سیرگے شہ

فاخرہ گل

DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

WWW-URDU-SOFTBOOKS.COM



منسوب تھے جو لوگ میری زندگی کے ساتھ  
اکثر وہی ملے ہیں بڑی بے رخی کے ساتھ  
یوں تو میں ہنس پڑا ہوں تمہارے لیے مگر  
کتنے ستارے ٹوٹ پڑے ایک ہنسی کے ساتھ

تینوں یہی فیصلہ کرتی ہیں کہ اربش کو جلد از جلد اپنے گھر بلا کر تمام معاملات اس کے سامنے رکھے جائیں تاکہ اس نکاح کو روکا جاسکے۔ ادھر اربش کی والدہ اور بواشر مین کو بطور بہو پسند کر لیتی ہیں ایسے میں اربش کا انکار اور اجبیہ کے لیے پسندیدگی انہیں بالکل پسند نہیں آتی اجبیہ کی مشکلی کے متعلق جان کر وہ اس معاملے سے دور رہنا چاہتی ہیں جب وہ اپنی اور اجبیہ کی ذات میں سے کسی ایک کو چننے کا اختیار اربش کو سوچ کر اسے امتحان میں ڈال دیتی ہیں جب اربش اجبیہ کے گھر پہنچتا ہے تو وہاں گھر کے باہر تالا دیکھ کر شاکہ کڈ رہا جاتا ہے۔

اب آگے پڑھیے

ہمارے معاشرے میں کمرے کوئی بھرے کوئی والا اصول اس قدر عام ہے کہ پولیس اسٹیشن میں بھی اگر اصل مجرم نہ پکڑا جاسکے تو اس کے قریبی رشتے داروں والدین یا بھائی بہن کو پکڑ کر حوالات میں ڈال دیا جاتا ہے۔ لوہاں جرم کی سزا دی جاتی ہے جو انہوں نے کبھی کیا ہی نہیں ہوتا۔ بد قسمتی سے یہی کچھ اجیہ کے ساتھ بھی ہو رہا تھا کہ سکندر صاحب اپنی من پسند جگہ پر شادی نہ ہونے کا تاوان اجیہ سے صرف اس لیے لے رہے تھے کہ اس کی مشابہت اپنی خالہ سے تھی اور اسے دیکھتے ہی انہیں اپنے کمرے کی کھڑکی کے اس پار چلتی پھرتی سنگھار میز کے سامنے بال ہلتی باتیں کرتی یا کتابیں پڑھتی ہوئی اپنی محبت یا آقا نے لگتی اور محبت بھی وہ جس نے انہیں رو کر دیا تھا اور رد کیے جانے کا ذلت بھرا احساس ان کے ذہن سے ایسا چمٹا تھا کہ انہوں نے اس سے جان چھڑانا چاہی اور نہ اس نے ہی پھر جان چھوڑی۔

گزشتہ قسط کا خلاصہ

اربش کی بات سننے کے بعد حسنین کی غلط فہمی دور ہو جاتی ہے اور وہ اپنے رویے کی بد صورتی پر اجبیہ سے معافی مانگتی ہے ایسے میں اجبیہ بھی کھلے دل سے اسے معاف کر کے اپنے مسائل اس کے سامنے رکھتی ہے اور یہ اعتراف بھی کر لیتی ہے کہ وہ اور اربش ایک دوسرے کے ساتھ اپنی زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔

اجبیہ اربش کے گھر میں شرمین کو دیکھ کر چونک جاتی ہے اس کے لیے یہ بات بھی باعث حیرت ہوئی ہے کہ وہ اربش کی می می قائم کردہ اسکول میں ہی جاب کر رہی تھی۔ شرمین اپنے رویے سے اس پر یہ ثابت کرتی ہے کہ اس کے اربش کے گھرانے سے گہرے تعلقات قائم ہیں جس پر اجبیہ الجھ کر رہ جاتی ہے لیکن اسے اربش کی محبت پر پورا یقین ہوتا ہے۔ غزنی اجبیہ کو لینے اسکول پہنچتا ہے اور اسے وہاں نہ پا کر اربش کے گھر پہنچ جاتا ہے جبکہ اجبیہ کو مجبوری کے عالم میں اس کے ساتھ واپس آنا پڑتا ہے راستے میں غزنی اپنی شکی طبیعت کے ذریعہ اس سے باز پرس کرتا ہے جس پر اجبیہ غزنی کے رشتے سے صاف انکاری ہو جاتی ہے کہ وہ اسے پسند نہیں کرتی اس لیے وہ یہ رشتہ از خود ختم کر دے لیکن غزنی اس کے انکار کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیتا ہے اور اپنے رویے کی بد صورتی پر معذرت کرتے جلد شادی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ اجبیہ اس بات پر گھبرا جاتی ہے اور سکندر صاحب کے سامنے اس رشتے سے صاف انکار کر دیتی ہے۔

سکندر صاحب اجبیہ کے اس انکار پر شدید مستعمل ہو جاتے ہیں اور اپنے بھائی سے کل نکاح طے کر دینے کی بات کرنے کا ارادہ کرتے ہیں دونوں طرف نکاح کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں جبکہ اجبیہ اس صورت حال پر شدید کرب میں مبتلا ہو جاتی ہے ایسے میں وہ



تھیں اور سکندر صاحب دوسری طرف اکیلا اپنی انا اور خود غرضی کا شامیانہ لیے کھڑے تھے۔ انہیں اپنی ناک کے نیچے کچھ اور نظر ہی نہ آتا تھا ان کے لیے ان کی ذات ہی سب کچھ تھی اول بھی اور آخر بھی۔ وہ ان خود غرض لوگوں میں سے تھے کہ جن کی ذات کا محور صرف اور صرف ان کی اپنی انا ہوتی ہے جس کی پرستش کرتے اور پوجتے ہوئے وہ صرف اپنے آپ کو ہی ہر معاملے میں درست مانتے ہیں یہی حال سکندر صاحب کا بھی تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ لوگ ان کو سمجھتے ہی نہیں ہیں اور گھر کے افراد اس قدر نیک نیت ہیں ہی نہیں کہ وہ ان کے خلوص کو سمجھیں حالانکہ معاملہ تو یہ تھا کہ انہوں نے کبھی اپنے گھر کے افراد کو اہمیت دی ہی نہیں تھی۔ اس کے برعکس گھر کی دہلیز سے باہر کے تمام لوگوں کے لیے وہ ایک بہترین انسان ہی تھے جو دوسروں کی مالی مدد بھی کرتے اور اخلاقی تعاون بھی البتہ اگر اندھیرا تھا تو وہ صرف ان کے اپنے گھر کے چراغ تھے۔

رشتے اور دھاگے میں جہاں اور بہت سی باتیں مشترک ہیں وہاں سب سے بڑھ کر یہ بھی ہے کہ تباہ اور سختی سے دونوں ہی ٹوٹ جاتے ہیں دونوں بہت زیادہ بوجھ برداشت نہیں کر پاتے اور دونوں کے برتنے میں نرمی دھیان اور توازن ہے تو ایک لمحے میں ٹوٹ جاتے ہیں۔ سکندر صاحب نے اپنی تمام عمر خود ترسی میں گزار دی ہمیشہ اپنے اند کے انتقام کو نفرت کی آبیاری کرتے ہوئے زندہ رکھا اور کبھی وجہ تھی کہ ہمیشہ بے چینی اور بے سکونی ہی ان کا مقدر بنی رہی۔ اور آج صبح جب وہ دکان کے لیے سبزی و فروٹ خریدنے کی غرض سے منڈی کے لیے نکلنے لگے تو دیکھا کہ اجیہ امی اور حسنین تینوں جاگ رہی تھیں بلکہ انہیں کیا خبر کہ وہ تینوں تو اپنے گھر میں اترنے والے صبح کے سورج سے اس قدر خوف زدہ تھیں کہ رات بھر پلکیں بھی نہ جھپک سکیں تھیں۔

”آج کوئی ضرورت نہیں ہے اسکول جانے کی۔“ انہوں نے اجیہ کو براہ راست مخاطب کیا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو یقیناً اجیہ خوش ہوتی اور سوچتی کہ شاید برف پگھل گئی ہے لیکن اس وقت ان کے کہے گئے جملے نے اس کا خون سرد کر دیا تھا۔

”آج شام کو غزنی اور اس کے گھر والے آئیں گے حسنین بیٹا اسے تیار کر دینا۔“ آدمی بات اجیہ اور پھر حسنین سے کر کے وہ امی کی طرف متوجہ ہوئے۔

”کھانے کا آرڈر میں آتے ہوئے کرائس گا ہماری طرف

سے تو کوئی بھی مدد نہیں ہے بعد میں کہہ دیں گے کہ طبیعت خرابی کی وجہ سے جلدی میں شادی کی اس لیے کسی کو بلا نہیں سکے البتہ زیادہ تر تو ظاہر ہے کہ مشترکہ رشتے دار ہی ہیں جنہیں بھائی صاحب نے بلا رکھا ہے۔“ وہ امی کے سامنے کھڑے یوں بات کر رہے تھے جیسے رات کو کوئی بات ہوئی ہی نہیں ہے اور یہ شادی بہت خوشی سے سرانجام پانے جا رہی ہے۔ حسنین اور اجیہ نے بے چارگی سے امی کے چہرے پر پھیلی بے بسی کو دیکھا۔ ایک تو گھر کے ماحول میں بے کشیدگی اور تباہ پھر رات بھر جاگنے کا اثر ان کا چہرہ ستا ہوا تھا اجیہ کو سکندر صاحب پر سخت غصہ آیا اس کا دل چاہا کہ وہ جادو کی کوئی چھڑی گھمائے اور امی کو اپنے گھر کا سکون نصیب ہو جائے لیکن دل تو بہت کچھ چاہتا ہے اب ہر خواہش پوری تو نہیں ہو سکتی۔

خواہشوں کا بھی کوئی معیار ہوا کرتا ہے

کیسی خواہش ہے کہ مٹھی میں سمندر ہوتا

”اور باقی تفصیل میں ابھی رستے میں فون کر کے پوچھ لوں گا بھائی صاحب سے تاکہ اس حساب سے سارا کام انجام پا جائے۔“

”آپ نے ساری عمر جو چاہا کیا جیسے چاہا ہمیں رکھا ہم نے اف تک نہیں کی لیکن عمر بھر کی خاموشی اور برداشت کے بدلے میں آپ سے اجیہ کی خوشیوں کی بھیک مانگتی ہوں خدا را اس کی تمام عمر کو اپنی ضد کی بھیٹ نہ چڑھائیں بدل دیں اپنا فیصلہ۔“ آخر کار سکندر صاحب کے باہر نکلنے سے پہلے ہی امی نے التجائیہ انداز میں بات کی تو وہ پلٹے اور یوں خونخوار نظروں سے انہیں دیکھا کہ لگتا تھا ابھی انہیں اٹھا کر زمین پر پٹخ دیں گے جبکہ امی جنگلی قیدیوں کی طرح مجبور اور بد حال سی محسوس ہو رہی تھیں۔

”سارا قصور ہی تمہارا ہے تم نے ہی اس کے ذہن میں یہ بات ڈال رکھی ہے کہ بھائی صاحب کا گھر انہ اچھا نہیں ہے اس کے معیار کے لوگ نہیں ہیں وہ۔ اول روز سے ہی یہ ساری آگ تمہاری بھڑکائی ہوئی ہے اور اب خود کو مظلوم ثابت کرنا چاہتی ہو؟ یہ دکھانا چاہتی ہو انہیں کہ صرف اور صرف تم ہی ان کی خیر خواہ ہو اور میں دشمن..... لیکن تم کچھ بھی کہہ لو گھر میں اپنی زبان سے نہیں پھر سکتا۔ اس کی شادی ہوگی تو غزنی سے ورنہ..... ورنہ میں اس کا گلا دبا دوں گا۔“ وہ انتہائی حد کو چھو گئے تھے اور ان کے اس اعلان نے حسنین اور امی کو دہلا کر رکھ دیا لیکن



میری آنکھوں کو بھگینے نہیں دیتی، میری خوشیوں کی دعائیں کرتی ہے اور جس کے لیے اپنی زندگی اور سکون سے کہیں بڑھ کر اس کی اولاد کی زندگی اور خوشیاں اہم ہیں۔“ اب جبکہ دونوں باپ بیٹی روبرو ہو ہی گئے تھے تو پھر اجیہ نے بھی خود کو بولنے سے نہیں روکا تھا۔

”ہاں تو اٹھو اور دفع ہو جاؤ اپنی ماں کے ساتھ‘ میں تو ہوں ہی دشمن تم دونوں کا۔ جلاد ہوں ناں میں تو۔“ انہوں نے آگے بڑھ کر اجیہ کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور پھر دھکا دے کر امی کی طرف پٹخا۔

انہوں نے اجیہ کو بازوؤں میں بھر کر اس کا ماتھا چومنا  
آنسوؤں سے تران کا چہرہ جیسے ہی اجیہ کے ساتھ لگا اس کا ہاتھ  
جیسے بجلی کی ننگی تار کو جا لگا ہوا فوراً اٹھی اور امی اور خین کو روکنے کے  
باوجود سکندر صاحب کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

”اس گھر میں رہ کر بھی اگر دھکے ہی کھانا میری قسمت ہے تو پھر مجھے باہر سڑکوں پر دھکے کھا لینا منظور ہے۔ کم از کم اتنا تو معلوم ہوگا کہ ان میں کوئی اپنا نہیں ہے، نہیں رہتا ہے مجھے اس گھر میں..... نہیں رھوں گی میں یہاں.....“ وہ ہندیانی کیفیت میں چلائی۔

اسے دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسے وہ کوئی نفسیاتی مریضہ ہو، حنین نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا اور باوجود اس کے کہ وہ خود رو رہی تھی لیکن اجیہ کے بال اپنی انگلیوں سے سہلاتے ہوئے اسے تحمل اور صبر کا کہہ رہی تھی۔ اجیہ کی آنکھیں خشک اور بخر تھی، چہرہ زرد تھا اور ہونٹوں پر ضبط کیے ہوئے آنسوؤں کی کھکھاہٹ طاری تھی۔ چہرے پر سکندر صاحب کی بددلی اور اپنی کم نصیبی کا فسانہ رقم تھا۔ ایک پوری داستان تھی جو اس کے چہرے کے نقوش پر رات کی سیاہی کی طرح حاوی ہو چکی تھی، حنین نے اس کے گرد اپنے بازوؤں کی گرفت مضبوط کر کے تنہا نہ ہونے کا احساس دلایا۔

”تمہیں کوئی اس گھر میں رکھنا بھی نہیں چاہے گا، یا آج کے آخری چند گھنٹے ہیں اس کے بعد میں تمہارے لیے مر گیا اور تم میرے لیے..... ہونہ بے شرم اولاد۔“ وہ بکتے جھکتے باہر نکل گئے ان کے جاتے ہی حنین اجیہ کے گلے لگ کر خوب روئی۔ امی کی آنکھوں سے بھی آنسو تواتر کے ساتھ رواں تھے لیکن اس کے چہرے پر سکوت تھا، گہرا سکوت، آدمی رات میں قبرستان جیسا اور عین دوپہر میں دیرانے جنگلوں سا۔





آپ کے ممتا بھرے جذبات  
کس کی تلاش میں؟

## دومنز کارڈیل

## لیکورول

سیلان الرحم اور ورم رحم میں مفید ہے۔  
عضلات رحم کی سختی اور درد کمر کو زائل کرتا ہے۔

- جو ضعف رحم کو زائل کر کے استقرار حمل اور حفاظت جنین میں مدد دے۔
- کثرت و بے قاعدگی ایام، استحاضہ، نفاس کی زیادتی، لیکوریا،  
ان سے پیدا شدہ کمزوری اور درد کمر کا ازالہ کرے۔



041-8847601-2 Fax: 041-8847607  
info@ashraflabs.com www.ashraflabs.com

اشرف لیبارٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM







ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا رسالہ  
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

## میڈل ایٹ ایشیائی، افریقہ، یورپ کے لیے

رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ، منی آرڈر، منی گرام  
ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں  
مقامی افراد دفتر میں نقد ادائیگی کر سکتے ہیں

نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز

**aanchalpk.com**

aanchalnovel.com

**circulationngp@gmail.com**

”آئی آپ ہرگز ہرگز فکر نہ کریں، میں اجیہ کو ہمیشہ خوش رکھوں گا۔“ سب کچھ سن کر اس نے برجستہ کہا تو امی نے سامنے بیٹھی اجیہ کو دیکھا جس کے چہرے کا سناٹا انہیں دہلائے دے رہا تھا۔

”اچھا ہی ہوا آئی کیونکہ نہیں آئیں ورنہ ان کے آنے پر گھر پر تالا لگا ہوتا اور یہ تمام حالات ایک دم سے ان کے سامنے آتے تو شاید کچھ مناسب نہ ہوتا اور وہ دراصل آج گھر پر تھیں بھی نہیں ورنہ میرے ایک مرتبہ کہنے پر ہی چلی آتیں۔“

”وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن اب کرنا کیا ہے؟“ اجیہ کے  
موبائل کا اسپیکر آن تھا لہذا ساتھ ہی حنین بھی بولی۔

”بابا جانی کے طے کردہ پروگرام کے مطابق تو آج اجپہ کی رخصتی ہے، پتا نہیں وہ سبزی منڈی سے واپسی پر آج گھر آئیں گے یا ہمیشہ کی طرح دکان پر ہی چلے جائیں گے ایسے میں ہمیں کیا کرنا چاہیے۔“

”آئی..... چھوٹا منہ ہے اور بڑی بات کرنا چاہتا ہوں اگر آپ ناراض نہ ہوں تو.....“ اس نے گھڑی میں وقت دیکھا اب



”نہیں بیٹا..... تم بولو کیا بات کرنا چاہتے ہو؟“ انہیں اندازہ تو تھا کہ وہ اس وقت کیا بات کر سکتا ہے لیکن پھر بھی اسے خود اپنی بات مکمل کرنے کا موقع دیا۔

”اور تمہاری مہی؟ ان کے بغیر اتنا بڑا قدم اٹھانا بھی تو ٹھیک نہیں.....“ امی نے خدشہ ظاہر کیا۔

جس کے رد عمل کے طور پر وہ یہ سب کہہ رہی ہے ورنہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ اجیہ جیسی لڑکی کسی بھی قسم کا دباؤ قبول کرتے ہوئے اپنی مرضی اور پسند کے برعکس اس سے लगنی کرے۔ اس کا ماننا تھا کہ شادی کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا یہی وجہ تھی کہ سکندر صاحب کی طرف سے شادی کی معمولی سی بات کو انہوں نے اتنا سنجیدہ لے لیا تھا کہ فوراً سے نکاح کرنے پر تیار ہو گئے گو کہ انہیں نے کسی طور پر بھی امید نہیں تھی کہ سکندر صاحب یوں بیٹھے بٹھائے انہیں فوراً سے ہی نکاح کر لینے کو کہیں گے لیکن جب انہوں نے ایسا کہا تو پھر غزنی سمیت اماں لبانی نے یہ موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا اور اب ایک عجیب سی بوکھلاہٹ تھی انہیں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کون سا کام پہلے کریں اور کون سا بعد میں۔

”ارے آنٹی..... اتنے انتظار کے بعد تو یہ وقت آیا ہے اور  
ویسے بھی صبح ہزار کام اور نکل آئیں گے آپ ہمیں مکمل دھیان  
اور فرصت سے بس کمرہ سجالینے دیں اور اللہ کرے ہماری بھابی کو  
پسند بھی آ جائے۔“ ایک دوست نے خوش دلی سے کہا تو اماں  
نے انہیں اجازت دے ہی دی اور یوں وہ سب لوگ تقریباً  
رات بھر جاگ کر غزنی کا کمرہ سجاتے رہے۔ چائے کا دور چلا  
مذاق مستی تمقہ، واقعی رات کی رات میں گھر کا ماحول ایسا بدلا کہ  
لگتا تھا واقعی شادی کا گھر ہے۔

محلے میں آس پڑوس کے ساتھ بھی اماں کی اچھی سلام دعا تھی، اماں نے انہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ کل غزنی کی شادی کرنے جانا ہے لیکن معذرت بھی کر لی کہ محلے میں سے کسی کو بھی نہیں بلا سکیں گی۔

”ارے تو آپا خیر ہے ناں کوئی بات نہیں، بس آپ خوشی خوشی بہو لے آئیں۔ ہم نہ بھی گئے تو ہماری طرف سے کوئی شکوہ گلہ نہیں ہوگا بلکہ دعائیں ہی دیں گے، ہم اور جہاں تک مدد گئی بہو کی بات تو اسے تو ہم بعد میں دیکھ ہی لیں گے۔“ انہوں نے



معاملہ سمجھ کر کسی بھی قسم کے شکایات کرنے کی بجائے دانش مندی کا مظاہرہ کیا۔

”بس خوش رہو مجھے امید تھی کہ تم لوگ ساری صورت حال سمجھ جاؤ گی اور ویسے بھی کچھ دن بعد ولیمہ ہوگا ناں تو اس میں تو ظاہر ہے کہ میں سبھی کو بلاؤں گی۔“ اماں ان کی شکر گزار تھیں کہ معاملے کو سمجھنے کے بعد انہیں کوئی اعتراض نہ ہوا تھا۔

”ہاں..... ہاں کیوں نہیں بھئی اور ولیمہ تو ہمارا اپنا فنکشن ہوگا ناں اس میں تو ویسے بھی بلانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔ ہم خود ہی موجود ہوں گے پہلے سے۔“ وہ ہنسیں۔

”اچھا میں بچیوں کو بھیجتی ہوں ذرا گھر کی صفائی ستھرائی کر دیں بس آپ آپ ٹینشن نہ لینا اور نہ ہی مختلف کام کرنے کی کوشش کرنا کہ بیمار پڑ جاؤ۔ سارے محلے کی بہو بیٹیاں آپ کی ہی بیٹیاں ہیں سارے کام کر لیں گی فکر نہیں کرنا آپ میں ابھی انہیں بھیجتی ہوں۔“ اٹھتے ہوئے انہوں نے کہا اور گویا اماں کے کندھوں سے بوجھ سارک کر انہیں ہلکا کر گیا تھا۔

اور پھر یوں آنا فانا سب کام ہوئے کہ اماں کو خود بھی پتا نہ چلا ویسے بھی ان کے محلے والے بہت اچھے تھے شاید اس لیے بھی کہ وہ ان سب کے ساتھ بہت اچھی تھیں ان کا ماننا تھا کہ دور کے رہنے والے رشتے داروں سے بڑوسیوں کے حقوق کہیں زیادہ ہوتے ہیں یوں بھی کسی بھی مشکل یا پریشانی کی صورت میں رشتہ دار کتنے ہی اچھے کیوں ناں ہوں لیکن خبر لینے کے لیے بڑوسیوں کا پہلے پہنچنا ممکن ہوتا ہے بہ نسبت رشتے داروں کے اور پھر اچھے بڑوسی بھی قسمت والوں کو ہی ملتے ہیں اور اماں کا ماننا تھا کہ اس معاملے میں وہ بہت خوش قسمت ہیں جبکہ دوسری طرف تمام محلے والوں کا کہنا تھا کہ وہ سب خوش قسمت ہیں کہ محلے میں اماں جیسی خاتون موجود ہیں جنہوں نے محلے کی تمام خواتین کو یوں موتیوں کی طرح ایک دھاگے میں پرو رکھا ہے کہ کسی ایک گھر میں پریشانی ہو تو سب کے دل بچھ کر رہ جاتے ہیں اور کوئی ایک خاندان خوش ہو تو سارا محلہ چہکتے اور مسکرانے لگتا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ محلے کی لڑکیوں نے آنا فانا سارا گھر دھو کر کرسیوں اور صوفوں کے کٹن کور بدلے بیڈ شیٹس تبدیل کیں شوکیں میں سے برتن نکال کر دھوئے اور انہیں خشک کر کے آنے والے مہمانوں کے لیے ڈائننگ ٹیبل پر رکھ دیئے اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ نجانے کہاں سے ڈھولکی بھی

منگوا لی اور آدمی رات کے اس پہر ان کے گھر سے ڈھولکی اور ڈھولکی کے سوپر بجتی جھج کے ساتھ لڑکیوں کے خوب صورت گیتوں کی آواز نے اماں کی خوشیوں کو چار چاند لگا دیئے تھے اور واقعی لگتا تھا کہ یہ کوئی شادی کا گھر ہے اور جس طرح آن کی آن میں تمام تر امور سرانجام پائے تھے اور جس طرح محبت سے سبھی لوگ بلائے اور بغیر بلائے ان کی خوشی میں کھینچے چلتے تھے اس عمل نے اماں کی آنکھوں کو کئی بار نم کیا اور انہوں نے خود کو ان سب کی محبتوں کا مقروض پایا۔

اجیہ کے لیے شادی کا جوڑا صبح پر موخر کیا گیا تھا کیونکہ غزنی کے لیے بھی اب کپڑے سلوانے کا وقت تو تھا نہیں اس نے بھی ریڈی میڈ ہی خریدنے تھے اس لیے طے یہ پایا کہ صبح اجیہ اور غزنی کے کپڑے ایک ساتھ خرید لیے جائیں تاکہ دونوں کے لباس کے رنگوں کی بھی مطابقت کی جاسکے۔ جیولر با کا پرانا دوست تھا اسے بھی فون کر کے ارجنٹ ہونے والی اس شادی کے بارے میں بتایا گیا اور درخواست کی گئی کہ وہ اپنی دکان معمول سے پہلے کھول لے تاکہ اجیہ کے لیے کچھ جیولری خریدی جاسکے اور دوست ہونے کا فائدہ یہ ہوا کہ رقم ایک مشت ادا نہ بھی ہو پاتی تو بھی کوئی مسئلہ نہ تھا ابھی کچھ بہت ہی سہولت اور سکون سے ہوتا چلا جا رہا تھا جس طرح اچانک ہی بیٹھے بیٹھے غزنی اور اماں کی خواہش پر انہوں نے فون ملا یا اور سکندر صاحب نے ان کے خواہش کا احترام کرتے ہوئے ہفتہ دو ہفتہ کہنے کے بجائے کل ہی نکاح کر لینے کو کہا انہیں اب تک لگ رہا تھا کہ یہ سب خواب ہے۔ باوجود اس کے کہ سکندر صاحب نے اپنی طبیعت خرابی کا بتایا تھا اور وہ بھی چاہ رہے تھے کہ اجیہ کے فرم کی ادائیگی جلدی ممکن ہو سکے لیکن پھر بھی با ان کے احسان مند اور مشکور تھے کہ انہوں نے اس معاملے میں کسی بھی قسم کی ٹال مٹول سے کام نہیں لیا اور وہ اللہ کا بھی شکر ادا کر رہے تھے کہ وہ خود جو انتہائی بوکھلاہٹ کا شکار تھے کہ ایک ہی رات میں سب کام کیسے ہوں گے تو انہیں پتا بھی نہ چلا اور تمام امور سرانجام پا گئے شاید یہی وجہ تھی کہ وہ انتہائی خوش اور مطمئن بھی تھے اور پرسکون بھی۔

وہ تمام رات تقریباً جاگتے ہوئے ہی گزاری تھی۔ فجر کے بعد کچھ دیر کے لیے سب لیٹے اور غزنی کی آنکھوں میں تو دور دور تک خیند کا کوئی شائبہ تک نہ تھا۔ موسم خوب صورت تھا یا اسے لگ رہا تھا لیکن وہ محض میں کچھ چار پائی پر لیٹا تھا۔ کمرے کو







”بتانا ہوں ہوا..... سب کچھ بتانا ہوں‘ آپ بس ادھر بیٹھیں میرے ساتھ۔“ اس نے گاڑی تک پہنچ کر فرنٹ سیٹ کا دروازہ ان کے لیے کھولا اور پھر گاڑی لے کر گھر سے نکل کر روڈ پر آ گیا۔ بیرونی گیٹ خود کار سسٹم کے تحت خود بخود بند ہو کر لاگ ہو چکا تھا اسی دوران حسن کا فون آیا۔

”ہاں بولو حسن..... کیا ہنا؟“ اربش کے انداز میں عجلت تھی اور بوا سے یوں جلد بازی میں دیکھ کر ہول رہی تھیں۔ ان کا ذہن ہزار انداز سے سوچنے کے باوجود بھی یہ سوچ نہیں پارہا تھا کہ وہ اس وقت اربش کے نکاح میں شریک ہونے جا رہی ہیں۔

”شاہباش یار..... تھینک یو سوچی مجھے پتا تھا کہ اس مشکل وقت میں ایک تم ہی ایسے ہو جو میرے کام آ سکتے ہو۔“

”مشکل وقت؟“ بوا کو پریشانی سے اپنے ماتھے پر پسینا آتا محسوس ہوا۔

”اچھا تم ایسا کرو کہ مولوی صاحب کو گاڑی میں ہی بٹھاؤ اور گیٹ کا تالا کھولنے کی کوشش کرو میں بھی بس نزدیک ہی ہوں میرے آنے تک تم تالا کھول کر دوبارہ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر میرا انتظار کرنا۔“ مختصر ہدایات دے کر اس نے فون بند کیا تو بوا خفگی اور ریشانی کی ملی جلی کیفیت میں بولیں۔

”آخر یہ سب ہو کیا رہا ہے اربش بیٹا.....! تم کیا کرنے جا رہے ہو کچھ بتاؤ گے بھی کہ یونہی میرا خون خشک کیے رکھو گے؟“ وہ مکمل اربش کی طرف رخ کیے بیٹھی تھیں اور پھر اس وقت اربش نے مختصر اُبو کو اجیہ کے گھر کے مسائل موجودہ چٹوٹن اور ابھی اس کے ساتھ اپنے ہونے والے نکاح کے بارے میں بتایا تو جیسے بوا کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

یہ زندگی انہیں کس دورا ہے پر لے آئی تھی۔ اربش ایک طرف بیٹھا تھا جس کی انہوں نے اپنے بچوں کی طرح پرورش کی تھی جسے وہ ہمیشہ خود سے بڑھ کر محسوس کیا کرتیں جس کے ہونے میں انہیں اپنا ہونا نظر آتا تھا تو دوسری طرف مئی تھیں جنہوں نے بوا کو اس وقت سہارا دیا تھا جب ان کے اپنے ان سے منہ موڑ ہوئے تھے۔ اپنی زندگی کے کئی قیمتی سال انہوں نے مئی کے ساتھ گزارے تھے اور ان کے رویے نے کبھی محسوس بھی نہ ہونے دیا کہ یہ گھرانہ ان کا نہیں ہے۔ ہر بات میں ان سے صلاح مشورہ کیا جاتا ہر موقع پر انہیں اہمیت دی جاتی لیکن

اب..... اب اگر وہ اربش کے ساتھ اس کے نکاح میں شریک ہوئیں تو یقینی طور پر می کی ناراضگی لازم تھی اور اگر وہ اربش کے ساتھ جانے سے انکار کرتیں تو اس کا دل ٹوٹ جاتا آخر وہ کریں تو کیا کریں۔

”تم جانتے ہو ناں کہ تمہاری مہی نے تمہارے لیے  
شرمین کا انتخاب کیا ہے اور اس بارے میں تم ماں بیٹا کی تفصیلی  
بات چیت بھی ہوئی تھی۔ وہ کبھی بھی شرمین کے انتخاب سے  
دستبردار ہونے والی نہیں لگتی اور سب کچھ جاننے کے باوجود تم  
اتنا انتہائی قدم اٹھا رہے ہو جانتے بھی ہو کہ اس سب کا نتیجہ  
کیا نکل سکتا ہے؟“

”جانتا ہوں بوا سب کچھ جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اجیہ اس وقت مشکل میں ہے اسے میری ضرورت ہے اور میں اس کے سوا کسی سے بھی شادی نہیں کر سکتا کیونکہ مجھے اس سے محبت ہے اور مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ می اس معاملے میں میری رائے کو اہمیت کیوں نہیں دے رہیں جبکہ زندگی میں نے گزاری ہے اور اگر شرمین کے ساتھ میں می کے کہنے پر شادی کر لیتا ہوں لیکن خوش نہ رہوں تو پھر آپ ہی بتائیں ناں بوا کہ کیا اس صورت میں می کو پریشانی نہیں ہوگی؟“ بوا اس کی بات کے جواب میں خاموش رہیں ان کے لیے وہ دونوں ماں بیٹا اہم تھے اور وہ ان دونوں سے محبت کرتی تھیں۔

”آج سے پہلے تک ہمیشہ ہر معاملے میں میری خوشی کا خیال رکھنے والی مُمی پتا نہیں میری زندگی کے اتنے بڑے فیصلے میں اپنی مرضی کیوں تھوپ رہی ہیں؟ وہ کیوں نہیں سمجھ رہیں کہ میں اجیبہ کے بغیر کسی بھی اور لڑکی کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتا۔“ وہ زچ ہو کر بولا۔

”اور پھر میں می کو منا ہی لوں گا بلکہ صرف میں ہی نہیں،  
میں اور اجیبہ ہم دونوں مل کر می کو منالیں گے، بس آپ میرا  
ساتھ دیں۔“

”تم جذباتی ہو رہے ہو بیٹا..... یہ سوچو کہ جب تمہاری می کو یہ پتا چلے گا کہ میں نے خود تمہارے ساتھ جا کر یہ شادی کروائی ہے تو انہیں کس قدر تکلیف ہوگی اس کا دل کتنا دکھے گا کہ ہم نے اسے ذرا برابر بھی اہمیت نہ دی اور پھر میرے لیے بھلا اس کا دل کیونکر صاف ہوگا جب وہ یہ سوچیں گی کہ میں نے بھی اس کی طرف داری نہ کی باوجود اس کے کہ میری ذات پر اس کے کئی احسانات ہیں۔“ انہوں نے اپنی بے چارگی ظاہر کی اور







تھیں کہ ملنے جلنے والے اگر اجیہ کا گھر دیکھیں گے تو کم از کم ایک مرتبہ آپس میں چہ گوئیاں ضرور کریں گے کہ آخر ایسی کیا مجبوری تھی جس کے باعث اربش کے لیے اتنے اعلیٰ گھروں کی لڑکیاں چھوڑ کر یہاں سے لڑکی کا انتخاب کیا گیا۔ معاملہ سیدھا سادہ تھا کہ سب ہی جان جائیں گے کہ یہ سب محبت کا کرشمہ ہے اور اس کے بعد جتنے منہ اتنی ہی باتیں لیکن بوا کا ماننا تھا کہ اگر مئی اس معاملے میں مضبوط اسٹیپ لے لیں تو کسی کو بھی اتنی جرأت نہیں ہوگی کہ وہ اجیہ یا اس کے میکے والوں کی معاشی حالت پر تبصرے کر سکیں بہر حال جو کچھ بھی تھا لیکن فرق تو واضح تھا۔

پرانی طرز کے بنے اس گھر میں بوا اربش کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھیں۔ لاؤنج میں قدم رکھتے ہی امی کا ان کا ساتھ سامنا ہوا بوا اور امی دونوں ایک دوسرے سے گرم جوشی کے ساتھ ملیں اور اس کمرے میں جا پہنچیں جہاں اجیہ موجود تھی۔ وہ ابھی تک مکمل سادے کپڑوں میں تھی اور ویسے بھی جن حالات میں یہ نکاح ہونے جا رہا تھا ایسے میں بھلا کسی کے بھی ذہن میں یہ کیسے آ سکتا تھا کہ روایتی دلہنوں والی تیاری کی جائے۔ اجیہ خود اٹھ کر بوا کے پاس آئی انہیں سلام کیا تو وہ بری طرح چونکیں کہ ابھی کل ہی تو انہوں نے اسے اپنے گھر قرآن خوانی میں دیکھا تھا یعنی کہ اجیہ اور اربش کی مئی ایک دوسرے کو پہلے سے ہی جانتی ہیں۔ بوانے سوچا ضرور لیکن فی الحال خاموشی کو ترجیح دی۔

”بہن! مانا کہ ہمیں ان بچوں کا نکاح ان نامساعد حالات میں کرنا پڑ رہا ہے لیکن اس کے باوجود میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ اجیہ کو اربش کی طرف سے کبھی بھی کوئی تکلیف یا پریشانی نہیں ہوگی بس آپ ان دونوں کو اپنی دعا میں یاد رکھیے گا۔“ بوا نے امی کا متفکر چہرہ دیکھ کر چند الفاظ کہنا ضروری سمجھے تھے۔

”میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ کوئی فیصلہ کیا ہے صحیح یا غلط کا فیصلہ تو وقت کرے گا لیکن یہ سب اس طرح سے کرنا حالات کا تقاضا تھا ورنہ شاید میں کبھی بھی خود کو معاف نہ کر پانی اور پھر اربش ایک نیک اور سلجھا ہوا بچہ ہے جس سے مجھے واقعی امید ہے کہ وہ میرے کیے گئے اس فیصلے کو کبھی بھی غلط ثابت نہیں کرے گا۔“ امی کی آنکھوں میں آنسو تھے جنہیں پونچھتیں تو مزید روانی سے بہنے لگتے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر کمرے کا ماحول انتہائی بوجھل ہو گیا تھا حسنین اور اجیہ کے ساتھ ساتھ بوا کی بھی آنکھیں بھیکی ہوئی تھیں۔

اجیہ انہیں بہت عزیز تھی اور جس طرح آج تک اجیہ نے ان کی ڈھارس بندھائے رکھی تھی اور انہیں سنبھالا ہوا تھا۔ امی کو لگتا جیسے وہ اب بگھرنے والی ہیں ساری عمر اجیہ نے اگر کوئی سکھ نہیں دیکھا تو یوں خفیہ شادی کرنے کے بعد بھی جانے وہ سکھ پائے گی یا باپ کی حقارت بھری نظریں وہاں بھی اس کا پیچھا کریں گی؟ پتا نہیں اب آج کے بعد ان کے گھر کے کیا حالات ہونے والے ہیں؟ جانے وہ دوبارہ اپنی جان اپنی اجیہ سے مل سکیں گی یا نہیں؟ انہیں یاد آیا کہ آج۔ سے کئی برس پہلے ان کی اپنی بہن کو بھی سکندر صاحب کی ہی وجہ سے راتوں رات بیاہ کر رخصت کرنا پڑا تھا۔ انہیں یاد تھا کہ بیٹی کو خاموشی سے رخصت کرنے کے بعد ان کی والدہ نے کمرے کے کونے میں بیٹھ کر روتے ہوئے کہا تھا۔

”جاسکندر..... میں بھی آج اپنی جھولی پھیلا کر اپنے رب سے دعا کرتی ہوں کہ جس طرح آج میری بیٹی کو ہمیں یوں چوری چھپے رخصت کرنا پڑا اسی طرح تجھ پر بھی وہ وقت آئے کہ کل کو تیری بھی کوئی اپنی بیٹی ہو اور اس کی دنیا والوں سے چھپ کر رخصتی ہوتا کہ تجھے پتا چلے کہ بیٹیوں کے شرعی فرائض اگر یوں اس کی سب لوگوں سے چوری چھپے ادا کیے جائیں تو کن کن باتوں کو سہنا اور کیسے کیسے سوالات کو سننا پڑتا ہے بلکہ میں تو یہاں تک کہتی ہوں کہ تیری بیٹی پر رخصتی کے وقت بھی تیرا سایہ نہ پڑے جس طرح تُو نے ہمیں بے قصور اور بے گناہ ہوتے ہوئے دنیا والوں کے سامنے کٹھنرے میں لاکھڑا کیا ہے۔ یہی وقت میں اپنے رب سے تیرے لیے بھی مانگتی ہوں۔“ والدہ روتیں جاتیں اور یہی الفاظ دہرائی جاتیں لیکن انہیں کیا خبر تھی کہ سکندر ان ہی کے گھر کا داماد بنے گا ایک بیٹی نہ سہی تو دوسری بیٹی سہی اور یقیناً یہ وقت والدہ ہی کی دعا یا بددعا کے پورا ہونے کا تھا۔ سکندر صاحب کے کیے گئے گناہ کی پاداش ان سب کو مل کر بھگتنا تھی اور پھر اجیہ جسے حالات نے وقت سے پہلے ہی اتنا سمجھ دار کر دیا تھا کہ اپنی ہر خواہش کو دل میں دبائے آج تک امی اور حسنین کو ہی خوش کرنے میں لگی رہی۔

”آئی..... آپ اللہ کے بعد مجھ پر یقین رکھیں اجیہ پر آنے والی کسی بھی مشکل یا پریشانی کو پہلے مجھ پر سے گزرتا ہوگا اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ سب تکالیف خود پر جھیل جاؤں گا لیکن کبھی بھی اجیہ پر آج آنے نہیں دوں گا۔“ حسنین نے اربش اور اجیہ کو ایک ساتھ دیکھا۔ بلاشبہ دونوں کی چاند سورج کی جوڑی







# Hankies

# Premium

200 x 2 Ply Facial Tissues



**Makers of Quality  
Hygiene Products**

Available in  
4 different colors



## H&H

Health & Hygiene Products

Head Office: Pakistan, Fax: 021-37162570

Email: h&h.com.pk



For more information visit our website

**Simply Caring**  
Maintaining High Standard of  
Quality in all our products.

DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM







دیکھا تھا کہ عین اس کی سیٹ کے سامنے ڈیش بورڈ پر گلاب کے پھولوں کا چھوٹا سا مگر تازہ گلہستہ رکھا تھا۔ یہ گلہستہ اربش نے نہیں بلکہ حسن نے اس کی گاڑی میں رکھا تھا۔ گلاب کے پھولوں کی خوب صورت مہکتی ہوئی خوشبو اے سی کی ٹھنڈک کے ساتھ پوری گاڑی میں یوں پھیلی ہوئی تھی کہ فریشر کی بھی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔

”بوا اگر آپ کی اجازت ہو تو یوتیک سے اجیہ کے مہینے کے چند جوڑے خرید لوں؟“ اربش نے گاڑی کے بیک میئر سے پچھلی سیٹ پر بیٹھی بوا کو دیکھا جو مسلسل کچھ پڑھ رہی تھی۔ اس کی بات کے جواب میں ان کے ہونٹ ہلنا بند ہوئے اور قدرے متوقف کے بعد پھر وہ بولیں۔

”ہاں بٹا کیوں نہیں اس میں بھلا مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے لیکن اگر تم ایسا کرو کہ شاپنگ پر جانے سے پہلے مجھے کسی رکشہ یا ٹیکسی میں گھر بھیج دو تا کہ میں تمہاری ممی کے آنے تک کھانا وغیرہ تیار کر لوں۔“ بوانے تجویز پیش کی تو اربش کو بھی خیال آیا کہ بوا کا ان دونوں کے ساتھ گھر میں داخل ہونا یقینی طور پر بوا کے حق میں بہتر نہ ہوگا اور وہ بھی ایسی صورت میں کہ جب یہ بات ممی سے پوشیدہ رکھنی تھی کہ وہ بھی اربش کے نکاح میں اس کے ساتھ تھیں۔

”وہ تو ٹھیک ہے بوا لیکن..... رکشہ یا ٹیکسی میں کیسے جائیں گی آپ؟“ وہ پچھلایا۔

”ارے واہ بھئی“ کیسے جاؤں گی کا کیا مطلب؟ بھئی میں بھی ویسے ہی جاؤں گی تاں جیسے کہ باقی سب لوگ جاتے ہیں۔ تم بس میری فکر چھوڑو اور اجیہ کے لیے اچھی سی شاپنگ کرو باقی تو پھر ساتھ ساتھ ہوتی ہی رہے گی۔“ انہوں نے مسکرا کر کہا تو اربش ان کے لیے کسی ٹیکسی کے انتظار میں گاڑی پارک کرنے لگا یوں بھی جلدی بھی تو صرف اجیہ کے گھر سے باہر نکلنے کی کہ کہیں سکندر صاحب نہ آ جائیں۔ اب تو چاہے کتنی بھی تاخیر ہو جاتی اس سے کوئی بھی فرق پڑنے والا نہیں تھا۔

”اجیہ بیٹا..... تم تو اپنی پرنسپل کی طبیعت سے واقف ہی ہوگی ناں اور پرنسپل بھی وہ جواب تمہاری بھی می ہے۔ بس بیٹا کوشش کرنا کہ تمہاری جو محبت اپنی ماں کے ساتھ تھی اتنی بلکہ اس سے بڑھ کر محبت تم اس سے بھی کرو کیونکہ نئے بننے والے دلشتے ہمیشہ کچھ نہ کچھ زیادہ کی ہی توقعات رکھتے ہیں اور مجھے امید ہے کہ وہ اربش کی پسند پر خوش ہی ہوگی۔“ بوانے اسے اپنی تسلی

ہم گھوم چکے ہیں من میں  
اک آس کی پھالیں لیے من میں  
کوئی سا جن ہو کوئی پیارا ہو

احمد جہانزیب کی آواز میں انشاء جی کے الفاظ اربش کی گاڑی میں سحر بن کر اتر رہے تھے۔ تینوں مکمل خاموش تھے، اجپہ کی ہچکیاں بھی رک چکی تھیں لیکن اب تک وہ سر جھکائے ہوئی تھی اسے معلوم نہیں تھا کہ گاڑی کن راستوں سے ہوتی ہوئی اب اس کے نئے گھر کی طرف گامزن ہے اس نے یہ بھی نہیں



نصیحت کی تھی جواباً اجیہ نے ان کی تائید میں سر ہلادیا۔

”میری پوری کوشش ہوگی ہوا کہ میری ذات سے اس گھر میں کسی کو کوئی بھی تکلیف نہ پہنچے اور میری خواہش ہوگی کہ گھر میں میرا اضافہ کسی بھی قسم کی پریشانیوں کے بجائے ایک خوشگوار اضافہ بن کر ثابت ہو۔“ اجیہ نے دھیمے لہجے میں کہا تو ہوانے بھی دل سے اس کی خواہش پر آمین کہا۔ اسی دوران اربش ایک ٹیکسی رکوا کر اسے گھر کا پتا سمجھانے کے بعد کرائے کی بھی ادائیگی کر چکا تھا آج ایسا پہلی مرتبہ ہی ہوا تھا کہ کس ٹیکسی میں جانا پڑا ہو اور آج صرف یہی نہیں باقی بھی کتنے ہی کام ایسے تھے جو پہلی مرتبہ ہی ہوئے تھے۔

”ہوا..... گھبرائیے گامت میں اجیہ کو بھی سمجھا دوں گا لیکن یاد رکھیے گا کہ آپ کے ساتھ جو وعدہ کیا ہے وہ ہمیشہ قائم رہے گا اور میں کو بھی کبھی کانوں کان خبر نہیں ہوگی کہ آج آپ کسی بھی طرح اس نکاح میں شامل رہی ہیں۔“ اربش کے ایک مرتبہ پھر کہنے پر ہوانے سر ہلاتے ہوئے اسے دعا میں دی اور ان کی ٹیکسی اپنی منزل کی طرف چل پڑی۔

”ٹھینک یو سوچ اجیہ کہ تم نے مجھ پر اعتبار کیا۔“ گاڑی اشارت کرنے کے بعد اس نے اجیہ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تو اجیہ نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔

”میں کوشش کروں گا کہ تمہاری زندگی میں آج تک جو بھی محرومیاں رہیں میں ان سب کا ازالہ کر سکوں شاید یہ سب اسی طرح ہوتا لکھا تھا لیکن تم مجھ پر بھروسہ رکھنا میں ایک نیا ایک دن سکندر صاحب کا دل بھی تمہاری طرف سے اسی طرح صاف کر دوں گا جیسے حسین کا کیا تھا لیکن بس میری ایک شرط ہے.....“

گاڑی کو گیسٹر میں ڈالتے ہوئے وہ چند لمحوں کے لیے رکا۔ اجیہ نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”شرط..... کیسی شرط؟“

”بس میری ایک چھوٹی سی شرط ہے اجیہ اور وہ یہ کہ میں جانتا ہوں اپنے میکے سے اس طرح رخصت ہو کر آنا تمہارے لیے ایک بہت بڑا صدمہ ہے اور وہ بھی اس صورت حال میں جبکہ تمہارے بابا بھی سخت مزاج کے ہوں لیکن تم صرف اتنا سوچ لینا کہ پریشان رہنے سے یہ تمام معاملات سدھ نہیں سکتے لیکن ہاں یہ ہماری زندگی کی تمام خوشیوں کو ضرور نگل سکتے ہیں۔ اس لیے میری شرط صرف یہ ہے کہ تم خوش رہو تاکہ تمہیں خوش دیکھ کر میں بھی خوش محسوس کروں۔“

”تم بہت اچھے ہوا ربش اور میں خوش قسمت ہوں کہ میں تمہارے جیسے بہترین انسان کی زندگی کا حصہ بنی ہوں۔ میری کوشش یہی ہوگی کہ میری وجہ سے تمہیں می ہوا کو کوئی تکلیف یا پریشانی نہ ہو اور جہاں تک میرے بابا کی بات ہے تو شاید میری قسمت اسی طرح سے لکھی گئی تھی لیکن خیر اب تو جو ہونا تھا سو ہو چکا ہے۔ اب تو بس یہی دعا ہے کہ میں مجھے قبول کر لیں اور جس طرح کی ناپسندیدگی کا سامنا مجھے بابا کے سامنے آج تک کرنا پڑا وہی کیفیت دہرائی نہ جائے۔“

”ان شاء اللہ ایسا نہیں ہوگا میں بہت اچھی ہیں اور میری ہر خواہش کو پورا کرنا تو جیسے اپنا فرض سمجھتی ہیں۔“ بات کرتے ہوئے اس کے انداز میں می کے لیے پیار و صبح طور پر نظر آ رہا تھا۔ ”اور جب انہیں یہ پتا چلے گا کہ میں تم سے کس قدر والہانہ محبت کرتا ہوں تب تو دیکھنا خود انہیں بھی تم پر پیارا جائے گا۔“ اربش نے خوشدلی سے کہا تو اجیہ بھی سر جھکا کر ہلکا سا مسکرا دی اور پھر کچھ ہی دیر بعد ان کی گاڑی شہر کے معروف و مشہور بوتیک کے سامنے جا کر ٹکی۔ اربش نے خود اتر کر جلدی سے اجیہ کی طرف کا دروازہ بھی کھولا۔

”نہیں اربش..... مجھے اتنی اہمیت نہ دو پلیز کہ پھر مجھے خود اپنا آپ ہی بھول جائے۔“ اجیہ نے خود گاڑی کا دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں ناں یہی تو میں چاہتا ہوں کہ تم آج سے پہلے کی ہر چیز بھول جاؤ تمہارے ذہن میں ہو تو صرف اور صرف میری محبت اور تمہیں یقین ہو کہ میری محبت تم تک کوئی بھی غم اور پریشانی نہیں آنے دے گی۔“ وہ دونوں ساتھ باتیں کرتے ہوئے بوتیک کے قریب پہنچے اور فٹ پاتھ پر بنے دوا سٹپس چڑھ کر اب بوتیک کے عین سامنے تھے۔ اربش نے آگے بڑھ کر اجیہ کے لیے بوتیک کا دروازہ کھولا تو وہیں کھڑی کھڑی جلد ہو گئی۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ بس یہاں کھڑی کھڑی ہی پتھر کی ہو جائے اور اس کے احساسات اس قدر منجمد ہو جائیں کہ وہ عروسی لباس ہاتھ میں پکڑے غزنی اور تائی لماں کو سامنے کھڑا دیکھ کر بھی کوئی رد عمل ظاہر نہ کرے اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہاں اس کی غزنی اور تائی لماں سے ملاقات ہو جائے گی اور جب اس نے لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ اس نے امی کے کہنے پر چہرے کو نقاب کر رکھا تھا ورنہ تو یہاں پر پتا نہیں کیا ہو جاتا۔



”یہ میری تائی اماں ہیں۔“ اربش جیسے ہی دروازہ بند کر کے اس کے قریب آیا اجیہ نے فوراً اسے سرگوشی میں بتا دیا تھا تا کہ وہ ان کے سامنے اسے اجیہ کہہ کر مخاطب نہ کرے اور کسی بھی قسم کے شکوک و شبہات کی کوئی گنجائش ہی پیدا نہ ہو۔

اربش اور اجیہ ان دونوں سے قدرے فاصلے پر جا کر اپنا لباس تلاش کر رہے تھے یوں بھی یہ ایک بہت بڑا اور جانا پہچانا بوتیک تھا جس میں عام روزمرہ استعمال کے لباس سے لے کر عروسی ملبوسات اور دیگر تقاریب میں پہنے جانے والے کپڑوں کی ایک وسیع رینج موجود تھی گو کہ یہ شادی رواجی طرز سے مکمل طور پر ہٹ کر تو ہوئی تھی لیکن پھر بھی اس سب کے باوجود اربش کی خواہش تھی کہ وہ اجیہ کو ایک لہن کی طرح ہی اپنے گھر میں لے کر جائے تا کہ اجیہ کے دل میں لہن بننے کا کوئی ارمان نہ رہے۔ وہ اس کے دل میں بسی کسی ایک خواہش کو بھی تکمیل کے بغیر نہیں رہنے دینا چاہتا تھا۔ اس دن جس طرح رات کو اجیہ نے اسے اپنی اب تک کی زندگی کے متعلق بتایا تھا اسی دن اربش نے اپنے دل میں عہد کر لیا تھا کہ وہ اجیہ کی زندگی کو ہر اس چیز سے پر کر دے گا جس کی اجیہ کی زندگی میں اب تک کمی رہی تھی اور جس کی خواہش اپنے دل میں دبائے وہ ہمیشہ چھوٹی چھوٹی خواہشات کا بھی گلا گھونٹی رہی گویا اس نے اجیہ کی زندگی سے ہر قسم کا ملال اور دکھ ختم کرنے کی اسے ہمیشہ اور ہر قیمت پر خوش رکھنا خود پر فرض کر لیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ پہلے تو عروسی ملبوسات کے سیکشن میں جانا چاہتے تھے لیکن غزنی اور تائی اماں کی موجودگی کی وجہ سے اب اربش اسے اپنے ساتھ لے کر روزمرہ پہنے جانے والے کپڑوں کے سیکشن میں آ گیا تھا اس نے اپنی پسند کے چھ جوڑے اجیہ کے لیے سبز گرل کو تھمائے۔ اجیہ کو یاد آیا کہ کبھی وہ اور حنین جب بازار آتی تھیں تو اس طرح کی بڑی بڑی دکانوں کے سامنے سے اکثر اوقات بس ڈیزائن ہی دیکھ کر گزر جاتی تھیں اور پھر امی کسی ستے سے کپڑے پر کمال مہارت سے انہیں ویسا ہی ڈیزائن بنا کر لباس تیار کر دیتیں۔ اجیہ نے تو حالات کے پیش نظر اپنی خواہشات کو سلا کر محض ضروریات پر دھیان دیا تھا لیکن حنین اکثر میگزین میں اس طرح کے کپڑے حسرت سے دیکھ کر مرنے لگی۔

”کاش..... میں حنین کے لیے کچھ لے لیتی۔“ اس نے سوچا۔ ”لیکن اگر لے بھی لوں گی تو اس تک پہنچاؤں گی کیسے؟ اور پھر اربش سے حنین کے کپڑوں کے لیے کہنا بھی برا لگے گا۔“

اس نے اپنی بات کا خود ہی جواب دیا اور سر جھٹکا کیونکہ یہ بات اس کی اپنی عزت نفس کو کبھی بھی گوارا نہ ہوتی کہ وہ اربش سے اپنے گھر والوں کے لیے کوئی چھوٹی سی چیز بھی مانگتی۔

غزنی اور اماں نے ڈارک میرون لہنگا خریدا تھا اور اب غزنی پیسوں کی ادائیگی کر رہا تھا۔ اجیہ نے کپڑوں کی اوٹ سے دیکھا تھا تائی اماں کا چہرہ خوشی سے چمکتا دیکھ کر اجیہ کا دل بو جھل ہو گیا۔ اس کا دل تو چاہ رہا تھا کہ تائی اماں کے گلے لگ کر انہیں منگنی سے لے کر اب تک کی تمام صورت حال سے آگاہ کر دے اور انہیں بتائے کہ سکندر صاحب کی ضد نے ان کے گھرانے کے ساتھ کیا کیا ہے اور یقینی طور پر وہ ایسا کر بھی گزرتی اگر اس وقت وہ غزنی کے ساتھ نہ ہوتیں کیونکہ غزنی کبھی بھی اور کسی بھی طور یہ بات سمجھنے کو تیار نہ ہوتا اور لائٹا نہیں پر دن کا فساد کر دیتا۔

تائی اماں اور غزنی ادائیگی کر کے باہر نکلے تو اربش نے اجیہ کے لیے میرون اور وائٹ کے امتزاج سے بنی چوڑی دار با جامہ اور فراک پسند کی۔ اجیہ کو بھی یہ فراک پہلی ہی نظر میں اچھی لگی تھی اور شاید یہ نیا ڈیزائن ہی آیا تھا اسی لیے بوتیک انتظامیہ نے ڈی پروہ فراک پہنا رکھی تھی کہ ہر آنے والے کی پہلی نظر اسی فراک پر پڑے۔ اس کے بعد اجیہ کے لیے ایک چھوٹا سا سوٹ کیس خریدا کر اس میں یہ تمام کپڑے رکھے اور بیوٹی پارلر کے سامنے گاڑی جا روکی۔

”اربش یہاں..... یہاں ہم کس لیے آئے ہیں؟“ وہ حیران ہوئی۔

”بھئی شادی ہوئی ہے ناں ہماری اور مجھے پتا ہے کہ ہر لڑکی کے دل میں یہ تجس ضرور ہوتا ہے کہ وہ لہن بن کر کیسی لگے گی تو کیا تم نے کبھی نہیں سوچا تھا؟“

”وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن.....؟“ وہ ہچکچائی۔  
”لیکن ویکن..... اگر مگر کچھ نہیں یہاں تمہیں اسی لیے لایا ہوں کہ تم یہاں سے برائیدل میک اپ کروالو پھر گھر چلتے ہیں تا کہ تمہارے دل میں یہ خواہش نہ رہے کہ کاش میں دیکھ سکتی کہ میں لہن بن کر کیسی لگد ہی تھی۔“ وہ مسکرایا۔

”خیر اب ایسا بھی نہیں ہے اور پھر مجھے اتنا شوق بھی نہیں ہے میک اپ کرنے کا۔“ وہ اربش کی بات پر جھینپ گئی تھی۔

”تمہیں شوق نہیں تھا لیکن اب تو تمہیں زیادہ نہیں تو کچھ دن تو بن سنور کر میک اپ میں رہنا ہی پڑے گا۔ بھئی آخر کار تم ایک نئی نو ملی لہن ہو۔“ گہری نظروں سے اجیہ کو دیکھتے ہوئے



















جتنی دعائیں آتی تھیں  
سب مانگ لیں ہم نے  
جتنے وظیفے یاد تھے سارے  
کر بیٹھے ہیں  
کئی طرح سے جی کے دیکھا ہے  
کئی طرح سے مر بیٹھے ہیں  
لیکن جاناں!  
کسی بھی صورت  
تم میرے ہو کر ہی نہیں دیتے

## عائشہ پرویز.....کراچی

کر خود بری الذمہ کہلاتا ہے بھرے گھر میں سب افراد کے سامنے اسے بے عزت کرنے گالیاں دینے اور آخری حد پر جا کر پھر ہاتھ اٹھانے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑتا تو کیا عورت پر ہاتھ اٹھانا کوئی مردانگی ہے یا پھر عورت پر ہاتھ اٹھانا مردانگی کی توہین ہے؟ اور پھر سکندر صاحب نے تو خیر آج تک جو بھی کیا سو کیا لیکن آج تو انہوں نے کوئی بھی حد باقی نہ چھوڑی تھی وہ تمام حدیں ہی عبور کر گئے تھے اور اگر جو حنین بڑھ کر ان کے منہ پر ہاتھ نہ رکھتی انہیں مزید کچھ کہنے سے نہ روکتی تو بھلا ان کا کیا بنتا، پھر اس فیصلے کے بعد ان کے اختیار میں کیا رہ جاتا؟ وہ اپنا ٹوٹا پھوٹا شکستہ وجود لے کر اس عمر میں کہاں جاتیں کس در پر صدالگاتیں کہ اب عمر کے ان آخری چند سالوں میں انہیں سہارا دے اور پھر ماں باپ دنیا میں نہ ہوں تو بیٹیوں کے سر پر ہاتھ رکھنے والا کون ہوتا ہے بھلا؟

سوچ سوچ کرا می کو ایسے لگ رہا تھا جیسے ان کے اعصاب  
شل ہونے والے ہیں دماغ اب تھک ہار کر کام کرنے سے  
انکاری تھا اور دل کی دھڑکن بھی سست..... انہیں لگا جیسے کسی نے  
ان کے دماغ کی تمام نسلوں کو اپنے شکنجے میں لے لیا ہے اور اس  
زور سے اپنے شکنجے میں جکڑا ہے کہ وہ ایک دوسرے میں پھنس  
کر رہ گئی ہیں اور خون کا دورانیہ بھی ایسا کم محسوس ہوا کہ لگتا تھا یا تو  
رک رک کر وقفے وقفے سے سنبھل رہا ہے اور یا پھر مستقل تعطل کا  
شکار ہے جو بھی تھا لیکن انہیں اپنی قوت اراوی محسوس طور پر ختم ہوتی  
محسوس ہوئی۔ انہوں نے چاہا کہ اپنی پوری قوت جمع کر کے نہیں

”ماتا کہ تمہارے پیدا کرنے والے والدین اس دنیا میں نہیں رہے لیکن میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے آج تک ہمیشہ تمہیں اپنا خون اور اپنی لاڈلی بیٹی سمجھ کر ہی پیار کیا ہے بلکہ تم میرے لیے سکی بیٹی سے بھی کہیں اہم اور میری محبت کی حق دار ہو یہ بات تو جانتی ہوتی ہو تم بھی۔“

”جی بابا جانی لیکن میں فی الحال اس موضوع پر کسی بھی قسم کی کوئی بات نہیں کرنا چاہتی بہتر ہوگا کہ آپ غزنی یا تاپا ابو کو فون کر کے بارات نہ لانے کا کہہ دیں کیونکہ پورے محلے میں اب تک کسی کو بھی یہ معلوم نہیں ہے کہ آج اجیہ کی غزنی سے شادی ہونے والی تھی اور اگر بارات آ کر خالی واپس جائے گی تو سب لوگوں میں بات پھیلے گی۔“ بات مشکل اور کنھن تو تھی لیکن کرتی تھی۔

سکندر صاحب کے لیے یہ مرحلہ دشوار ترین تھا کہ وہ کن الفاظ کا چناؤ کرتے اور کیا بتاتے کہ آج بارات کیوں نہ لائی جائے کبھی بہانہ کرنے کا سوچتے تو کبھی خیال آتا کہ یہ کوئی دو دین کی بات نہیں کہ بہانے سے کام چلایا جاسکے لہذا جو بھی بات تھی اور جو بھی معاملہ ہوا وہ سب صاف اور مختصر الفاظ بھائی صاحب کے گوش گزار کرنے کا ارادہ کیا ان کے اپنے کمرے میں جانے پر حنین بھی امی کے ساتھ ہی فرش پر بیٹھ گئی تھی۔

سکندر صاحب تو ایک مرتبہ طلاق کے الفاظ کہہ دینے کے بعد اب اپنے کمرے میں چلے گئے تھے اور امی کے جسم سے حقیقتاً آج جان ہی نکل گئی تھی۔ بے درپے اس قدر اعصاب شکن واقعات نے انہیں توڑ کر ہی رکھ دیا تھا اور وہ اب یہ بھی سوچنے پر مجبور ہو گئی تھیں کہ ساری عمر سکندر صاحب کی بے پروائی اور کڑوی کسلی باتوں کو برداشت کرنی رہیں تو آخر انہیں کیا ملا؟ آج تک اپنی ہر خواہش کو حسرت میں بدل دیا اپنے تمام تر جذبات کو سکندر صاحب کی بے حسی کے کبل میں چھپا دیا شادی سے پہلے تک اس قدر بولنے کے باوجود شادی کے بعد صرف اور صرف سکندر صاحب کے مزاج کو ذہن میں رکھتے ہوئے یوں چپ ہوئیں کہ کم گو کہلائیں ان کی خاطر محلے کیا دائیں بائیں رہنے والے پڑوسیوں سے بھی دعا سلام نہ رکھی اور لوگوں سے اپنے لیے مغرور جیسے الفاظ سنے۔ تو انہیں کیا فائدہ ہوا؟

کیا ملا نہیں یا کیا ملتا ہے ان جیسی عورتوں کو؟ جنہیں ساری عمر صبر کا گھونٹ پینے اور برداشت کرتے رہنے کا یہ صلہ دیا جاتا ہے کہ جب جی چاہے مرد اسے طلاق کے تین بول کہہ



aanchal.com.pk

رزق نگاہ بنائیں گے آراستہ دلچسپ تحریر



online magazine .com/recipes



نارہ شمارہ شائع

ہو گیا ہے

## اپریل 2017ء کی ایک جھلک

**کفن پوش:** دنیا کا ہر مذہب اپنے پیروکاروں کو زندگی اور زندہ رہنے کا سبق دیتا ہے لیکن اسلام واحد دین ہے جو انسان کو اپنے نظریات پر قربان ہو جانے کی خاطر جان دینے کا درس دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے دین کی ابتدا بھی شہادت ہے اور انتہا بھی شہادت ہے کیونکہ شہید کبھی نہیں مرتے آپریشن ضرب عضب کے پس منظر میں جنم لینے والی ایک خوب صورت کہانی۔

**ایک سو سولہ چاند کی راتیں:** یہ ناول 1947ء کی ایک کہانی پر مبنی ہے اس ناول کا پلاٹ، اس کے تمام کردار تقریباً 69 سال قبل کے یہ محبت کی ایک کہانی ہے جس نے Partition سے ایک سو سولہ دن قبل جنم لیا، انڈیا پاک کی تقسیم جب ہونے جا رہی تھی اس محبت کی کہانی دوران اپنا سفر شروع کیا۔

**اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ**







حیرت سے اسے ایک بار پھر انہی صبح کے کپڑوں میں باہر آتے دیکھا تو حیرت سے پوچھا۔

”ارے یہ تو بس باہر کا احوال ہے ورنہ غزنی کے دل میں جتنے لڈو اس وقت پھوٹ رہے ہوں گے ناں ان کا تو تم لوگ اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔“ ایک صاحب نے کہا۔

اور شادی والے گھر میں تو ویسے بھی وجہ بے وجہ بات بے بات قہقہہ لٹا نے کو بے قرار رہتے ہیں۔

”اماں میں معافی چاہتا ہوں کہ میری وجہ سے آپ کو آج کچھ پریشانی یا دکھ پہنچنے والا ہے لیکن آپ اس بات کو دل پر مت لیجیے گا۔“ اسے سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے اور اماں کو کون الفاظ میں بتائے کہ جن خوشیوں کی راہ میں آپ آنکھیں بھجائے کھڑی تھیں اسی راہ پر کوئی ان آنکھوں کے خواب تک چھین کر لے گیا ہے۔

”میں گھر میں آئے آپ سب مہمانوں کا شکر گزار ہوں کہ اب کی صرف ایک فون کال پر آج سب لوگ ہماری خوشیوں میں

پیارے بابا جان

کل جتنا مجھے نصیب نہ ہو

تکل اس پر شکن، عجیب نہ ہو

تم آنسو پونچھا کرتے ہو

میں روؤں اور تم قریب نہ ہو

میری چھوٹی چھوٹی خواہش

کل ایسا ہوا کہ مغموری میں

رو رو کر فرما دو کروں

کوئی سار جتانے والا ہو

(آئی مس یوماما)

پوشہ کل..... کوٹ ادو

شریک ہونے کے لیے پہنچے تو ضرور لیکن مجھے افسوس ہے کہ آپ سب کو ہماری وجہ سے تکلیف اٹھانا پڑی اور یہاں تک آنے کی زحمت ہوئی کیونکہ آج..... ”وہ چند لمحے رکا۔

بالکل اسی طرح جیسے بچے کوئی بہت ہی کڑوی دوائی کھاتے کھاتے ایک بار پھر رک کر دوائی کو غور سے دیکھتے ہیں اور خود کو ذہنی طور پر اس دوائی کو ٹکسنے کے لیے تیار کرتے ہیں اور پھر آخر کار آنکھیں بند کر کے ادھر ادھر دیکھے بنا ساری دوائی حلق میں ڈال لیتے ہیں اس نے بھی یہی طریقہ استعمال کیا تھا۔

یعنی میری ہونے والی دہن سکندر چچا کی غیر موجودگی میں کھر  
چھوڑ کر جا چکی ہے بھی نہ آنے کے لیے۔“ اس نے کسی کے بھی  
چہرے کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا بلکہ جس طرح اماں  
کے گھنٹوں پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا تھا اسی طرح بیٹھا رہا۔



”یہ کیا کہہ رہے ہو غزنی بیٹا اگر یہ مذاق ہے تو انتہائی مکھیا، گھر آئے مہمانوں کے ساتھ اس طرح کی باتیں مذاق میں بھی نہیں کرتے فوراً مجھے سچ بتاؤ۔“ اماں غیر یقینی کی کیفیت میں تھی۔

”اماں مذاق تو ہمارے ساتھ ہوا ہے لیکن یہ البتہ مکمل سچ ہے کہ اجیہ گھر سے بھاگ گئی ہے مجھے ابھی سکندر چچا کا فون آیا تھا انہوں نے ہی مجھے سب کچھ بتا کر معذرت کرتے ہوئے بات نہ لانے کا کہا ہے۔“ غزنی نے مکمل بات ان کے گوش گزار کی تو بابا اٹھ کر اماں کے قریب آ کر بیٹھ گئے مقصد انہیں حوصلہ اور سہارا دینا تھا۔

مرد میں اللہ نے کتنی طاقت رکھی ہے کہ خود چاہے کتنا ہی بڑا غم جھیل رہا ہو صدمے سے دو چار ہو لیکن اس کے باوجود اپنا دکھ ایک طرف رکھ کر اپنے سے جزی صنف نازک کی فکر میں لگ جاتا ہے اس کے دکھ کا مددوار کرنے کی اسے حوصلہ سلی دینے کی کوشش کرتا ہے۔ تنہائی میں آنسو بہا کر خود کو مضبوط ثابت کرتا ہے اور کسی کے سامنے دکھ کر کمزور نہیں پڑتا کہ اگر وہ کمزور ہوا تو پھر ان کو حوصلہ کون دے گا جو ماں، بہن، بیوی یا بیٹی کے روپ میں جذباتی طوفان پر اس پر انحصار کیے ہوئی ہیں۔ باقی سب لوگ جو ابھی کچھ دیر پہلے تک مبارک بادیں دے رہے تھے اب آپس میں باتیں کرتے ہوئے اظہارِ افسوس کرنے میں مصروف تھے۔ غزنی نے مزید گھر میں بیٹھا ہی نہیں کیا وہ جسے دن رات اس نے اپنے ساتھ محسوس کیا تھا اور جو اس کی دسترس سے صرف چند گھنٹوں کی دوری پر تھی وہ یوں اچانک اسے چھوڑ کر اس پر کسی اور کو ترجیح دے گی یہ اس نے بھی سوچا بھی نہیں تھا اسکی وجہ تھی کہ حالات کا طمانچہ جس شدت سے اس کے منہ پر لگا تھا تو وہ تلملا ہی اٹھا تھا اور اس نے خود سے عہد کیا تھا کہ جس نے بھی اس کی خوشیاں چھینی تھیں وہ اسے چمن سے ہر گز بیٹھنے نہیں دے گا اور اسے اس زمین پر عبرت کا نشان بنادے گا، غزنی نے خود سے عہد کیا۔

مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ محبتیں اعزاز کی طرح لی جاتی ہیں خیرات میں ملی محبت کسی کام کی نہیں ہوتی اور خاص طور پر اس وقت جب یہ خیرات بھی دینے والے کو مجبور کر کے لی جائے اور جہاں محبت کے جواب میں محبت ملتی نظر نہ آئے تو اپنی عزت نفس کو بھکاری کی چپک بنانے سے کہیں بہتر ہے کہ اسے تاج بنا کر اپنے سر پر سجایا جائے اور اسکی لا حاصل محبت کو بھول جانے

میں ہی عافیت سمجھے۔ غزنی اپنی موٹر سائیکل باہر نکال لایا کہ اپنی وجہ سے اماں با کے چہرے پر رقم دکھ اور مجبوری کہانی پڑھنا اس کے لیے خود کو سنبھالنے سے کہیں زیادہ مشکل تھا۔

کہاں آ کے رکنے تھے راستے کہاں موڑ تھا اس بھول جا وہ جو مل گیا اسے یاد رکھ جو نہیں ملا اسے بھول جا کیوں اٹا ہوا ہے غبار میں غم زندگی کے فشار میں وہ جو درج تھا تیرے بخت میں سو وہ ہو گیا اسے بھول جا وہ تیرے نصیب کی بارش کسی اور چھت پر برس گئیں دل بے خبر میری بات سن اسے بھول جا اسے بھول جا



مئی آج ایک دہائی علاقے میں آغاز کروہ اسکول کی وجہ سے ایک این جی او کے ساتھ مصروف رہی تھیں اسی لیے اسکول نہیں جا پائی تھیں ابھی آ کر فریش ہونے کے بعد بوانے کھانے کی میز پر کھانا رکھا تو وہ اربش کے انتظار میں وائس پریسل کوفون کر کے تمام دن کی روداد معلوم کرنے لگیں بوا بھی ان کے سامنے موجود تھیں کہ اربش کی گاڑی کی مخصوص آواز سنائی دیتے ہی مئی نے فون بند کیا اربش اور وہ ایک دوسرے کی موجودگی میں کبھی بھی فون نہیں سنتے تھے ایسا بہت ضروری کام کے سلسلے میں ہوتا کہ یہ قانون ٹوٹا ورنہ مئی کا خیال تھا کہ ان دونوں کو ایک دوسرے کے ہوتے کسی بھی تیسرے کی ضرورت نہیں ہے کوئی ایسا تیسرا جوان کتا آپس کا وقت تقسیم کر دے۔

”السلام علیکم مئی۔“ اربش کی آواز پر آج وہ بری طرح اس لیے بھی چونکی تھیں کہ وہ اکیلا نہیں تھا اور اس کے ساتھ دہن کے روپ میں گھڑی اجیہ کو دیکھ کر تو جیسے ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں وہ تو ان کے اسکول کی ٹیچر تھی پھر یہ اربش کے ساتھ دہن کے روپ میں..... وہ بری طرح جھنجھلائی تھیں اور حیرت سے ان کی زبان گنگدہ گئی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ)







سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر



کے لیے چائے لاتے ہیں۔“

”اچھا۔“ اس نے جھٹکن سے پورے جسم کو اٹھا کر جواب دیا اور اپنی کمر سہلانے لگی وہ مستقل دو گھنٹے سے اپنا کام نمٹانے کی کوشش کر رہی تھی۔ کام کرتے کرتے اسے وقت گزرنے کا احساس نہ ہوا اسے یاد آیا کہ اس نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ بھوک اب بلبلا رہی تھی خالہ کا نام سن کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور کمرے سے باہر آ گئی۔

”السلام علیکم!“ اس نے لان میں کرسی پر بیٹھی امی سے باتوں میں مشغول خالہ کو سلام کیا تو انہوں نے مڑ کر اسے پیار سے جواب دیا۔

”ہم نے سوچا مہمانوں سے مل آئیں۔“ اس کی خالہ زلو کزن دانیہ گلے ملتے ہوئے چپکتے ہوئے بولی تو وہ مسکرانے لگی اور کرسی گھسیٹ کر امی کے پاس بیٹھ گئی۔ دانیہ اس کے چہرے پر آئے قوس و قزاح کے رنگ دیکھ کر رشک کرنے لگی۔

”اس وقت تو ہم میزبان ہیں۔“ سارہ نے خوش دلی سے جواب دیا۔

”چائے کا پانی رکھ دیا بیٹا؟“ امی نے سارہ سے پوچھا۔

”جی امی..... میں چائے کا پانی رکھ کر آئی ہوں۔“ وہ سر ہلا کر جواب دیتے ہوئے بولی۔

”کچھ تھکی تھکی سی لگ رہی ہیں سارہ باجی طبیعت تو ٹھیک ہے۔“ دانیہ نے اس کے انداز و نقاہت کو بھانپ کر پوچھا۔

”آپا..... جاب کی وجہ سے سارہ کو وقت ہی نہیں ملتا ہفتہ اتوار کا دن بچتا ہے صبح سے نہ کھانے کا ہوش ہے نہ پینے کا بس لگی رہتی ہے گھر کے کاموں میں۔“ امی نے جواب دیا تو خالہ نے رشک بھری نظروں سے بھانجی کی طرف دیکھا۔

”بیٹا ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو بتاؤ خیر سے اب تمہاری شادی کدوں قریب ہیں۔“

”شکریہ خالہ..... آپ یہ بتانا میں کہ مومن کو میں نے کئی میسج کیے تھے ایک کا بھی جواب نہیں دیا اس کی سی وی کی کچھ فارمیٹیں پوری کرنی ہے۔“ اسے جیسے کچھ یاد آیا۔

”ساتھ ہی آیا ہے اندر ٹیل کے ساتھ کمرے میں بیٹھا کرکٹ کا میچ دیکھ رہا ہوگا۔ معلوم ہے نہ تمہیں بچپن میں کھیلنے سے باز نہ آتا تھا۔“ خالہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا تو سارہ بھی گزری باتوں کے لچکوں سے محظوظ ہونے لگی وہ ایسا ہی خندہ تھا۔

”سارہ بیٹا..... خالہ بتا رہی ہیں مومن کو بخار ہے اور اس

نے کوئی میڈیسن بھی نہیں لی اندر سے ہیٹا دل لا کر دے دو کھالے لگا تو کچھ پریشان لفاق ہو جانے کا ان کا حال تھا۔“ امی نے کہا تو وہ سر ہلا کر کھڑی ہوئی۔

”خالہ اس کی شادی کر دینا بہت ہے یہاں اس کی بیوی ہی اسے سنبھالے گی۔“ اس نے سکرا کر کہا۔

”بیٹا بس مہربانی ہے تمہاری کہ تم اپنی ملازمت سے مستعفی ہو کر اپنی جگہاں سے ہی رہو۔“ امی نے کہنے ہوئے اسے تنہا

برس ہو گئے ہیں ان تین برسوں میں نہ جانے کتنے دختر وں کی خاک چھائی ہے میرے بیٹے نے تمہارے غنا کی ریختہ زوٹ

کے بعد وہ ہی اٹھتا ہمارا سہارا ہے اب بتاؤ اس سے چھوٹی کن تین بیٹیوں کا بھی ایک کے بعد ایک بوجھ لگا کرنا ہے۔“ شادی

کے نام پر خالہ سندھے لچے میں اپنا بوجھ لگا کر تے ہوئے پولیس اس کی شادی کا توجہ دیتی بھی نہ سکتی تھیں۔

”خالہ..... بیٹیاں بوجھ نہیں ہوتیں ابھی بات مہربانی کی تو ایسا نہ کہیں ہم دونوں نے ساتھ ہی ایم اے کیا تھا بس قسمت

کی بات ہوتی ہے۔ میں جانتی ہوں آپ بہت مشکل حالات سے دوچار ہیں ایسے میں اپنے ہی ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں مہربانی اللہ کرتا ہے بندہ تو صرف ذریعہ بنتا ہے۔“

”تم نے ہمیشہ ہی ہمارا ساتھ دیا ہے بیٹا۔“ خالہ کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ وہ اپنی کبھی ہوتی بھانجی کی نفیس اور ہمد

طبیعت سے واقف تھیں۔

ہزار گز کے بنے اس بچے میں رہنے والے مکینوں میں ذرا بھی رجحانیت نہ تھی۔ محروا افساری اس اپنے والد سے ورثہ میں

ملی تھا جو بہت جلد انہیں داغ جھلی دے کر لبدی سفر پر کئی برس پہلے روانہ ہو چکے تھے۔ نزہت خالہ کی بیوی بہن تھیں اور مالی

طو پر محکم نہ تھیں شوہر کی آمدنی کم اور اخراجات زیادہ تھے۔ مومن اور سارہ ایک ساتھ پلے پڑے حتیٰ کہ پڑھائی لکھائی بھی

ساتھ ہی کرتے۔ وہ اپنی کتابیں نوٹس اسے دیا کرتی اکثر سمسٹر کی فیس اپنی جیب سے لے کر دیتی۔ ان احسانات کو مومن

بخوبی جانتا تھا۔

سارہ اور اس سے پانچ برس چھوٹا نیکل مومن سے مانوس تھا مومن سے چھوٹی تین بیٹیاں دانیہ کا دیہ اور حنا بھی اوپر تلے کی تھیں۔

”بیٹا چائے لاتا دو ساتھ میں کباب گل لینا۔“ امی اس کی



سوچوں کو منتشر کرتے ہوئے بولیں تو وہ مسکرا کر کچن کی جانب چلی آئی۔

وہ لان میں چائے کے ساتھ لوازمات دے کر ٹی وی ملاؤنج میں داخل ہوئی جہاں نیل اور مومن صوفے پر دراز ٹی وی پر کرکٹ میچ دیکھ رہے تھے۔ مومن ٹی وی کے بجائے چھت کو گھور رہا تھا بڑی شیو بکھر بکھر اس اس کا انداز لگ رہا تھا۔

”ایک فارغ ذہن شیطان کا کارخانہ ہوتا ہے۔“ وہ نیل کو ٹی وی میں محو اور مومن کو سوچوں میں گم دیکھ کر بآواز بلند بولی تو وہ جو صوفے پر ٹانگیں پھیلائے بے زاری سے چھت کو گھور رہا تھا اس کی آواز پر سٹ کر بیٹھ گیا۔

”کیسے ہو؟“ سامنے مکمل خاموشی پا کر وہ میڈیسن اس کے آگے بڑھاتے ہوئے بولی وہ اچھی طرح سامنے بیٹھے ضدی مرد کو جانتی تھی۔

”کیسا لگد ہا ہوں؟“ اس نے خاموشی سے اس کے ہاتھ میں پکڑ اپانی کا گلاس لے کر گولی نکل لی اور مسکرا کر بولا۔

”آج تو بالکل اچھے نہیں لگ رہے کیا حالت بتلی ہے بخدا تھا تو دو لے لیتی چاہیے تھی نہ اب کوئی بچے تھوڑی ہو جو حالہ تمہارے نخرے اٹھا میں گی۔“ سفید شرٹ اور بلیک پینٹ میں اس کا مضبوط جسم دکتے سرخ چہرے پر بھوری ذہین آنکھوں

میں سوزی سوز تھا۔

”ہاں اب تمہیں کہاں اچھا لگوں گا تمہاری زندگی میں کوئی اور؟“ اچھا جو شامل ہونے والا ہے اب ہم تمہیں کہاں یاد رہیں گے۔“ وہ پھکی ہنسی ہنستا ہوا شتر بھرے انداز میں بولا۔

”سنو تمہیں میں نے کئی میسج کیے تھے کوئی جواب نہیں آیا صدیقی صاحب کچھ ضروری ڈاکومنٹس مانگ رہے ہیں جو تمہاری سی وی کے ساتھ شامل نہیں تھے۔“ وہ اس کا چبھتا لہجہ نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔

”تم خوش ہو؟“ وہ اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

”یہ کیسا سوال ہے۔“ وہ ٹرے میں رکھی چائے کا کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی اور اپنا کپ لے کر ساتھ والے صوفے پر بیٹھ گئی۔

”کب ہے تمہاری شادی؟“ اس نے گہری سانس لے کر پوچھا۔

”اگلے مہینے۔“

”سنا ہے تمہارا مگنیر لندن سیٹل ہے مڑے ہیں بھی۔“

”میں اس مہینے کی بیس کو یعنی اگلے ہفتے سے ریٹائرمنٹ کر رہی ہوں۔ تمہیں سب کام سمجھا دوں گی تم صدیقی صاحب سے کل

آنچل ڈائجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے

# مومن کی محبت

راحت وفا

اپنے قریبی بک شال سے طلب فرمائیں یا ڈائریکٹ ہم سے منگوانے کے لئے رابطہ کریں

علم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40- اردو بازار، لاہور

فون: 37223584 37232336 37352332





آفس میں ملو۔“

بعد ختم جانا تھا۔ مومن اتنے صاف لفظوں میں سارہ کے جملے کے آگے ڈھیر سا ہو گیا، اس نے سارہ کے مضبوط لہجوں کے آگے پھر سے لب کشائی کی ہمت نہ کی اور سر جھکائے بیٹھا رہا اس نے اس کے بہادر جذبوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تھے اس کا دماغ سل ہونے لگا تھا۔

”کچھ رشتوں کی اپنی ہی ایک خوب صورتی ہوتی ہے ان رشتوں کو خاص نام دے کر بے معنی کر دینا کہاں کی عقل مندی ہے۔ رشتے بہت سی زنجیروں میں بندھے ہوتے ہیں ان کے بھی کچھ حقوق ہوتے ہیں جن کی پاسداری کرنی ضروری ہوتی ہے ورنہ رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔ کیا مرد اور عورت میں محبت کے علاوہ کوئی اور رشتہ نہیں ہو سکتا۔ ہم اپنے نفس کے کیوں غلام بن جاتے ہیں؟ میں نے اپنے اور تمہارے رشتے میں ہمیشہ پاکیزگی اپنائیت دیکھی ہے اللہ سے بھی خود سے جڑے ہر رشتے میں پاکیزگی مانگی..... اللہ سے جب ہم پاکیزگی مانگتے ہیں تو وہ ہمیں عطا کر دیتا ہے اور پھر ہمیں نفس پر قابو رکھنا سکھا دیتا ہے جن لوگوں کے نفس ان کے اختیار میں ہوتے ہیں ان سے لوگ پھر سوال کرنے کی ہمت نہیں کرتے اور نہ ہمیں پھر جواب دینا پڑتا ہے۔ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں؟“ ساریہ نے مومن کا جھکا سر دیکھا جہاں شرمندگی کی واضح لکیریں پنہاں تھیں۔

”چلو پھر باہر لان میں چلتے ہیں سب کے ساتھ گپ شپ کریں گے۔“ وہ اسے مزید شرمندہ نہیں کرنا چاہتی تھی اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ اس نے اپنا سر دھیرے دھیرے اٹھایا جو منوں بوجھ تلخ زاد ہو کر ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔ سارہ مسکرا کر اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور اس کے مضبوط ہاتھوں نے اسے مسیحا کا ہاتھ پہچان لیا تھا مومن آج اپنے اس خواب کی تعبیر دیکھ رہا تھا جس کی بھول بھلیاں اس کی سمجھ سے بالاتر تھیں۔

یہی تو وہ ہاتھ تھا اس کے میچا کا ہاتھ..... جو بچپن سے لے کر آج تک اسے ہر مشکل گھڑی سے بآسانی باہر نکال دیتا تھا۔ مومن نے اب اپنے قدم صحیح سمت کی طرف بڑھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ سارے مسیحائی اطوار جان چکا تھا، یہی مسیحائی زندگی میں دینا سکھائی ہے اور وہ زندگی کے اس قیمتی راز کو پا چکا تھا۔



”کیسی عجیب بات ہے کورس کی کتابیں یونیفارم فیس پھر اسائنمنٹ اور اب نوکری بھی تمہاری دی ہوئی ہے۔“ وہ ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے بولا اس کے لہجے میں احساس کمتری کی شدت کو محسوس کر کے سارہ کچھ سوچتے ہوئے اپنے مخصوص ہمدردانہ لہجے میں ٹھہر ٹھہر کر بولی۔

”میں جانتی ہوں خالو کی ریٹائرمنٹ اور تمہاری بے روزگاری نے گھر میں کیسے حالات پیدا کر دیئے ہیں، جس سیٹ پر پہنچنے کے لیے میں نے تین برس محنت کی وہ تمہیں لمحوں میں مل جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ خود کو کسی لحاظ سے کم تر سمجھو۔ تم ذہین اور محنتی ہو اور بہت آگے جاسکتے ہو شادی کے بعد میں نے ملازمت چھوڑنی ہی تھی، عام میرا پھوپھی زاد کزن ہے لندن سسٹل ہے تو یہ سب قسمت کے کھیل ہیں۔“

”کتنی آسانی سے ہم اپنے کیے فیصلوں پر قسمت کا نام مثبت کر دیتے ہیں۔“ اس کے لہجے میں بے گانگی تھی۔

”کیا تم مجھے غیر سمجھتے ہو؟“ اس نے معصومیت سے سوال کیا۔  
”یعنی میں تمہارا اپنا ہوں۔“ وہ اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

”ہاں تو اور کیا۔“ وہ بے اختیار لہجے میں بولی۔  
 ”کتنا اپنا.....؟“ وہ مضبوط لہجے میں بولا۔  
 ”کیا تمہیں میری خوشی عزیز نہیں، میں تمہیں اپنا ہی سمجھتی  
 ہوں اس کا ثبوت یہ ہے کہ اپنی ہر چیز میں تم کو ہی شامل رکھا  
 ہے۔ اپنا دکھ، غم، خوشی تم ہی سے شیر کی ہے۔ بولو کیا میں غلط  
 ہوں؟“ وہ لمحوں میں اس کے روٹھے جذبوں کی شدتوں کو سمجھ چکی  
 تھی ایک ادراک ہوا تھا وہ کم سن دوشیزہ نہ تھی جو اس کی جھکتی اور  
 چمکتی آنکھوں میں چھپا پیغام نہ سمجھتی۔  
 ”ہاں لیکن میں..... تم.....“ وہ ہٹلا رہا تھا جیسے لفظ  
 ڈھونڈ رہا ہو۔

”ہر جذبے کا نتیجہ محبت نہیں ہوتی۔“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر ہر اعتماد لہجہ میں پوچھا وہ مومن کو جانتی تھی اس کے ہر جذباتی فیصلے سے بھی آشنا تھی جسے وہ محبت کا نام دے رہا تھا وہ ایک انسیت تھی۔ سارہ میچور اور حقیقت پسند اور دور اندیش لڑکی تھی وہ مومن کی طرح جذباتی ہرگز نہ تھی اس وقت بھی اس کے اندر اٹھتے وقتی طوفان کو دیکھ رہی تھی جسے ایک معینہ مدت کے





# URDU SOFT BOOKS

DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGEST

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

URDUSOFTBOOKS.COM

URDUSOFTBOOKS.COM

URDUSOFTBOOKS.COM

URDUSOFTBOOKS.COM

زمین لڑائی

مصباح علی سید

DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGEST

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM







گدھا.....“ وہ بڑبڑاتا تیزی سے آفس کی جانب لکھا کہیں لنگ پر نہ نکل جائے۔

وہ آفس چیمبر پر آنکھیں موندے بیک سے ٹیک لگائے آہستہ آہستہ جھول رہا تھا۔ ارحم ہنر دستک کے اندر داخل ہوا اس کی ٹیبل انگلی کی پشت سے بجا کر سوچوں کا ارتکاز توڑا۔

”تم..... تم کب آئے؟“ وہ سیدھا ہو بیٹھا۔

”زیادہ ایکٹنگ نہ کرٹو بہت اچھی طرح جانتا ہے میں کل آیا ہوں اور کیوں آیا ہوں یہ بھی تو بہت اچھی طرح جانتا ہے۔“ وہ کرسی پہنچ کر اس کے دو بدو بیٹھ گیا۔

”یار پلیز میرے ساتھ اس ٹاپک پر بات مت کرنا..... پلیز۔“

”کیوں..... کیوں نہ کروں۔“ وہ کاٹ کھانے کو دوڑا۔

”تو نہیں بولتا نہ بول مگر میں ایک ایک کو بتاؤں گا تیری طرح ڈرتا نہیں ہوں۔“ وہ کچھ پل اسے دیکھے گیا پھر کرسی سے اٹھ کر اس کی پشت پر جا کھڑا ہوا۔

”ہاں یار ٹو صحیح کہہ رہا ہے تو کسی سے نہیں ڈرتا اور تو ڈرے بھی کیوں کون سا مجبور ہے۔ مجبور تو میں ہوں میرے ہاتھ بندھے ہیں زبان پر مجبوریوں نے تالے ڈالے ہیں۔“ وہ سینے پر ہاتھ باندھتے دیوار پر لگی پاپا کی فل سائز تصویر دیکھ رہا تھا۔

”تیرے ساتھ کیا مسئلہ ہے کیوں گونگا بن گیا ہے بتاتا کیوں نہیں پھوپھو کو یا پھر یہ کہہ کہ تجھے عادت ہے سرد گرم آہیں بھرنے کی ہمیشہ خود ترسی میں مبتلا رہنا۔“ وہ اس کی حد درجہ یاسیت پر چڑا اور گھوم کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

”دیکھ سمعون..... تو اپنے ساتھ جو مرضی کر مگر میں اپنے ساتھ زیادتی نہیں ہونے دوں گا۔ مجھے کوئی شوق نہیں آہیں بھرنے کی سمجھے۔“ وہ مکمل خاموشی سے اسے دیکھے گیا پھر جی سانس بھر کر بولا۔

”دیکھو ارحم..... تمہاری زندگی ایک مرحلہ پر ختم نہیں ہوتی تمہیں بہت سی مرحلے مل جائیں گی مگر میرے ماں باپ دوبارہ آ کر اپنی پسند کا اظہار نہیں کر سکتے۔ میری خالہ جس نے اپنی ساری خوشیاں صرف میری پرورش پر قربان کر دیں وہ بار بار مجھ سے فرمائش نہیں کر سکتی اتنی جلدی انسانوں کی فرمائشیں نہیں بدلا کرتیں اور میں تو کئی زندگیاں دے کر بھی ان کے احسانوں کا بدلا نہیں اتار سکتا جو کچھ انہوں نے میرے لیے.....“ وہ کچھ دیر کو چپ ہو کر ارحم کے تاثرات دیکھ رہا تھا اس کا چہرہ ایسا تھا جیسے منہ

میں نبولیاں بھری ہوں۔

”ارحم یار تجھے ایک دو سال ہی ہوا ہے مرحلہ سے ملنے یہ کوئی اتنا لمبا عرصہ نہیں ہے کہ تو اس کے بغیر نہ رہ سکے۔ میں بھی تو ضبط کر رہا ہوں میری خاطر تو بھی قربانی دے دے زندگی میں پہلی بار تجھ سے کچھ کہہ رہا ہوں پلیز یار.....“ ارحم نے تند نگاہ سے اسے گھورا۔

”زندگی اتنی طویل ہے یار..... اس کے مسئلوں میں الجھ کر ہم کچھ ہی عرصے میں بھول جائیں گے ہمیں یاد بھی نہیں ہوگا کون زندگی میں کب اور کہاں آیا تھا۔“ اس نے ہمدردی سے ارحم کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اسے آگ لگ گئی وہ چبا کر بولا۔

”چلو مجھے تو تھوڑا عرصہ ہوا ہے مگر تجھے تو تھوڑا عرصہ نہیں گزرا۔“ وہ کہہ کر رکنا نہیں بلکہ اس کا ہاتھ جھٹک کر تیزی سے باہر نکلا شیشے کے دروازے کا کچھ دیر ہتے رہنا اس کے شدید رد عمل کا اظہار تھا وہ چند گز کے فاصلے پر تھا جب ہائے چانس پیچھے مڑ کر دیکھا گلاس ڈور سے وہ اپنا سر پکڑے صاف دکھائی دے رہا تھا شاید وہ کرسی پر بیٹھنا چاہتا تھا یا پھر ٹیبل پکڑنے کی کوشش میں تھا دیکھنے میں ایسے لگا جیسے وہ لڑکھڑا رہا ہو ارحم بجلی کی تیزی سے پلٹا دروازہ کھول کر اندر آیا۔

”کیا ہوا..... کیا تم ٹھیک ہو۔“ مندی مندی آنکھیں گہری سانس لیتے ہوئے اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

”ہوں ٹھیک ہوں۔“

”خاک ٹھیک ہو۔“ اس نے اس کی کہنی پکڑی۔ ”تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی بیٹھو ادھر۔“ اسے کرسی پر بیٹھنے میں ہمدردی اس کی ٹھنڈی کلائی خاصی نرم آلودگی ارحم نے اسے دو تین ٹشو پیچ کر دیئے اس نے اپنی نم آلود پیشانی اور چہرہ صاف کیا۔

”اس اوکے یار..... میں ٹھیک ہوں۔“ اس نے ارحم سے پانی کا گلاس پکڑ کر ہونٹوں سے لگایا۔

”اگر ٹھیک ہوتے تو ٹھنڈے پسینے نہ آرہے ہوتے۔“ اسے جہاں اس کی حالت پر افسوس ہو رہا تھا وہاں شدید غصہ بھی آرہا تھا۔

”زیادہ وحید مراد بننے کی کوشش نہ کر..... گھر چل۔“

”نہیں نہیں..... آئی ایم اوکے یار تم جاؤ میں آ جاؤں گا۔“

اس کے مسلسل انکار کے باوجود ارحم نے اس کے فیجر کو بلایا اور سارا کام سمجھا کر اسے ساتھ لے گیا۔ واپسی پر اسے ڈاکٹر کی طرف بھی لے گیا تھا جس نے صرف بی پی لوہونے کا بتایا پیشہ















لسٹ بیک میں رکھی اور تیار ہو کر فچھا گئیں۔ شمعوں اپنے تمام کھیل کھلونے چھوڑنے پاپا کی ٹانگوں سے لپٹا کھڑا تھا یقیناً وہ بھی ساتھ جانے کی ضد میں تھا شمانہ کو اترنا دیکھ کر الیاس نے کہا۔ ”سمجھاؤ اسے یہ کیا کرے گا۔ مجھے واپسی پر کوٹھی بھی چکر لگانا ہے، دھول مٹی خواتینوں میں اس کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔“ شمانہ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی سفینہ بھابی باہر لاؤنج میں آ گئیں اور انہوں نے تو ہمیشہ ہی شمعوں کی حمایت کرتی تھیں۔ ”الیاس سچی سچی تو یہ ضد کرتا ہے آج اگر کہہ رہا ہے تو ساتھ لے جاؤ کیا ہو گیا۔“

”یار کچھ ارمان سنبھال کر رکھ لو بیس سال بعد بیٹے کی شادی پر نکال لینا۔“ اس بات کا شانہ نے کوئی جواب نہیں دیا وہ جوتوں کے ڈیزائن دیکھنے میں محو تھیں الیاس کو شانہ کو چڑا انا اچھا لگتا تھا جب کوئی جواب نہ آیا تو خود ہی خفیف سا اس کی جانب سر جھکا کر بولے۔

”اگر بیس سال میں دیر ہے تو.....“ وہ لمحہ توقف سے اپنی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولے۔ ”یہ خلام حاضر ہے تمہاری خاطر قربانی دینے کو جب جاہو سہرا باندھ کر ارمان پودے کر لو۔“

شمانہ کے تو سر پر لگی تکیوں پر بھیجی ایسی خونخوار نگاہوں سے دیکھا کہ وہ حفظ ماتقدم کے طور پر جلدی سے اٹھ کر سامنے کھڑے ہو گئے اس سے کوئی بعید نہیں تھی یہاں ہی جوتوں کا سہرا پرو کر سر پر لٹکا دیتی۔

”سوری.....“ انہوں نے اشارتا کہا تھا اس کی کچھ عتابی نگاہیں کم ہوئیں تو قدرے قریب آئے۔

”یار میں نے تو مذاق کیا تھا مجھ غریب سے ایک بیگم نہیں  
سنجالی جا رہی دوسری تو فوراً ہی اگلے جہان پہنچا دے گی۔“  
”تم بے فکر رہو یہ کام بھی میں خود ہی کر دوں گی۔“

”کون سا؟“ الیاس نے ناگہی میں استفسار کیا تو وہ دانت جما کر بولی۔

”اگلے جہان پہنچانے کا۔“

”مما میں بھی پایا کے ساتھ جاؤں گا۔“ شمعون کے کہنے پر دونوں تحیر سے بولے۔

”کہاں؟“

”اگلے جہان۔“

”اللہ نہ کرے“ شانہ کادل مٹھی میں سمٹ گیا تھا جوتے چھوڑ

فوراً شمعوں کو گود میں بٹھانا چاہوں، مگر یہ ہمارا ہی نظر ابھری ہو

مصدقہ کی منتہا منتہا ہے۔ ان شخصوں کو جو ترغیب دے رہے

بھم ۱۷۱۲ ک لکھی ہوئی۔ مگر انکا یہ دور زبردست دیکھا

”اچھ، دیکھ لیں، دیکھ لیں۔“ مگر یہ صرف ممالک کا

باقی یہ دیکھ لیں وہ دیکھ لیں۔" مگر وہ صرف میاں کو دیکھ



”چلیں میرا موڈ نہیں ہے۔“

”لے لو پلیز میں کل نہیں آؤں گا۔“ الیاس نے ایک بار پھر آفر کی تھی مگر دل اٹھ گیا سواٹھ گیا وہ دکان سے باہر نکل آئیں وہ بھی کندھے اچکا کر ہمراہ ہو گئے۔

ان کی گاڑی کا رخ کوشی کی جانب تھا اور سارا راستہ خاموشی سے کٹا تھا الیاس نے کئی بار ہلکی ہلکی باتوں سے اس کا موڈ ٹھیک کرنا چاہا مگر اس نے کچھ خاص رسپانس نہیں دیا تھا۔

”ارے کیا ہو گیا یار کچھ تم تو ایسے بی ہو کر رہی ہو جیسے میں اگلے جہان میں پہنچ ہی گیا۔“

”بس کر جائیں الیاس اب ایک بار فضول بولنا شروع ہو جائیں تو ہٹتے ہی نہیں۔“ وہ اچھی خاصی خفا ہو گئی تھی۔

اندھیرا اچھا خاصا پھیل چکا تھا جس وقت تک وہ کوشی پہنچے تب تک ٹھیکیدار اور لیبرز جا چکے تھے الیاس نے باہر سے ہی جائزہ لیا پھر اشارے سے شانہ کو بلایا وہ گاڑی کا دروازہ بند کر کے غنجلت ہوئی گیٹ سے اندر داخل ہوئی جگہ جگہ اینٹوں، بجری کے ڈھیر لگے تھے ایک جانب بہت سا سریہ سیمنٹ کے خالی بھرے ہوئے تھیلے رکھے گئے تھے الیاس نے آگے بڑھ کر سنبھل سنبھل کر چلتی بیگم کا ہاتھ پکڑ کر ذرا اندر لے گئے وہ اسے وہاں سے پورج اور لان کی لوکیشن سمجھا رہے تھے۔ اچانک ان دونوں کو کوئی چکر سا آتا محسوس ہوا تھا قدم کانپ رہے تھے۔ کانپتے قدموں نے زمین میں گڑ گڑاہٹ محسوس کی۔

”الیاس..... بس.....“ وہ کچھ چوکتے ہوئے بولیں۔

”زلزلہ..... کیا زلزلہ آ رہا ہے۔“

”ہاں بیٹھ جاؤ..... یہیں بیٹھ جاؤ۔“ انہوں نے اسے نیچے بیٹھنے کا کہا مگر وہ گیٹ کی جانب بھاگی تھیں۔

”نہیں کچھ نہیں..... باہر نکلیں..... شمعوں.....“ انہوں نے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ زوردار جھٹکا آیا اور گیٹ کے اوپر ہنا شیڈ زور سے نیچے گرا۔ جا بجا بکھری، بجری اور اینٹوں کے ڈھیر پر مٹی گرد کا طوفان سا ابھر اور اس میں ان دونوں کی شدید چیخیں، کسی کو کچھ سمجھ نہیں آئی تھی اس نئی تعمیراتی بلڈنگ میں اس وقت کیا ہوا ہے بس آواز بے حد خوفناک تھی۔ گاڑی کی وینڈو سے گرد کا طوفان شمعوں نے بھی دیکھا تھا۔ وہ آنکھیں پٹپٹا کر دیکھتا رہا جب زمین کی حرکت رکی کچھ لوگ شور و غل کی آواز پر باہر نکل آئے تھے۔ علاقے کا گاڑی جسے عبدالرحمان اور الیاس پیسے اس لیے دیتے تھے تاکہ وہ ان کے گھر کا خیال رکھو، وہ بھی بھاگتا ہوا ادھر

ہی آیا تھا لوگوں کی چمگوئیوں سے ہٹا چلا تھا آج جو لینٹر ڈالا گیا تھا اس کا اگلا حصہ گرا ہے۔ ان دونوں کی چیخیں اب قہقہے چکی تھیں ایک آدھ کوئی دم توڑتی کراہی گئی۔ گاڑی نے اپنی ٹارچ ادھر ادھر گھمانا شروع کر دی شمعوں کو گاڑی میں بیٹھے خاصی وحشت ہو رہی تھی باہر بہت سے لوگ تھے ایک نے دروازہ کھول کر اسے باہر نکال لیا تھا اور وہ زور زور سے ”مما پاپا“ نکار رہا تھا۔

عبدالرحمان بدحواسی کے عالم میں گاڑی بھاگتے آئے تھے وہ پہلے ہی پریشان تھے آخر الیاس بیوی بچے کو لے کر کہاں رہ گیا، فون بھی اسٹینڈ نہیں کر رہا، کوئی پروگرام تھا تو کم از کم بتا ہی دیتا۔ سفینہ بھی پریشان تھیں۔

”شاہنگ کا کہہ کر تو گئے تھے ہٹا نہیں کہاں رہ گئے۔“ جب سے زلزلہ آیا تھا عبدالرحمان اور سفینہ لاؤنج میں چکراتے پھر رہے تھے کتنے ہی فون کر لیے مگر کوئی خبر نہیں۔ الیاس کے موبائل پر مسلسل کال آ رہی تھی آواز سے ہٹا چلتا ڈھیر میں کچھ دبا ہوا ہے مگر اتنے بھاری ڈھیر سے روشنی کا آنا ممکن نہ تھا۔ کئی لوگ اپنی ٹارچ لے آئے ایک شخص نے ریسیکو والوں کو فون کر دیا تھا ان کے آتے ہی لمبے اٹھانے کا کام تیزی سے ہوا نئے نئے کنکریٹ کے ڈھیر کو اٹھانا بھی مشکل تھا کہیں سے نرم کہیں سے سخت ڈھیلے کی صورت کئی لوگوں نے مل کر جگہ کی نشاندہی کی۔ ایک موٹا سا ڈھیر اٹھتے ہی موبائل کی آواز کے ساتھ کسی کے کپڑوں سے چھن کر روشنی بھی آتی محسوس ہوئی گاڑی نے آگے بڑھ کر الیاس کی پینٹ سے موبائل نکال لیا اور کال کرنے والے کو ساری صورت حال بتائی تھی عبدالرحمان تو جیسے سنتے ہی پاگل ہو گئے تھے۔

”ایسا کیسے ہو گیا..... اس وقت وہ کچے لینٹر کے نیچے کرنے کیا گھسا ہو گا۔“

وہ وہاں پہنچ چکے تھے مگر ان سے بہت پہلے ملک الموت وہاں اپنا کام کر کے جا چکا تھا۔ لوگ بھی افسردہ ہوتے جھر جھریاں لیتے ٹولیوں کی صورت بننے لگے۔ قیامت صرف عبدالرحمان کے لیے رہ گئی تھی یا پھر شمعوں کے لیے۔ ڈرے سب سے کسی خوف زدہ بچے کی طرح کانپتے شمعوں کو انہوں نے اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا اور کسی طرح گھر پہنچنے کا انتظام کیا۔

قیامت اپنے مقررہ وقت پر آ کر لوٹ جاتی ہے بالکل

208 سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر

آنچل اپریل ۲۰۱۷ء

سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر

سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر

سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر

سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر

سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر

سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر

سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر

سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر



سیلابی ریلے کی طرح مگر اس کی تباہ کاری زمین پر بچہ کو گریہ زاری بہت عرصے تک کرتی رہتی ہے تب بھی اسی طرح ہوا تھا لوگوں کا مجمع گھر میں اکٹھا ہوا رونا دھونا خوب چیخ و پکار مچی پھر آہستہ آہستہ سب اپنے ٹھکانوں پر پہنچ گئے۔ تباہ کاری صرف شمعون کے لیے رہ گئی تھی وہ وحشت زدہ آنکھیں پھیلانے سب کے چہرے دیکھتا رہتا ماں کا لمس باپ کی کمی اس میں بہت پھیلا رہی تھی۔ درود یوار پر ایک سوگ اتر آیا تھا اتنی جوان متیں..... کتنے دن عبدالرحمان گم صم رہے نئے گھر تو کیا انہیں پرانے گھر سے کوئی دلچسپی نہ رہی تھی۔ ادھر لاہور میں حفصہ کی شادی ملتوی کرنے پر بات ہونے لگی فنکشن کیسے ہو سکتا تھا اس کے جوان بہن بہنوں کی اچانک سے چلے گئے۔ حفصہ کے سرال والوں کو شادی ملتوی کرنے پر اچھا خاصا اعتراض تھا ان کے بیٹے نے آسٹریلیا سے آنا تھا اور ساری تیاری مکمل تھی۔ اسے چھٹی بھی انہی دنوں ملتی تھی بعد میں مسئلہ بن سکتا تھا مگر حفصہ ذہنی طور پر بالکل تیار نہیں تھی اس نے فون کر کے اپنے منگیتر سے خود بات کی تھی۔

”یہ میری فیملی کا بہت بڑا نقصان ہے ایسے موقع پر میرا دل کیسے اپنی خوشیوں کے لیے آمادہ ہو سکتا ہے۔“ اسے بھی سمجھ آ گئی اور چند مہینوں پر معاملہ حل گیا تھا۔ حفصہ تقریباً پندرہ بیس دن مستقل اسلام آباد شمعون کے پاس رہی تھی وہ اس سے لپٹا دیکر رہتا۔ نہ روتا تھا نہ ضد کرتا تھا بس کبھی کبھی بچی نگاہ سے اسے دیکھ کر بہت آہستگی سے پوچھتا۔ ”خالہ..... ماما باپا کب آئیں گے؟“ وہ اسے خود سے لپٹا کر جھوٹی تسلیاں دیتی رہتی وہ ساری زندگی وہاں نہیں رہ سکتی تھی واپس لاہور آتا تھا۔ بھائی سلمان پہلے بھی دوبار اسے لینے آئے تھے اب کی دفعہ تو اسے لازمی جانا ہی تھا۔ شمعون کو ایسے تنہا چھوڑ کر آنا اسے اپنے لیے بڑا امتحان لگ رہا تھا اس نے بیک تیار کرتے ہوئے سلمان بھائی سے کہا تھا۔ ”ہم شمعون کو اپنے ساتھ لے چلتے ہیں یہاں یہ اکیلا کیسے رہے گا۔“

”اکیلا کیوں؟“ سلمان بھائی قدرے سوچ کر بولے۔ ”اس کے تایا تائی ہیں ناں۔“ ”بھائی میرا بالکل دل نہیں کر رہا اسے چھوڑ کر جانے کو آپ بات تو کریں بھائی جان عبدالرحمان سے۔“ ”میری بات سنو حفصہ..... مسئلہ شمعون کو ساتھ لے

جانے میں نہیں ہے اور نہ ہی اس کی پرورش اور اخراجات کا۔ مسئلہ ہے اس کے خاندان کا عبدالرحمان کبھی نہیں مانیں گے یہ ان کے بھائی کی اکلوتی نشانی ہے پھر دنیا والے کیسے جینے دیں گے۔ بھائی کی آنکھیں بند ہوتے ہی بچہ ننھیال کو دے دیا اس لیے مجھے مناسب نہیں لگ رہا یہ بات کرنا۔“ حفصہ بار بار بھائی کی متیں کر رہی تھی اور ان کے پاس ہی لیٹا بظاہر سوتا شمعون اندر تک دہل رہا تھا اسے کچھ خاص سمجھ نہیں تھی صرف اتنا اندازہ ہو رہا تھا خالہ اسے چھوڑ کر جا رہی ہیں جس میں اسے ماں کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے۔

وہی مرحلہ رویہ جن کے ساتھ گھنٹوں کھیلتا تھا اب بری لگنے لگی تھیں وہ ایک جانب ہو کر بیٹھا رہتا۔ حفصہ اپنے بھائی کے ساتھ لاہور جا چکی تھیں آہستہ آہستہ زندگی معمول پر آنے لگی۔ وہ دن میں دو تین بار فون کر کے شمعون کی خیریت پتا کرتی رہتیں وہ گم صم سے ”ہاں جی اچھا“ جیسے جواب دیتا۔ حفصہ اپنے جہیز کی چیزیں سمیٹ کر الماری میں رکھ رہی تھی شادی اگلے سال پر ملتوی ہو چکی تھی جو کپڑے آؤٹ آف فیشن ہو جانے تھے وہ استعمال کے لیے الماری میں رکھ لیے اور کچھ میک اپ کا سامان جن کی ایکسپائرٹی قریب تھی وہ ڈرینگ برکھ دے دیتا انہیں شمعون کا خیال آیا آج صبح سے کام میں لگے ہونے کی وجہ سے ایک بار بھی کال نہیں کر سکی تھیں انہوں نے نمبر ملایا بیل جاتی رہی حفصہ نے تین چار بار کال ملائی تھی تب سفینہ کی بے زاریت بھری آواز ابھری۔

”ہیلو.....“

”ہیلو السلام علیکم! بھائی میں حفصہ بات کر رہی ہوں۔“ ”ہاں ہاں حفصہ..... ٹھیک ہو؟ اصل میں میں بہت بڑی تھی ادھر زارون نے تنگ کر رکھا ہے ادھر شمعون کو بخار ہو گیا۔“ ”بخار ہو گیا..... کب؟“

”کل سے ہے اور اس قدر تنگ کر رہا ہے کوئی چیز نہیں کھا رہا نہ دوا لے رہا ہے۔ زارون کے کام الگ..... میں چکر کر رہ گئی۔“ حفصہ سے بالکل برداشت نہیں ہوا جیسے ہی بھائی آئے ان کے سامنے اپنے جانے کا عندیہ رکھ دیا۔ سلمان کو اس کی بات قدرے سنا گوار لگی وہ سمجھانے لگے تھے۔

”تم حوصلہ رکھو بچے بیمار ہوتے رہتے ہیں گھروں کے کام مسئلے مسائل سب چلتا ہے انہیں خود بننے دواں فیر سے۔“ وہ



بالکل متفق نہیں ہوئیں بھابی رحیلہ نے بھی حصہ کی حمایت کردی اور حصہ کے کہنے پر ہی اسے اسی پر سوار کر دیا تھا۔

سفینہ بھابی بھی تھیں زارون بے حد چڑچڑاتا تھا جیسے ہی وہ شمعون کے کاموں میں لگتیں وہ چیخنا شروع کر دیتا۔ اسے تو اپنی بہنوں کے ساتھ ماں شیر کرنا نہیں آتی تھی کہیں شمعون ایسے میں سفینہ بھابی بالکل اجڑی حالت میں کام سمیٹتیں پھر رہی تھیں حصہ کی ہمدردی پا کر تورو نے والی ہو گئیں۔

”حصہ میں تو شانہ سے بے حد شرمندہ ہوں اس نے میری دو بچیوں کو ایسے سنبھال رکھا تھا جیسے ان کی سگی ماں ہو۔ زارون ہی مجھے کسی کے پاس بیٹھنے انھیں نہیں دیتا تھا اور اب اس کا ایک بچہ میں نہیں سنبھال پارہی۔ اس کے جانے سے تو اپنی دونوں کی ذمہ داری بھی بڑ گئی اور شمعون بے چارہ چاہتا ہے اسے ساتھ لپٹاؤں زارون الگ مشکل پیدا کر دیتا ہے۔ میں کیا کروں؟ عبدالرحمان کوئی میڈ دیکھ رہے ہیں اللہ کرے کوئی بھروسہ دلی مل جائے۔“

”بھابی میں نے اسی لیے شمعون کو ساتھ لے جانے کا کہا تھا میں سمجھ سکتی ہوں آپ کی پریشانی۔“ حصہ کو بھی ان پر ترس آیا تھا۔ جب وہ مرحہ شمعون کو اسکول کے لیے تیار کر رہی ہوئیں زارون مستقل چلا تارہتا۔ قریب دھکی چیزیں اٹھا کر بیٹھنے لگ جاتا اور شمعون اسے تو کھانا بھی خود سے نہیں آتا تھا۔ اکلوتا تھا ماں کی گود میں چڑھ کر کھاتا تھا اور اب ہاف فرائی انڈے کی زردی سے اپنے ہاتھ بری طرح بھر رکھے تھے قطرے منہ سے فٹک کر یونیفارم پر گرے سفینہ ان کے لنگ بکس تیار کرتیں انہیں تیار کرتیں یا کھانا کھاتیں اوپر سے زارون..... چلا چلا کر سوئی رویہ کو اٹھا دیتا۔ عبدالرحمان کو خود بھی آفس پہنچنا تھا تیار ہونے کے ساتھ روٹی رویہ کو گود میں بہلا رہے تھے اور ساتھ ساتھ شمعون کو ہدایات دے رہے تھے۔

”یار شمعون تم تو بڑے ہو جلدی تیار ہو جایا کرو سارا یونیفارم گندا کر رہے ہو۔“

”آؤ میں آپ کو ناشتا کرواؤں۔“ حصہ نے اٹھ کر شمعون کو گود میں لے لیا ایک آدھ لقمہ مرحہ کے منہ میں بھی ڈال دیتی۔ اس کے جانے سے شمعون کا بخار اتر گیا تھا اور قدرے خوش بھی تھا اس نے وہی پہلے والی بات عبدالرحمان بھابی سے کی تھی کیوں کہ وہ روز بھی تماشا دیکھ رہی تھی ہوم ورک کرتے ہوئے اس پر توجہ دینی مشکل تھی۔ ہر کام کے لیے اگر میڈ ہی

رکھنی چاہیے تو یہ بچہ نہیں شمعون کو دے لے جائے۔

”بیٹا آپ کی بات تو ٹھیک ہے کہ شمعون کچھ نظر انداز ہو جائے لیکن آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا اور ایسے بھی تمہاری شادی ہو جائے گی تب بھی تو شمعون کو یہاں ہی رہنا ہے۔“

”بھابی جب شادی ہوگی تب دیکھا جائے گا کافی اچال تو میں اسے رکھ سکتی ہوں ناں آخر میرا بھی بھانجا ہے کچھ فرض میرا بھی بنتا ہے اور ویسے بھی وہ ایک سال میں خاصا سنبھال جائے گا پلیز۔“

”میرا دل نہیں مانتا اسے خود سے دور کرنے کو اگر وہ میرا بھانجا ہوتا تب بھی ایسی ہی پلتا۔ تم فکر نہ کرو۔“

”بھابی وہ بھی آپ ہی کا بیٹا ہے۔“ وہ پوری کوشش کر رہی تھی کسی طرح وہ قائل ہو جائیں۔ ”بھلے میرے پاس رہے یا آپ کے پاس میرا وعدہ ہے میں خود اسے آپ کے پاس چھوڑنے آ جاؤں گی بس کچھ عرصہ کے لیے میرے ساتھ بھیج دیں۔“ عبدالرحمان نہ چاہتے ہوئے مشکل سے راضی ہوئے تھے کچھ سفینہ بھابی نے بھی سمجھایا۔

”بچیا اپنی خالہ کے ساتھ بہت اچھے چائیں کی شکل میں اپنی ماں نظر آتی ہوگی پھر ایک سال کی بات ہے جب اس کی شادی ہوگی ہم لے آئیں گے۔“ اس طرح شمعون اسلام آباد سے لاہور آ گیا تھا عبدالرحمان نے جہاں اسے لے جانے کی اجازت دی وہاں سختی سے ہدایات دی تھیں۔

”اس کے تمام اخراجات وہ خود اٹھائیں گے اس کا پاس کے لیے اتنا چھوڑ گیا ہے کہ کسی کو اس کے لیے کچھ نہیں کرنا پڑے گا۔“ پھر اسی طرح ہوا وہ مستقل اس کے لیے چیک بھیجے گئے ہر مہینے خود بھی چکر لگاتے رہتے تھے یہاں کہ بہت خوش تھا زرتاشہ اور ارحم سے جلد دوستی ہو گئی تھی مگر ان دونوں کے جھگڑنے کی عادت کسی طہ نہ بدلی کھیلتے کھیلتے انجام لڑائی پر ہوتا شمعون میرا فرزند ہے۔

.....

حصہ کی شادی کے دن قریب آ رہے تھے تیاریاں پھر سے شروع ہو گئیں اور شمعون اس ایک دن اس نے کہہ ہی دیا۔

”خالہ آپ مجھے چھوڑ کر چلی جائیں گی میں یہاں نہیں رہوں گا۔“ وہ کچھ دیر اسے سمجھتی رہی پھر پیار سے گال تپھیلیا۔

”میری جان میں آپ کو فون کرتی رہوں گی اور آپ یہاں تھوڑی رہو گے آپ کے تایا ابو کے پاس چھوڑ کر جاؤں گی۔“



”نہیں خالہ..... میں آپ کے ساتھ جاؤں گا یا پھر مجھے مرنے  
پاپا کے پاس بھجوا دیں۔“

”اللہ نہ کرے۔“ اس نے اسے خود میں بھینچ لیا وہ باقاعدہ  
رونے لگا تھا۔

”خالہ مجھے آپ کے ساتھ رہنا ہے مجھے کیلڈر لگتا ہے۔“

حصہ کی آنکھوں سے بھی باقاعدہ پانی بہنے لگا وہ اثبات میں سر  
ہلاتی اسے راضی کر رہی تھی۔

یہ کچھ دن بعد کی بات ہے شمعون کھیلتا ہوا رتاشہ ارحم کے  
باس جا بیٹھا۔ وہ چپس کھا رہے تھے اسے دیکھ کر معمول کی طرح  
جھگڑنے لگے۔

”شمعون میرے پاس بیٹھے گا۔“ دونوں کا جھگڑا اتنا بڑھا  
کہ روحیلہ بھابی کو درمیان میں پولنا پڑا تھا۔

”کیا بدتمیزی ہے کیوں جھگڑ رہے ہو۔“ پھر شمعون کو چپس  
کا پیکٹ تھماتے اسے دروازے کی جانب کیا۔

”تم دونوں لڑتے ہو اس لیے یہ کسی کے پاس نہیں بیٹھے گا  
اپنی خالہ کے پاس بیٹھے گا۔“ حصہ اس کے لیے نوڈلر کا باؤل

لیے ادھر ہی آ رہی تھی سنتے ہی اس کے اندر تک جلن ہوئی بھابی  
کے بچوں پر بھی شدید غصا آیا اور بھابی کی بات پر کیا تھا اپنی گود  
میں بٹھا لیتیں۔ وہ آگے بڑھی اور اس کی کلائی پکڑ لی۔

”میں اسے لینے ہی آ رہی تھی اس نے ابھی کھانا بھی نہیں  
کھایا۔“ وہ اسے اپنے روم میں لے گئیں روحیلہ کو اپنے رویے پر

کچھ شرمساری ہوئی تھی بچوں کی فطرت کی وجہ سے ایسا کہنا پڑا  
تھا انہوں نے ایک غصیلی نگاہ سے اپنے بچوں کو دیکھا پھر کچھ  
ٹھہر کر وہ حصہ کے پاس محضرت کے لیے آ گئیں۔

”کوئی بات نہیں بھابی..... ہو جاتا ہے۔“ حصہ کے بات  
بدلنے پر وہ صفائیاں دیے لگیں۔

”حصہ یہ بات نہیں کہ شمعون سے محبت نہیں ہے۔“  
انہوں نے بات کرتے ہوئے اسے اپنی گود میں بٹھا لیا اور

بالوں میں انگلیاں چلانے لگی۔ ”اصل میں بچوں کی وجہ سے ایسا  
کہہ دیا۔“ اور تب ہی حصہ نے ایک فیصلہ کیا تھا شمعون کو

ہمیشہ اپنے ساتھ رکھنے کا کیوں کہ دونوں گھروں میں محبت کی  
کمی تھی نہ ہی پیسے کی مگر اپنے بچوں کی وجہ سے وہ نظر انداز ہو رہا

تھا۔ اسی سلسلے میں اس نے اپنے منگیتر سے بات کی اور وہ سنتے  
ہی بھڑک گیا۔

”ایسا کیسے ہو سکتا ہے میں کسی کے بچے کی ذمہ داری نہیں

اٹھا سکتا۔“ حصہ نے اسے بہت قائل کرنے کی کوشش کی یہاں  
تک کہا تھا شادی کے بعد وہ کسی قسم کی کوئی فرمائش نہیں کرے گی  
صرف یہ خواہش پوری کر دیں وہ بچہ کسی پر مالی بوجھ بھی نہیں لیکن

بات نہیں بنی اور اسی پر حصہ چڑ گئیں۔  
”جس شخص کے دل میں میری چھوٹی سی خواہش کی گنجائش

نہیں اسے میں اپنی پوری زندگی سوچ دوں۔“ اس نے منگنی ختم  
کرنے کا اعلان کیا تھا سلمان بھابی روحیلہ بھابی نے بے حد

ڈانٹا سمجھا یا مگر اس کی ایک ہی بات تھی۔  
”میں شمعون کو کسی صورت نہیں چھوڑ دوں گی بھلے مجھے کچھ

بھی چھوڑنا پڑ جائے۔“ اور پھر یہی ہوا نہ شمعون اسے چھوڑنے پر  
راضی تھا نہ وہ شمعون کو۔ عبدالرحمان ایک بار پھر اسے لے گئے

تھے مگر وہ تیسرے دن واپس آ گیا اس کی رو رو کر طبیعت خراب  
ہو گئی تھی حصہ نے اس کے دماغ میں ایک بات ڈال دی تھی۔

”اگر آپ میری بات مانو گے رو گئے نہیں ماما پاپا کو یاد نہیں  
کر دے گے تو ہمیشہ میں اپنے ساتھ رکھوں گی اگر تنگ کر دے تو

میں بھی چھوڑ دوں گی۔“ یہ بات شمعون کے ذہن میں کندہ ہو گئی  
تھی خالہ کی ہر بات ماننی ہے۔



وقت کے چپسے سنہرے صحرا پر خاکستری اونٹ اپنے  
چوڑے پاؤں گاڑھے آگے بڑھ رہے تھے چمکتی ریت اپنے

روند جانے پر ماتم کناں ضرور تھی مگر اس کی پیاسی آنکھوں کی  
چمک مانت نہیں بڑی تھی۔ حلق میں پیاس سے سوکھ کر کانٹے اُگ

آئے تھے مگر ہلکی ہلکی مسرور ہوا کے جھونکے اسے پھر سے تازہ  
دم کر دیتے۔ ٹھانیں مارتے سمندر سے جب بھی ہوا گزر کر

ٹھنڈی ہوتی اس کی ساری نمی اور خشکی کو پیاسی ریت نادیدہ  
بصارت سے اپنے اندر سمویتی وقت گزرتا رہا۔ گرم سمندر میں

پکھلی چاندی جیسی لہریں آپس میں ٹکرا کر پازیب کی تال  
بناتیں اور وقت کو رقصاں کرتی مزید آگے دھکیل دیتیں۔ شمعون

اب چھوٹا سا پانچ سالہ بچہ نہیں رہا تھا بلکہ کڑیل جوان مرد میں  
تبدیل ہو رہا تھا جسے حصہ نے اسے اپنی ساری زندگی دے کر

سیراب کر دیا تھا اس کی شخصیت میں ایک سحر بھرا تھا جو ایک بار  
دیکھتا تو سحر زدہ ہو کر رہ جاتا۔ جہاں اس کی شخصیت مکمل تھی وہاں

ایک بڑا خانہ خالی رہ گیا تھا..... وہ تھا اپنی ذات کے بارے میں  
قوت فیصلہ یہ سب کچھ اتنا لا شعوری اور خود بخود ہوا کہ حصہ کو بھی

اندازہ نہ ہو سکا کہ چوبیس سالہ شمعون اب بھی اسی کی انگلی







تھے تاکہ وہ اپنی مرضی سے بزنس سیٹ کر سکے اس نے لاہور میں بہترین موبائل شاپ بنائی۔ عبدالرحمان اور سلمان کے مشوروں سے بزنس چند ماہ میں چل پڑا تھا۔ وہ موبائل شاپ کی پاور سیٹ پر بیٹھا تھا خوشی اور جدائی کے ملے جلے احساس نے اسے گھیر رکھا تھا۔ انٹرنس کے پاس ایک چھوٹے سے کیمین کو اس نے آفس نمائندگی دے رکھی تھی باقی ساری شاپ پر ڈسپلے کے لیے ریکس اور کاؤنٹر بنے تھے جہاں اس کا منیجر اور ورکرز کام کر رہے تھے اس کے ٹرانس پرینٹ کیمین کی داہنی دیوار پر پاپا کا بڑا سا فوٹو تھا جسے وہ کرسی پر جھولتے مسلسل دیکھ رہا تھا۔ لمبے عرصے بعد آج پھر پاپا ممایا آنے لگے تھے اسے یاد تھا جب چھوٹا سا وہ ان کی گود میں سوار ہو کر شیشے کے ریکس میں رکھے ہر موبائل کھلونے پر اڑ جاتا تھا۔ جب ان موبائل کھلونوں پر صرف ”چھیاں چھیاں“ گانا ہی لگتا تھا۔ وہ اسے کتنا پسند تھا ایک بار تو پاپا نے کہا تھا۔

”میں تمہیں موبائل کی دکان ہی کھلوادیتا ہوں شوق پورا کر لیتا۔“

شمعون کی گھنی سیاہ مونچھوں تلے مسکراہٹ بے حد گہری تھی پورا پلان ترتیب دیتے ہوئے اٹھا کتا آج خالہ سے بات کرے گا آج سے پہلے وہ صرف اس لیے نہیں بتایا کہ کیا کہے کہ وہ ماموں کا گھر داماد بننا چاہتا ہے۔ بے شک وقت کے ساتھ پہلا گھر دو حصوں میں بٹ گیا تھا ماموں نے حصہ اور شانہ کے حصے میں ایک بہترین پورشن ان دونوں کے لیے سیٹ کر دیا تھا اپنا حصہ اپنی فیملی کے لیے ہلکی خوشی دو گھر بن گئے تھے۔ کچھ بھی تھا پورشن بنایا تو ماموں نے تھا یہیں پلا بڑھا جب تک قدم مضبوط نہ ہوں اسی گھر کی لڑکی کا سوال کیسے کر سکتا تھا۔ اب آج وہ مضبوط تھا بہترین بزنس بہت جلد گھر بنالے گا۔ وہ انہی سوچوں میں گہرا جملے ترتیب دیتا گھر آیا خالہ سے کیا اور کیسے بات کرنی ہے وہ لابی اور لائونج کی پارٹیشن ونڈو کے قریب تھا اندر سے خالہ کی آواز آ رہی تھی وہ کسی سے کہہ رہی تھیں۔

”بھائی کیسی باتیں کر رہے ہیں شمعون کو میں نے جنم نہیں دیا باقی اس کی رگ رگ سے واقف ہوں وہ میری بات کو انکار کر دے ناممکن۔ وہ تو میری پسند کے بغیر جوتا ٹالی شرٹ پسند نہیں کرتا یہ تو پھر پوری زندگی کی بات ہے اور میں نے آپ کو بتایا تو ہے یہ اس کے ماں باپ کی خواہش تھی آپ نے خود مجھ

”پھر.....“ اس نے استعجابیہ پوچھا۔ ”تیرا کیا انٹرنسٹ ہے۔“

”بے وقوف..... بزنس کے بعد یقیناً شادی کا تذکرہ ہوگا اور تیری شادی کے بعد یقیناً میرا ذکر خیر ہوگا اور میں اسی انتظار میں تھا میرا ذکر ہو تو میں اپنی پسند بتاؤں۔“

”کیا.....“ اس نے سر سے پاؤں تک اسے دیکھا۔ ”کون سی پسند؟“ وہ کچھ دیر چپ رہا پھر خفیف سا نظروں کا زاویہ لان میں ذرافا صلے پر بیٹھی مرحم کی جانب کیا۔

”تمہاری وہ کزن انکیڈ ہے؟“

”نہیں۔“ اس نے سر سے پاؤں تک ارحم کو دیکھا۔ ”لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟“

”یہ تمہاری طرح کی طرح کیوں گھور رہے ہو۔“ ارحم ہنسیا۔

”آخر اس کی کہیں تو شادی ہونا ہی ہے اور میں نے کون سا کنوارے مرنے ہے۔“

”اوہو.....“ شمعون کے ہونٹ استہزائیہ ”اوہ“ میں

سکڑے۔ ”کروں خالہ سے بات وہ تائی امی سے کریں گی۔“

”نہیں..... نہیں..... ابھی نہیں ہر بات فوراً ہی نہ پھوپھو

کے کانوں میں ڈال دیا کرو بس تم ذرا دھیان رکھنا میں ذرا دہی

میں سیٹ ہو جاؤ۔“ بس اتنی سی بات ہوئی تھی اور اندر بڑوں میں

کیا طے پایا اس سے یہ دونوں بے خبر تھے۔

ارحم کو دہی گئے تین ماہ ہوئے تھے شمعون باقاعدہ اسلام

آباد جا کر تایا لبا کا بزنس سنبھالنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ خالہ کے

ساتھ رہنا چاہتا تھا اس نے خالہ سے مشورہ کیا یہ تو ان کے دل

کی بات تھی بھلا کیسے اسے خود سے دور کر سکتی تھیں۔ پارٹی والے

دن بھی انہوں نے عبدالرحمان بھائی سے یہی کہا تھا۔

”شمعون اسلام آباد آ کر کیا کرے گا ہم اسلام آباد سے

کسی کو یہاں لے آئیں گے۔“

عبدالرحمان تو جانے سمجھے تھے یا نہیں البتہ روحیلہ بھابی اور

سلمان بھائی نے ایک دوسرے کو تحیر سے دیکھا اور یہی سوچا۔

”حصہ یہ کیا کہہ رہی ہے غیر لڑکی نظر آ گئی گھر کی کیوں

نہیں۔“ بعد میں حصہ نے خود باتوں باتوں میں انہیں بتا دیا تھا

کہ یہ شانہ کی خواہش تھی۔ روحیلہ تو سنتے ہی کم صم رہ گئیں انہیں

اپنی بیٹی کے انداز میں کچھ اور دکھائی دیتا تھا۔

عبدالرحمان نے الیاس کے تمام شیئرز شمعون کے سپرد کیے







میں چاہتا ہوں جب میں کچھ مانگوں تو سامنے والا میری خواہش پر فخر محسوس کرے۔“

”مگر یار پھوپھو کو کچھ اندازہ تو ہونا چاہیے کسی بات سے ان کے ذہن میں ڈال دو۔“

کے ذہن میں ڈال دو۔“  
 ”بار اتنی جلدی کیا ہے خالہ کو پتا چلا تو فوراً ماموں سے ہات  
 کریں گی۔ ابھی میری اوقات ہی نہیں بھائی۔“

”چل پھر میری اوقات تو بننے والی ہے نہ مئی چار ہا ہوں جس دن کہوں گا تو نے اپنے تایا سے ہات کرئی ہے۔“ دلوں ہی یک لخت بنے تھے ان کی اس دن والی ہنسی یاد آتے ہی وہ مسکرا دی جائے گا مگ بابا کو پکڑا کر خود مطمئن سی انتظار میں تھی اور کچھ بننے کے انتظار میں ہی وہ مارا گیا۔ آج وہ موبائل کی دکان پر تھا مگر پایا نہیں تھے دل یک لخت دھڑکا تھا۔

”اگر آج پایا ہوتے تو یقیناً خوش ہوتے“ اتنی بڑی شاپ دیکھ کر اور ماما.....“ ان دلوں کے یاد آتے ہی خالہ حصہ کی قربانیاں کیسے بھول سکتا تھا جنہوں نے صرف اس کے اکیلے پن کی وجہ سے اپنی زندگی میں اکیلا پن بھر لیا تھا۔ اسے یاد تھا راتوں کو وہ لمبی کالز کر کے اپنے منگیتر کو قائل کرنے کی بے حد کوشش کرتیں۔ بہت پیار اور نرمی سے بات شروع ہوتی آہستہ آہستہ لہجہ تلخ ہوتے اختتام تک سخت کھر در اللہ حافظ کہہ کر فون بند..... اور ماموں ممانی نے کتنا سمجھایا تھا۔ روز کسی پہاڑی زندگی کا ذکر ہوتا تھا اور اندر ہی اندر وہ کس قدر ڈرتا تھا کہیں خالہ ماموں ممانی کی بات مان نہ جائیں۔ ان کے جاتے ہی وہ کیسے خالہ سے قسمیں لیتا تھا مجھے یہاں نہ چھوڑیں ساتھ لے جائیں خالہ نے وعدہ پورا کیا۔

”اگر نہ لے جا سکی تو جاؤں گی ہی نہیں۔“ اور پھر یہی ہوا وہ کہیں گئی ہی نہیں تب تو اسے محسوس نہ ہوا مگر اب شدت سے احساس ہونے لگا تھا۔

”میں نے بچپن میں بہت خود غرضی دکھائی کیا میں ان کی خاطر کوئی قربانی دے سکتا ہوں شاید نہیں۔ وہ مجھ سے قربانی مانگیں گی ہی کیوں وہ خود مجھ سے کتنا پیار کرتی ہیں اور آج میں اس قابل ہو گیا ہوں کہ میں انہیں خوش کر سکوں۔ بہت شوق ہے ناں انہیں میرے سر پر سہرا دیکھنے کا آج میں انہیں اپنی پسند باتوں گا۔“ یہ سب سوچتے ہوئے اسے چند ماہ پہلے کا خیال آ گیا تب وہ پانی منے چن میں گیا تھا۔ زرتاشہ ان کے پاس کھڑی کوئی ریسی ٹیکہ کر کو کنگ کر رہی تھی ان دونوں اسے خواہوا







تھا جب سب سے پہلے اسے دس نہ کیا ہو اور وہ لفظ جو منہ سے برسات میں ادا کیے تھے۔  
”میں بادل بارش کی طرح تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔“ بھلے آواز مدھم مدھم مگر تیز بارش میں بھی زرتاشہ کو واضح سنائی دی تھی اور اب کہہ رہا تھا سب اس کی مرضی سے ہو رہا ہے۔

”ہونہ۔۔۔۔۔ میں بھی اتنی گری پڑی نہیں ہوں جو ساتھ کی بھیک مانگوں مجھے بھی کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔“ وہ کمرے سے باہر نکل رہا تھا تب وہ بھی دروازے سے قدرے ہٹ کر مگروہاں کھڑے تھی اسے دیکھ کر بہت اجنبی نگاہوں سے مسکرائی اور طنزاً بولی تھی۔

”بہت بہت مبارک ہو شمعون تمہیں اپنی خواہش اور مرضی۔“ ایک جملے کی ادائیگی کے بعد ہی اس کے گلے میں کمی کا گولہ پھنسا چہرہ لاشی پڑ گیا وہاں سے ہٹنے لگی تھی تب اس نے روک لیا۔

”میری بات سنو زرتاشہ۔۔۔۔۔“

”تم سے اب کچھ بھی سننا میری مرضی میں شامل نہیں۔“ وہ جاری تھی وہ آگے آگیا۔

”لیکن تمہیں سننا پڑے گا زری۔۔۔۔۔“ اس کا لہجہ بہت ٹوٹا ہوا تھا وہ چپ ہو گئی۔

”زندگی اپنے ہونے کا یقین دلانے کے لیے اپنے کناروں پر بہت بیچ و خم رکھتی ہے زرتاشہ۔۔۔۔۔ ہم جن چیزوں کو بہت سہل اور اپنا حق سمجھتے ہیں کہ بس ایک ہاتھ کے فاصلے پر یہ ہماری۔۔۔۔۔ مگر ضروری نہیں ہے کہ وہ ہمارا مقدر بھی ہوں۔۔۔۔۔ اہم سوری میں بہت مجبور ہوں۔“ وہ کہہ کر رکنا نہیں تیزی سے باہر نکل گیا۔ عین اسی وقت حصہ کسی کام سے آئی تھیں انہوں نے دونوں کو کوئی بات کرتے دیکھا ضرور تھا مگر کچھ سمجھ نہیں آئی۔ شمعون کو آواز دینے کے باوجود وہ باہر نکل گیا زرتاشہ سے پوچھا وہ خود پر قابو پاتی بہت سنسنیل کر بولی۔

”وہ دراصل پھوپھو۔۔۔۔۔ میں نانو کی طرف جا رہی ہوں اس لیے اسے غصا آ گیا۔“ وہ کہہ کر اپنے کمرے کی جانب تیز تیز بڑھی جبکہ حصہ حیران تھیں اور غصہ بھی آیا۔

”گھر میں شادی ہے اور اسے نانی کے گھر جانے کی لگی ہے۔“ کچھ دیر اس کی پشت کو گھودا پھر بھابی کو آوازیں دیتیں اور چل دیں۔

”عجیب ہی لڑکا ہے شادی کے نام پر لڑکے دو دو فٹ چھلانگیں مارتے ہیں ایک یہ ہے آئے گا بستر پر گرے گا سو جائے گا۔“ وہ خاموشی سے چائے پی رہا تھا تب انہوں نے اسے سلمان بھائی کی جانب جانے کا کہا۔

”شمعون شادی کے کاموں میں خود بھی دلچسپی لو سارے کام میں اور تمہارے ماموں ممانی دیکھ رہے ہیں۔ تم بھائی کی طرف جاؤ اور بارات ہوٹل اور دوسری آرگنٹمنٹ وغیرہ کا ڈسکس کر لو اور کم تو نام کم کے نام ہی شاید آئے تم نے ہی دیکھنا ہے بیٹا۔“ اس نے محض ہاں میں سر ہلایا تھا۔

اکلی شام وہ شاپ سٹاٹے ہی ماموں کے پورشن میں چلا گیا اس نے لاؤنج میں قدم رکھنے سے پہلے دعا مانگی تھی۔ زرتاشہ سے سامنا نہ ہوا اور ایسا ہی ہوا وہ اس وقت سامنے نہیں تھی۔ وہ تیزی سے ماموں کے کمرے کی جانب بڑھ گیا کچھ دیر ان کے پاس بیٹھا ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد شادی کے معاملات ڈسکس کرنے لگا۔ وہ خاموش بیٹھے اس کے چہرے کو دیکھے جا رہے تھے البتہ روحیلہ ممانی بولی تھیں۔

”شمعون۔۔۔۔۔“ اس نے نگاہ اٹھا کر ممانی کو دیکھا۔

”جی۔“

”تم خوش ہو اس رشتے سے؟“ اس کی ابھی نگاہ پر انہوں نے وضاحت دی۔ ”میرا مطلب ہے یہ حصہ کی خواہش ہے یا تمہاری بھی مرضی ہے۔“ ان کے دل میں کہیں احساس پیدا ہو رہا تھا کہ حصہ جان کر ایسا نہ کر رہی ہو نند بھادج کے جلاپے میں وہ جان بوجھ کر بھانجے اور بچی کے جذبات سے کھیل رہی ہو حالانکہ وہ دیکھنے میں بالکل ایسی نہیں لیکن اس رشتے کی چال بازی کا اندازہ لگانا ہی مشکل ہے۔ ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو لیکن اس نے صاف کہہ دیا۔

”ممانی۔۔۔۔۔ میری اور خالہ کی خواہش اور مرضی کب سے الگ الگ ہونے لگی انہوں نے مجھ سے پوچھ کر فیصلہ کیا ہے۔“ اس کے اندر جو بھی لبالب اٹھ رہا تھا مگر لہجے پر ٹھوس قطعیت بھرا انداز غالب رہا جو ادھ کھلے دروازے سے زرتاشہ کے کانوں کے پردے چیر گیا تھا۔ اسے اپنا وجود بے وقعت بے جان لگنے لگتا تھا۔

”شمعون اپنے منہ سے کہہ رہا ہے یہ سب اس کی مرضی سے ہوا ہے۔“ اسے یقین آنا مشکل تھا پھر وہ سب کیا تھا بات بات پر خیال حیران ہر عید تقریر عید سال گرہ کوئی موقع ایسا نہیں



اس کی کئی دن کی بے جا ضد پر ردِ حیلہ زچ ہو گئی تھیں مگر وہ کسی طور ماننے پر راضی نہ تھی۔  
”بس مجھے جانا ہے تو جانا ہے۔“

”آخر مسئلہ کیا ہے زری تمہارے ساتھ یوں بیٹھے بٹھائے  
راولپنڈی جانے کی کیا سوچھی۔“

”مجھے نانو یا آنا رہی ہیں پلیز ماما..... پلیز آپ ابو سے بات کریں اور مجھے بھیجوا میں۔“

”تمہارے ابو نہیں مانیں گے اور پھوپھو شمعون کیا سوچے گا  
گھر میں شادی کی تیاری ہو رہی ہے اور یہ محترمہ چلیں نہ خیال۔“  
”اگر ابو اجازت نہیں دیتے یا آپ نہیں جانے دیں گی تو  
میں چھپ کر چلی جاؤں گی۔“ کہتے کہتے اس کا لہجہ اس قدر  
رندہ گیارو حیلہ گھبرا گئیں اس کا چہرہ اپنی جانب پھیرا۔

”ادھر دیکھو میری طرف۔“ اس نے آنکھیں بھیجنے لیں  
 پلکوں کے کناروں پر موتی سے ابھر آئے۔ وہ ماں تھیں کیسے نہ  
 سمجھتیں اور جس دن انہوں نے حصہ کے فیصلے کا بتایا کہ  
 شمعون کا رشتہ طے ہے وہ فوراً بولی تھی۔

”ایسا کیسے ہو سکتا ہے تمہوں مرحہ کو پسند کرے“ بھوپو کو غلط  
 فہمی ہوئی ہے۔“ لیکن اب ان کی اپنی خام خیالی پوری طرح  
 ثابت ہو گئی تھی۔

”تو یہ فرار کے لیے راولپنڈی جا رہی ہے۔“ انہوں نے سوچتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

”دیکھو زری..... میری جان ایسا تھوڑا ہوتا ہے جو ہم چاہ رہے ہیں سب بھی وہی چاہ رہے ہوں۔ سب کی اپنی پسند اپنی مرضی ہوتی ہے ہم کسی کی مرضی خواہش پسند کو اپنی مرضی میں قید نہیں کر سکتے میری بچی..... البتہ اپنی خواہش کو اپنے تابع کر سکتے ہیں۔ اللہ نے انسان کے دل و دماغ کو اتنی طاقت ضرور دی ہے کہ وہ نا چاہتے ہوئے بھی خود کو بمشکل سہی مگر قابو رکھ سکتا ہے۔“

”ہاں مانتی ہوں۔“ وہ نمکین پانی اپنے اندر اٹھیلے ہوئے بولی۔

”مگر امی شمعون کی کوئی مرضی، کوئی خواہش اپنی نہیں ہے وہ بے دام بکا غلام ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں کیسے سب کے سامنے کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا یہاں تک کہ تعلیم تک میں کیسے دوسروں کی مرضی خود پر چلنے دیتا ہے اور اب تو دل پر بھی قفل



نے ایئر پورٹ پر بھی شمعوں سے مرحہ کے رشتے کا دھیان رکھنے کو کہا تھا مگر کہنے نے نظر ہی رکھ لی۔ اس کا جی چاہا اس کا سر پھاڑ دے وہ اسی ارادے سے اس کی شاپ پر آیا مگر اس کے چہرے پر چھائی حد درجہ یاسیت پر وہ کڑھ کر رہ گیا۔ گھر آ کر بھی اسے یقین تھا وہ خود ترسی کا مارا بھی نہیں پھوٹے گا۔



ارحم کا سارا غصہ گھر کی چیزوں اور ارد گرد لوگوں پر اتر رہا تھا اور سلمان رومیلہ حیران تھے یہ چند مہینے باہر کیا رہ آیا دماغ ساتویں آسمان پر پہنچ گیا۔ وہ انویٹیشن کارڈز کولسٹ سے پیچ کرتے ہوئے اندازے لگا رہی تھیں کس کس کو بھیج دیئے اور کون رہ گیا۔ خود کلامی کے دوران اچانک نظر شمعوں پر گئی وہ گہرے سانس لیتے ہوئے اپنا بایاں ہاتھ بار بار پمپ کرنے کے انداز میں کھول بند کر رہا تھا۔

”کیا بات ہے شمعوں..... تم ٹھیک ہو؟“ اس نے اثبات میں سر ہلاتے لمبی سانس لی اور سر بیک سے ٹیک لیا اس کی ٹھنڈی پیشانی پر قطرے چمک رہے تھے حصہ نے اس کے ماتھے گال کو چھوا۔

”اتنی ٹھنڈ میں تمہیں پسینے..... ہوا کیا ہے تمہیں؟“  
”پتا نہیں حالہ کیا ہو رہا ہے پلیز مجھے تھوڑا سا پانی پلا دیں۔“  
”حصہ کی تو ٹانگوں سے جان نکل گئی، انہیں یاد آنے لگا کل مارکیٹ میں شاننگ کے دوران بھی اسے ہلکا سا چکرا گیا تھا۔ ہاتھ ٹھنڈے تب بھی پانی پی کر ایسے ہی کہہ رہا تھا۔“

”کچھ نہیں فٹ ہوں آپ پریشان نہ ہوں۔“ بھلا وہ کیسے پریشان نہ ہوتیں بھاگتی فریج تک گئیں اپیل جوس نکال لے آئیں اور اسے پینے کو دیا اور ساتھ ہی ارحم کو فون کر کے بلایا کہ کسی ڈاکٹر کو لائے یا اسے لے کر جائے آخر بات کیا ہے۔  
”پھوپھو اس کا علاج کسی ڈاکٹر حکیم کے پاس نہیں ہے۔“  
”حصہ کا کلیجہ منہ کو آ گیا شمعوں نے اسے چپ کروانے کے لیے گھورا مگر وہ بولتا رہا۔“

”اس دن جب یہ شاپ سے جلدی گھر آیا تھا تب بھی اس کی یہی کنڈیشن تھی۔ واپسی پر میں اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا تھا تمام ٹیسٹ ہوئے بظاہر کوئی مسئلہ نہیں ہے صرف بی پی لو ہو رہا ہے جناب کا ڈاکٹر نے صاف کہہ دیا۔“ اس نے کہتے ہوئے ایک نگاہ تذبذب کا شکار شمعوں کو دیکھا۔

”مے کوئی ٹینشن ہے جو اسے ڈپریشن کر کے بی پی لو

کر رہی ہے۔“  
”ٹینشن..... کیسی ٹینشن؟“ حصہ کے متفکر لہجے پر ارحم نے شانے اچکائے اور آرام سے کہہ دیا۔  
”یہ تو اپنے اس لاڈلے سے پوچھیں۔“ جاتے جاتے وہ اسے کینٹوز نظروں سے دیکھ کر گیا تھا۔ حصہ نے شمعوں کو دیکھا وہ سر پکڑے بیٹھا تھا۔ لمحے میں ہی حصہ کا ذہن جانے کہاں کہاں گھوم گیا۔

”بی پی لو ہاتھ پاؤں ٹھنڈے شادی کے نام پر خاموشی..... آف کہیں یہ شادی سے گھبرا تو نہیں رہا اس کے چہرے پر وہ خوشی نہیں ہے جو اکثر شادی کے تذکرے سے لڑکوں کے چہرے پر بکھر جاتی ہے۔ یہ بچپن میں تنہائی سے بہت ڈرتا تھا ہر وقت میرے ساتھ ساتھ اور مردوں میں تو بیٹھنا بھی پسند ہی نہیں تھا اب بھی ارحم کی نسبت یہ جلد مان جاتا ہے۔ فیصلے کی قوت بھی نہیں کہیں کوئی اور پرابلم اومائی گاڈ..... دیکھنے میں تو بالکل فٹ لگتا ہے تندرست توانا۔“ پریشانی سے سانس تیز چلنے لگی منہ ایسے کھلا کہ بند کرتا ہی بھول گئیں ڈولتے دل کے ساتھ بمشکل اس کے قریب آ بیٹھیں۔

”شہی..... شمعوں میری جان کیا بات ہے مجھے نہیں بتاؤ گے؟“ انہیں اپنی آواز خود کا مٹی محسوس ہوئی تھی۔  
”کچھ نہیں حالہ..... ایسے ہی بکو اس کر کے گیا ہے فضول انسان۔“ وہ گردن جھٹک کر اٹھا اور اپنے کمرے میں چلا آیا حصہ سانس لینا بھول گئیں۔



ہر وقت کی ایک پریشانی لگ گئی تھی ایک دن کے چوبیس گھنٹے انہیں پہلی بار چوبیس برس کی طرح لگے تھے۔ سمجھ نہیں آتا تھا کیا کریں کس سے کہیں شادی قریب ہے کارڈز بٹ چکے۔ بار بار نگاہ اس پر جارکتی ہر حرکت پر غور ان کا دل بیٹھ جاتا اور وہ خواہواہ کی ٹنگ ٹکی سے کفیوڑ ہو رہا تھا۔ اس کی گھبراہٹ ان کے وہم کو یقین میں بدلنے لگی ہر خوشی سے دل آپوں آپ اچاٹ ہو گیا شادی کی تیاریاں بد مزہ لگنے لگیں۔

”ہر وقت یہی ہول اٹھتے اب کیا ہوگا عبدالرحمان بھائی اور بیٹھنا بھائی تو یہی خیال کریں گے اسے پہلے سے پتا تھا بھی اپنی جی کا خیال نہیں آیا حالانکہ جی کا خیال تو اس لیے نہیں آیا کہ اس کے انخیال میں بہت رشتے تھے پھر آپنی شانہ نے بھی تو کہا تھا۔ آف میری صفائی کون دے گا؟“ اس ٹینشن میں بھائی







چاہتے ہوئے بھی تم کو دل سے نہیں نکال سکا۔ یہ سوچتا رہا کچھ بن جاؤں پھر خالہ سے بات کروں گا مگر ان کی تو کچھ اور ہی خواہش تھی 'مما' بابا کی مرضی..... میں ہزار بار چاہتے ہوئے بھی ان کی خواہش کو رد نہیں کر سکتا۔ مجھے ہر اس بات کے لیے محاف کردو جو میں نے تم سے کی اور تمہارے دل میں کوئی خوش گمانی

ڈالی.....“  
”تم رو رہے ہو؟“ اس کی زندگی آواز پر رستا شہ بے قرار  
ہوئی۔

”اپنی قسمت پر رورہا ہوں‘ جو زبان و دل پہ قفل ڈال  
رہی ہے۔“

”ستیاناں تیرا ذلیل میرا سارا خون چوس کر تجھے رونا آ رہا ہے‘ تجھے تو عادت ہے چھپ کر رونے کی اچھی طرح تیری عادت پوری کرتی ہوں۔“ وہ دونوں محو گفتگو تھے اور شمعوں کی پشت پر گھڑیں حصہ اس کے منہ سے اقرار دل سنتے ہوئے جہاں رونے والی تھیں آخری جملے پر کلس گئیں اور ایک تہیہ کیا۔

شادی میں چند دن رہ گئے تھے گھر میں ہر طرح کا ہنگامہ ہو رہا تھا مگر اس کی کسی چیز میں کوئی دلچسپی نہیں تھی نہ ہی کسی نے اہمیت دی۔ البتہ ایک فرق تھا ارحم نے حالات سے سمجھوتہ کرتے ہوئے اس کے بھائی ہونے کا فرض ادا کیا اور تمام ذمہ داری سنبھال لی۔ روز امی پھوپو کو بازار لے جاتا ڈھیروں شاپنگ کرواتا اور اسے تصویریں بنانا کر سینڈ کروتا وہ اندر تک کلکس جاتا۔

”تیرے بڑے دانت نکل رہے ہیں گھنے پہلے تو مرنے والا ہو رہا تھا اتنی جلدی عاشقی کا بھوت اتر گیا۔“ اس کی دانت چڑھاتی اسماعیلی کے بدلے شمعون نے گالیوں بھرا والٹس اپ اسے کیا تھا جواباً اس نے بھنگڑا بھیج دیا اس نے غصے میں فون پٹھا۔

تمام مہمان آچکے تھے بارات روانہ ہونے کے لیے تیار تھی۔  
حصہ اور وجیلہ ہر طرح کی رسموں میں پیش پیش تھیں اور وہ اس  
جیسی شیردانی چڑھائے جب برابر آکھڑا ہوا شمعون کا جی چاہا  
دنہا کے اس آخری دو غلے شخص کو آگ لگا دے۔

”میرے یار کی شادی ہے۔“ جب دینی سے آیا تھا اس وقت کیا دورہ پڑا ہوا تھا۔ اسے وہ ایک آنکھیں بھار ہوا تھا۔



راضی ہوں، ہم کھلے دل سے مقدر کو تسلیم کرنے والے ہیں۔“

”لعلت ہے تجھ پر اور تیری عاشقی پر۔“ اس کا اپنا تن من ایسا سلگا تھا جی چاہا سب کو دھکا دے۔ اوپر سے اس کی شوخیاں جو ختم ہونے کا نام نہ لیتی تھیں۔ ماموں بہت مصروف تھے بارات کی کاروں میں سب سے آگے کارر کی اور کچھ ہی دیر میں ان کی کار ہوا میں فرائے بھرتی نظروں سے اوجھل ہو گئی، ممانی ان کے ساتھ تھیں۔ موٹر وے پر لاہور سے اسلام آباد تین گھنٹے کا سفر تھا سوچوں میں الجھے شمعون کو تین صدی کا لگ رہا تھا۔ کم از کم آج وہ زرتاشہ کے بارے میں قطعاً سوچنا نہیں چاہتا تھا یہ مرحہ کے ساتھ خیانت تھی مگر دل بغاوت پر اتر آیا بار بار بھٹکا تارہا۔

بارات کی گاڑیاں اسلام آباد کے بہترین میرج ہال کے سامنے آرکی تھیں برقی قہقہوں سے چمکتی عمارت اسے آتش فشاں کی طرح پھٹتی لگ رہی تھی اور ممانی ماموں نے اتنی تیزی دکھائی کہ اپنی گاڑی سے اتر کر سپشن پر ہار لیے کھڑے ہو گئے اور تایا ابو اور تائی اماں بھی ان کے ساتھ ڈھیل چیئر پر زبون۔

بارات کا خوب استقبال ہو رہا تھا، کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کون مہمان کون میزبان سب ایک دوجے کو ملتے مبارک سلامتی دے رہے تھے۔ ارحم مٹھائی کے تھالوں سے اٹھا اٹھا کر گلاب جاسن کھائے جارہا تھا۔ اس کے اتنا میٹھا کھانے پر پہلے تو شمعون کو شک گزرا کہ ٹینشن سے اس کا شوگر لیول گر رہا ہوگا پھر جب بے لگا ہنس تو خیال آیا شاید غم اس کے دماغ کو چڑھ گیا لیکن جب اسے نارمل انداز میں تایا ابو سے کچھ باتیں کرتے اور پھر مٹھائی اٹھا کر اپنے منہ میں ڈالتے دیکھا تو بہت غصا یا کمینہ ڈراے لگا رہا تھا وہ اس کے برابر صوفے پر بیٹھا تھا تب شمعون نے آہستگی سے کہا۔

”بس کر جا گلاب جاسن کھا کھا کر تیرا پیٹ پھٹ جائے گا۔“

”تو تیرا کیوں دل پھٹ رہا ہے تو بھی کھائے بڑے میٹھے ہیں۔“ اس نے ایک گلاب جاسن اٹھایا مگر اس کے برا سامنے بنانے پر واپس رکھ دیا دل میں ایک ٹیس کی طرح زرتاشہ لہرائی تھی کیونکہ سامنے سے تایا جان اور ماموں جان کے جلو میں قاضی صاحب رجسٹر اٹھائے ان کی جانب بڑھ رہے تھے۔ اسے اس نکاح میں بالکل دلچسپی نہیں تھی دھیان بٹک رہا تھا جب وہ ارحم کے ٹیبل کے سے چونکا اور آنکھیں قاضی صاحب کے الفاظ نے پھراں میں۔

”شمعون الیاس احمآپ کو بعض حق مہر سکھانے کی اہلیت ایک لاکھ زرتاشہ سلمان علی اپنے نکاح میں قبول ہے۔“ قاضی صاحب جملے کی تکرار کر رہے تھے اور وہ پچھلی آنکھوں سے سب کے چہرے دیکھ رہا تھا اب کے ارحم نے بہت ذور سے اس کے پیٹ میں ہنسی ماری تھی۔

”اب پھوٹ بھی دے یا خالہ سے پوچھنا ہے لنگور۔“ اس نے ہنسنے میں اچکا کر ارحم کو دیکھا وہ پوری آنکھیں پھاڑے کھد رہا تھا۔ ”بول۔۔۔۔۔“

”جی قبول ہے۔“ زندگی میں شاید وہ کبھی اتنا خوش ہوا ہو جتنا کہ اب تھا مگر مفلوج ہوتے ذہن نے اسے ساکت کر رکھا تھا اور کانوں میں ارحم کی آواز آتی تھی۔

”قاضی صاحب اسے جلدی فارغ کریں میرا پرہوائیں۔“ اب دوسری بار چونکا تھا ساتھ ہی نگاہ خالہ حصہ پر جاٹھری جو استہزاء سے مسکراہٹ دکنے میں مکمل ناکام ٹھہری تھیں کیونکہ انہوں نے یہ سب اس سے چھپی چھپے کیا کہ جب اس نے اپنے دل کا معاملہ چھپانے رکھ تو ہم بھی چھپائیں گے۔ سلمان علی اور وہ دونوں خاموشی سے اسلام آباد گئے اور عبدالرحمان کو ہریات کھول کر بتادی تھی ساتھ اپنے بیٹے ارحم کی خواہش بھی انہیں اعتراض ہوتا اگر عین شادی پر رشتہ ٹوٹ رہا ہوتا۔ شمعون نہ سہی ارحم سہی کم از کم ان کی بیٹی من چاہی بیوی بن کر رائج تو کرے گی۔ زرتاشہ پہلے ہی راولپنڈی تھی اپنی تائی کے گھر تھی مل کر ہوٹل بک کر دیا اور بہترین طریقے سے سکدوش ہوئے تھے۔ ارحم کے اقرار کے بعد جہاں سب کے چہرے کھلے تھے وہاں قریب ہی ڈھیل چیئر پر بیٹھے زبون کو بھی سمجھا آ رہی تھی سب کو دیکھ دیکھ کر مسکراتے ہوئے اپنے بھائی شمعون کے لیے بازو دکھولے۔

”اب یہ بھی کھلا دے بھائی کو۔“ ارحم نے گلاب جاسن کی پلیٹ اٹھا کر آگے کی ایک گلاب جاسن زامون کے منہ میں اور دوسری اپنے منہ میں اور پھر وہ منہ بند کرنا بھول گیا تھا کیونکہ سامنے سہیلیوں، کزنوں کے جلو میں دو لائیں آ رہی تھیں لیکن اس کی نگاہ سرخ سنہرے آنچل میں تھی زرتاشہ کے چہرے پر ٹک گئی جہاں شراہٹ میں مکمل دل ویز مسکراہٹ بکھری تھی۔







# URDU SOFT BOOKS

DOWNLOAD URDU SOFT BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

WWW.URDU SOFT BOOKS.COM

URDU SOFT BOOKS.COM

URDU SOFT BOOKS.COM

سید غزل بیگی



# URDU SOFT BOOKS

WWW.URDU SOFT BOOKS.COM







چاہا کہ وقت دو سال پیچھے چلا جائے جہاں زندگی بے سکون تھی ذہن و دل کے درپچوں پر بس ایک ہی ہستی کا گزر تھا۔ حریم حیات کا ”حریم“ اس کے لبوں سے یہ نام جتنی خاموشی سے ادا ہوا تھا ہوانے بھی اتنی ہی آہستگی سے اسے تحلیل کر دیا تھا۔ اس کمرے کی خاموشی نے اس نام کو آج اپنے لیے بہت پرہیز محسوس کیا تھا۔

اکیلے پن سے ڈرتا تھا  
جدا ہونے سے ڈرتا تھا  
میری آنکھیں بتاتی ہیں  
کہ میں ہونے سے ڈرتا تھا  
میری انگلی پکڑ لیں  
مجھے تنہا نہیں کرنا  
یہ دنیا ایک میلہ تھا  
تمہیں گھونے سے ڈرتا تھا

”اور میں نے بے وقوفوں کی طرح اپنے ہاتھوں تمہیں گنوا دیا۔ میں اتنا عقل کا اندھا ہو گیا تھا کہ اس کی ہر اچھائی کو پس پشت ڈال کر اس کی انا اور وقار کو سوالوں کی زد پر لے آیا۔ اس کی زندگی کا وہ کون سا لمحہ تھا جو میرے سامنے نہ تھا پھر بھی میں نے اس پر شک کیا۔ آخر مجھے کیا ہو گیا تھا۔“ اس نے سسکتی سوچوں سمیت اپنے سر کو ہاتھوں میں تھاما۔ بہت سی غلطیاں آج سراپا سوال بنی ہوئی تھیں۔

”امیرا.....“ ارحام نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے پکارا۔ وہ چونک کر پلٹا ارحام کب آیا اسے احساس ہی نہ ہوا تھا۔

”یہ حلیہ کیا بنایا ہوا ہے تم نے؟“ وہ حیرت سے اس کی ضرورت سے زیادہ بڑھی ہوئی شیو اور ہلکی سرخی لیے آنکھیں دیکھ کر پریشان سا ہو گیا تھا۔

”مجھے چھوڑو تم آج بہت ہینڈسم لگ رہے ہو۔“ اس نے مسکراتے ہوئے اس کے ڈریس پر چوٹ کی۔ وہ وائٹ شلوار پر لائٹ گرین کرتا پہنے ہوئے تھا جس کے گلے پر بلیورنگ کی مشین کی کڑھالی تھی ساتھ ہی اس نے پاؤں میں ڈارک براؤن پشاور سیلپرز پہنی ہوئی تھیں۔

”تم بتاؤ مجھے..... کیا بات ہے تمہیں کیا لگتا ہے کہ تم بات کو گھماؤ گے اور میں پوائنٹ سے ہٹ جاؤں گا۔“ وہ اس کی بات کو خاطر میں لائے بغیر بولا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ

بولتا تھا بیگم اپنی ساری کا پلو سنبھالتی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں۔

”دیکھ لیا ارحام تم نے اس لڑکے کو ابھی تک تیار نہیں ہوا ہے نیچے مہمان آنا شروع ہو چکے ہیں اور یہ.....“ انہوں نے غصے میں بات بھی اٹھوری چھوڑ دی۔

”آپ کو اب میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں اگر پہلے نہیں کر سکیں آپ کو اپنی بیٹی کی خوشیوں میں شامل ہونا چاہیے جس کی خوشیوں کی خاطر آپ نے اپنے بیٹے کو قربانی کا بکرا بنایا ہے۔“ اس کے لہجے کی نفی نے ارحام کو اپنی جگہ ساکت سا کر دیا تھا۔ جبکہ ثریا بیگم نے قدرے سنا گواری سے اسے دیکھا۔

”زیادہ ڈرامہ کرنے کی ضرورت نہیں..... مجھے پتا ہے کس نے تمہارے کان بھرے ہیں اس نامراد و ناخلف سے جب سے مل کر آئے ہو تب سے تمہارے مزاج ہی نہیں مل رہے۔ ورنہ پہلے تو تم بھی راضی تھے۔“ انہوں نے جلتے کٹے سے انداز میں کہا۔

”حریم کو بیچ میں مت لائیں می۔“ امیرا کے لبوں سے نکلنے والا نام ارحام کو چونکا گیا۔

”وہ منحوس لڑکی ہی تو بیچ میں جیسی لیے اتنے شکن والے دن ایسی بدگنتی پھیلی ہوئی ہے ہمارے گھر میں۔“ وہ بھی کہاں باز آنے والی تھیں۔ اس سے پہلے کہ بات مزید بڑھتی ارحام آگے آیا۔

”آئی آپ چلیں میں خود اسے تیار کروا کر لاتا ہوں۔“ ارحام ثریا بیگم کے سامنے کھڑا ہوتے بولا۔

”میں یہ شادی نہیں کروا کر ارحام میں کہیں نہیں جاؤں گا۔“ امیرا کے لہجے میں ضد تھی۔

”دیکھ لیا تم نے ارحام کیسے یہ اس کلمہ ہی کی وجہ سے ماں کے منہ کھڑ رہا ہے۔“ ثریا بیگم سوسوں رونے لگی تھیں مگر ارحام نے انہیں تسلی دی تو وہ آنسو پونچھتی کمرے سے چلی گئیں۔ ان کے جانے کے بعد ارحام نے پلٹ کے اسے دیکھا وہ دونوں ہاتھوں کا مکا بنائے پوری قوت سے بیڈ میں مار رہا تھا۔

”یہ سب کیا ہے امیرا؟ مجھے تو کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا۔ کیا یہ شادی تمہاری مرضی سے نہیں ہو رہی؟“ وہ حیران پریشان سا اس کے سامنے کھڑا تھا۔ امیرا نے کچھ لمحے خاموشی سے اسے دیکھا پھر اس کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے برابر بٹھالیا۔

”یہ کچھ بھی میری مرضی کا نہیں ہے ارحام سب ماما اور ذی



آپا کی خواہش سب سے بڑی تھی۔ جس لڑکے سے اسٹارٹنگ ہو گئی تھی اس کی پہلی رشتہ لانی ساتھ ہی انہوں نے یہ شرط بھی رکھ دی کہ وہ یہ شادی دس سال کے بعد کریں گے۔ یعنی ان کی بیٹی ہمارے گھر اور ہماری ان کے گھر۔ اس لڑکے کی پہلی فاضلی ہم سے زیادہ اسٹارٹنگ ہے اور اس کی کاہل پوائنٹ تھا۔ مگر میری عدم موجودگی میں یہ دونوں رشتے طے کر دیئے جبکہ وہ جانتی تھیں میں ہمیشہ سے حریم میں اسٹارٹنگ ہوں جس سے خود انہوں نے میرا رشتہ بچپن میں ہی طے کر دیا تھا مگر نہ جانے کیوں خالو کی وفات کے بعد انہیں حریم میں صرف برائیاں ہی برائیاں نظر آنے لگیں یہاں تک کہ ان کی نظر میں اس کا کردار بھی مشکوک ہو گیا۔ دن رات اٹھتے بیٹھتے ان کے لبوں پر صرف حریم کی برائی رہنے لگی اور میرے دل پر آہستہ آہستہ جیسے کسی نے ایک ان دیکھا غلاف چڑھا دیا۔ میں تو اس کی رگ رگ سے واقف تھا۔ اس کے ہر ایک انداز سے۔ مجھ سے زیادہ اس کے مزاج کے موسموں کو کس نے پڑھا تھا پھر میں مگر اس کی نظر سے اسے دیکھنے لگا۔ اس کا ہر انداز مجھے شک میں مبتلا کرنے لگا۔ اس کا انداز تو ہمیشہ ہی جھٹکا تھا۔ وہ مجھ سے بات کرتی تھی مگر اس کی گفتگو دیگر لڑکیوں کی طرح سچی سی نہیں ہوتی تھی جیسے کما کثر لڑکیاں اپنے منگیتر سے کرتی ہیں۔ وہ حریم بھی پاکیزہ بہت شفاف۔ دو چہرے کے لیے جیسے وہاں موجود نہیں رہا تھا اس کے ساتھ بیٹھے شخص کو شک نہیں یقین ہو چلا تھا کہ وہ کس کی بات کر رہا تھا حریم حیات کی۔

”مجھے لگنے لگا کہ شاید اسے مجھ میں دلچسپی ہی نہیں رہی اور پھر میں نے وہاں آنا جانا کم کر دیا یا سمجھو بالکل ختم کر دیا پھر مجھے جو غلطی زہرہ خالہ کے گھر کی وہ امی سے ہی ملتی۔ اس دوران میں نے مجھے بتایا کہ حریم کے دو تین رشتے آئے ہوئے ہیں اس کے کلاس فیلوز کے گھر سے جن میں سے ایک پر حریم بھی اصرار کر رہی ہے۔ میں اس بات پر یقین نہیں کر پایا تھا مگر مجھے کتنا پڑا جب میں نے حریم کو ایک لڑکے کے ساتھ کافی شاپ میں جتے مسکراتے باتیں کرتے دیکھا مجھے می کی ہر بات سچی لگی اور اپنے بے قوف بنائے جانے کے احساس نے گویا میری رگ رگ کو سلکا دیا تھا۔ میں سب کچھ چھوڑ کر کچھ عرصے کے لیے بینکاک چلا گیا۔ واپس آیا تو می سب طے کیے بیٹھی تھیں۔ میں نے اعتراض نہیں کیا۔ اعتراض کی وجہ بھی نہیں تھی۔ مگر دل اپنی تسلی چاہتا تھا اور اسی لیے میں اس سے

ملنے چلا گیا۔ می ٹھیک کہتی ہیں اگر میں وہاں نہ گیا ہوتا تو شاید میں خوش ہوتا۔ میں وہاں گیا تھا اپنی انا کا پرچم اونچا کرنے لیکن اپنا سب کچھ گنوا آیا۔ اس کی آنکھوں نے اس روز اپنے دل پر جھلکی گئی ہر تکلیف کو کھدایا۔ وہ آنکھیں جو ہمیشہ میرے دل کی مانند چمکا کرتی تھیں اپنے خوابوں کے کرچی ہونے پر نوحہ کناں تھیں۔ میں اپنا سب کچھ وہاں چھوڑ آیا ہوں۔ اب میرے پاس کسی کو بھی کچھ دینے کے لیے نہیں بچا۔ میں انداز سے بالکل خالی ہوں۔ بالکل خالی۔“ اس کا ہر لفظ ایک سسکی تھا۔ ارحام کے پاس تو گویا لفظ ہی نہ رہے تھے سسکی کے۔ وہ اس لمحے احساس زیاں کی عملی تفسیر بنا ہوا تھا۔

”امیر.....“ ارحام نے اس کا نام پکارتے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”میں شاید تمہاری حالت کو بہت اچھی طرح سمجھ نہیں سکتا لیکن اس وقت تم جس پوائنٹ آف نورٹن پر کھڑے ہو وہاں تمہارے اور زہرا آپا کے لیے یہی بہتر ہے کہ تم جو ہر ہا ہے اسے ہونے دو۔“ ارحام اس کا قلم دوست تھا۔ وہ جانتا تھا ارحام اسے ایسا ہی کوئی مشورہ دے گا۔ جس میں اس کے ساتھ اس کی پوری فیملی کی بھلائی بھی شامل ہو۔

”ہاں ارحام مجھے علم ہے مجھے یہی کرنا ہے مگر اس دل کا کیا کروں جو کسی طرح راضی نہیں ہو رہا..... میں خود کو اس معاملے میں بہت بے بس محسوس کر رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ میرا ایک بھی جذباتی قدم زہرا آپا کو شعلوں میں دھکیل دے گا لیکن.....“ اس کی بات ابوریہ گئی تھی کیونکہ نیچے سے ایک عجیب سے شہکی آواز آتی تھی۔ آوازیں بہت واضح تھیں زہرا بیگم بہت بلند آواز میں زہرہ بیگم کی تربیت کا تماشا لگا رہی تھیں۔ وہ دونوں تیزی سے دروازے کی طرف بڑھے۔

”بہن ہو میری مگر تمہیں ذرا اللہ کا خوف نہ آیا میرے بیٹے کو بہکانے میں۔“ اس وقت خاندان کے کچھ لوگوں اور گھر کے خزانہ کے علاوہ باقی لوگ گارڈن میں تھے۔ اس لیے زہرا بیگم نے تماشا لگانے میں ذرا دیر نہ لگائی۔ جیسے ہی زہرہ بیگم اور امین اندر داخل ہوئیں انہوں نے بغیر سلام دعا کے انہیں بے نقط سناٹا شروع کر دیں۔ ان کے بہن بھائیوں سمیت ان کے شوہر میں بھی اتنی ہمت نہ تھی کہ انہیں روک سکتے۔

”آپا آپ کو غلط نہیں ہوئی ہے ہم نے تو.....“ زہرہ بیگم کے اتنی عزت افزائی پر چہرہ طبع روشن ہو گئے تھے۔



”اے بی بی بس رہنے دو۔ میں خوب واقف ہوں تم ماں بیٹیوں کی چلتر بازیوں سے۔“ انہوں نے زہرہ کو بیچ میں ہی نوک دیا۔ ارحام تو ان کی زبان کے جوہر دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

”مئی بس کریں۔ کیا تماشا لگایا ہوا ہے یہ۔“ ابرار ان کے قریب آ کر بی بی آواز میں بولا۔

”تم تو چپ ہی رہو ابرا تو بہتر ہے۔ ان ماں بیٹی نے تم پر جادو چلایا ہے۔ اس نے تو تمہیں عقل کا اندھا کر دیا ہے۔ مگر میں تمہاری طرح اندھی نہیں ہو سکتی۔ اس نے تو اپنی بیٹی کو تمہارے آگے پیش کر کے تمہارے حواس گم کر دیئے مگر.....“

”بس خالہ بس..... اب آپ نے میری بہن کے لیے ایک لفظ بھی کہا تو اچھا نہیں ہوگا۔“ راجین نے انگلی اٹھا کر انہیں وارننگ دی۔

”وہ تم مجھے دھمکی دے رہی ہو۔“ انہوں نے کھا جانے والی نظروں سے راجین کو دیکھا۔

”نہیں حقیقت بتا رہی ہوں کیونکہ آپ کے بیٹے کی طرح ہر کوئی بزدل نہیں ہوتا۔ بہت اچھا ہوا کہ حریم سے ان کا ہر تعلق ختم ہو گیا بننے سے پہلے ہی۔ اسے بزدل لوگوں سے شدید نفرت ہے۔ اس کا ایک ایک لفظ غم اور غصے میں ڈوبا ہوا تھا اس نے یہ کہہ کر گویا ابرا کے دل سے کسی بھی قسم کی خوش فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی تھی جس کی وجہ سے وہ آج یوں بھری محفل میں رسوا ہوئی تھیں۔“

”دیکھ لیا تم نے ان ماں بیٹی کو کیسے تمہاری فرماں برداری پر جوتا مار رہی ہیں بزدلی کا اور ایک تم ہو کہ ان کے لیے مرے جا رہے ہو۔ ماں اور بہن تک کا لحاظ نہیں کر رہے۔ میں ہی بے وقوف تھی جو ان لوگوں سے بھولے بھٹکے ایک ذرا سی بات کر دی ہنسی مذاق میں کہ میں حریم کو بہو بناؤں گی یہ تو ہاتھ دھو کے پیچھے پڑ گئے اپنی بیٹی دینے کے لیے۔ ان کا تو بس ہی نہ چلتا تھا کہ بنا کسی شرعی رشتے کے اسے یہاں چھوڑ جائیں۔“ وہ ہاتھ ہوا میں نچانچا کر بول رہی تھیں۔

”بس کریں آپ بس کریں میری بیٹی میں ایسی کوئی کمی نہیں کہ میں اسے زبردستی کسی کے لیے باندھ دوں۔ اگر آپ کا بیٹا سو بار بھی میرے دروازے پر ناک رگڑتا تب بھی میں اپنی بیٹی کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں نہیں دیتی مگر آپ آئیں تمہیں میرے سر پر اپنے بیٹے کے لیے بھیک مانگنے محبت کی آپ نے میری بیٹی کو انتخاب نگاہ ٹھہرایا تھا میں نے آپ کے بیٹے کو نہیں چنا تھا اپنی

بیٹی کے لیے۔ حریم کے بابا کی وفات سے پہلے تک تو آپ اس رشتے کو باضابطہ طور پر سب کے سامنے لانا چاہتی تھیں مگر ان کی وفات نے آپ کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ یہ سودا کھانے کا رہے گا۔ اسی لیے آپ نے ابرا کے لیے ایسی لڑکی کی تلاش شروع کر دی جو اونچے گھرانے کی ہو ساتھ ہی میری بیٹی کی کردار کشی بھی شروع کر دی تاکہ آپ پر کوئی الزام نہ آئے اور یہ رشتہ بھی ٹوٹ جائے۔ حیران کن ہے مگر حقیقت بھی یہ ہے کہ آپ ہمیشہ سے ہر ایک کو اپنی خود غرضی کی بحیثیت چڑھائی آئی ہیں لیکن اس بار آپ کی خود غرضی کی بحیثیت کوئی اور نہیں بلکہ آپ کی اپنی اولاد چڑھ گئی ہے۔“ زہرہ بیگم نے آج پہلی بار اپنی بڑی بہن کے آگے زبان کھولی تھی مگر ایسی باتیں کہہ ڈالی تھیں جس نے ثریا بیگم کو جلتے تو بے پر ہٹا دیا تھا۔ یک دم وہ زخمی شیرنی کی طرح زہرہ بیگم پر جھپٹی تھیں۔ انہیں پہلی بار کسی نے آئینہ دکھایا تھا اور وہ بھی ان کی وہ بہن جو حیثیت میں ان سے کم تھی۔ ان کا زور دار پھٹرز ہرہ کو کئی قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔

”تم نے مجھے خود غرض کہا گھٹیا عورت۔“ انہوں نے ایک بار پھر ہاتھ بلند کیا مگر راجین نے وہ ہاتھ ہوا میں ہی تھامتے پوری طاقت سے جھٹکا تھا۔ وہ بھی کئی قدم پیچھے ہوئی تھیں۔ راجین نے جلدی سے زہرہ کو تھاما۔ ایسی ذلت پر تو گویا زہرہ زمین میں گر گئی تھیں۔ اس سے پہلے کہ ثریا دوبارہ ان پر جھپٹتی ابرا نے انہیں مضبوطی سے تھام لیا۔

”چھوڑو مجھے ابرا آج میں ان ماں بیٹی کا خون پی جاؤں گی۔“ وہ بری طرح پھری تھیں۔

”کیا پاگل پن ہے یہ مئی۔“ وہ انہیں مضبوطی سے تھامے بولا۔

”ان سے کہو کہ یہ یہاں سے دفع ہو جائیں ورنہ میں کچھ کر بیٹھوں گی۔“ وہ بری طرح چنگھاڑ رہی تھیں۔

”آپ کیا ہمیں یہاں سے جانے کے لیے کہیں گی ہم خود آپ کی تقریب میں شریک ہونا پسند نہیں کریں گے۔“ راجین نے بنا رعب میں آئے کہا اور ساتھ ہی زہرہ بیگم کو تھام کر دروازے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ زہرہ بیگم تو چلا بھی نہ جا رہا تھا راجین بس انہیں اپنے ساتھ تھینڈ رہی تھی۔

”ارحام.....“ اپنے نام کی پکار پر وہ سکتے سے باہر آیا۔ ابرا اسے آنکھوں سے کوئی اشارہ کر رہا تھا۔ وہ پہلے تو سمجھا نہیں پھر جیسے ہی سمجھ آئی فوراً دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ اپنی کار



اشارات کر کے صدر دروازے کی طرف آیا تو وہ دونوں اسے وہیں فٹ پاتھ پر کھڑی نظر آئیں۔ وہ ایک ہاتھ کے جھٹکے میں زہرہ کو لیے ہوئے تھی جبکہ دوسرا ہاتھ ہلا کر کسی ٹیکسی کو روکنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی۔

”میں آپ لوگوں کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔ میں براہِ رکاب دوست ہوں۔“ اس نے قریب پہنچ کر کہا۔

”بہت شکریہ ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت نہیں۔“ راسمن نے بہت رکھائی سے کہا۔

”یہاں سے آپ لوگوں کو ٹیکسی نہیں ملے گی۔ میں آپ لوگوں کو آپ کے گھر تک چھوڑ دوں گا۔ میرا یقین کیجیے۔“ اس کا لہجہ جی تھا۔

”آپ اندر ہی تھے شاید اور رشتوں کے پرچے بھی اڑتے دیکھے ہوں گے کیا آپ کو لگتا ہے کہ اب ہمیں کسی کا یقین و اعتبار کرنا چاہیے۔“ راسمن کا لہجہ طنزیہ تھا جس میں درد و غم کی آمیزش بھی تھی۔ وہ کچھ بول نہیں سکا۔

”مم..... مینو۔“ زہرہ کی آواز پر وہ ان کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔ وہ سینے پر ہاتھ رکھے اس کے بازوؤں سے پھسلتی جا رہی تھیں۔

”امی.....“ راسمن کی آواز چیخ کی صورت میں ڈھلی تھی۔ ارحام فوراً کار سے اتر اور انہیں اٹھا کر کار کی چھلی سیٹ پر لیٹا دیا۔ راسمن نے کار میں بیٹھتے ان کا سر اپنی گود میں رکھ لیا تھا اور جتنی قرآنی سورتیں اسے زبانی یاد تھیں وہ پڑھ کر ان پر پھونک رہی تھی۔ ارحام نے کافی عرصے کے بعد گاڑی کو اتنی اسپید پر چلایا تھا۔ ایک بار اس کی حد سے بڑھی ہوئی رفتار نے کسی کی جان لی تھی آج وہ کسی کی جان بچا کر اسے متوازن کر دینا چاہتا تھا۔ اس نے ہاسپٹل کے پارکنگ ایریا میں گاڑی روکی۔ اس کے کار روکتے ہی راسمن فوراً اتری تھی۔ ارحام نے جھک کر انہیں بازوؤں میں اٹھایا کیونکہ وہ بے ہوش تھیں۔ ارحام نے انہیں لا کر اسٹریچر پر رکھا اور ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر فوراً ان کی طرف بڑھا اور پھر ان کے دیکھتے ہی دیکھتے زہرہ بیگم کو آئی سی یو میں شفٹ کر دیا گیا۔ وہ ہونٹوں پر بچوں کی طرح ہاتھ رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔ ارحام کو اس سے ہمدردی محسوس ہوئی۔ اس نے راسمن کے سر پر ہاتھ رکھا۔

”پریشان مت ہو وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔“ اس نے پر یقین لہجے میں کہا مگر وہ تو حیرت سے اپنے سر پر دراز اس کا دست

شفقت دیکھ رہی تھی۔ ابو جی کی وفات کے بعد تو کسی نے بھی خاندان میں سے ان کے سر پر دست شفقت نہ پھیرا تھا اسی لیے وہ کچھ حیران سی رہ گئی تھی ایک اجنبی شخص کی طرف سے ایسا رویہ کچھ کر۔

”شکریہ“ وہ بس اتنا ہی کہہ سکی پھر دیوار کے ساتھ لگی چیز ز میں سے ایک پر بیٹھ کر اس نے موبائل پر حریم کا نمبر ڈائل کیا اور آنسو کے درمیان بہت مختصر اسب کچھتا کر اسے ہاسپٹل آنے کے لیے کہا۔ آنسو صاف کر کے اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ ایک ڈاکٹر کے ساتھ کھڑا بات کر رہا تھا۔ وہ اٹھ کر ان کے قریب چلی آئی۔

”ان کی حالت پہلے سے بہتر ہے۔ چوبیس گھنٹے اہم ہیں۔ انہیں انجانا کا چین ہوا تھا۔ باقی کی صورت حال تو چوبیس گھنٹے بعد ہی بیان کی جاسکے گی۔ ہم دعا کر رہے ہیں آپ دعا کیجیے۔“ ڈاکٹر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے تسلی دی تھی۔ وہ صرف سر ہلا کر رہ گیا۔ راسمن خود بھی سب سن ہی چکی تھی۔ اس لیے کسی سوال پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔

”میں آپ کی بہت شکر گزار ہوں آپ نے ہماری بہت مدد کی اور اپنے رویے کی معذرت چاہتی ہوں۔ میں نے آپ سے بہت بدوولی بات کی۔“ وہ نرم لہجے میں شرمندگی سے بولی۔

”اس کی کوئی ضرورت نہیں اور ویسے بھی یہ وقت دعا کرنے کا ہے آپ اپنی والدہ کے لیے دعا کریں۔“ اس نے نرم لہجے میں گویا اس کے کندھوں پر دھرا شرمندگی کا بوجھ ہلکا کیا۔ وہ سر ہلاتی دوبارہ ایک چیز پر سنبھل کر بیٹھ گئی اور دعا کرنے کے ساتھ حریم کی خاطر بھی تھی اور مختصر تو وہ بھی تھا اپنے یقین کو حقیقت میں ڈھلتا دیکھنے کے لیے جس کا اس نے ذکر سنا تھا کیا یہی لڑکی ہے جس سے وہ مل چکا تھا۔

”کاش یہ حریم حریم حیات نہ ہو۔“ اس کے دل نے بن سوچے دعا کی تھی۔ وہ دیوار سے ٹیک لگائے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے سر جھکائے کھڑا تھا۔ اس نے اپنے دل کی خواہش سے نظریں چراتے سر دیوار سے لگاتے آنکھیں موندی تھیں۔ تب ہی اس نے راہداری میں تیز قدموں کی آواز سنی۔ اس نے آنکھیں کھول کر سامنے دیکھا تو جانا آج اس کی دعا کو قبولیت کی سند عطا نہ ہوئی تھی۔ شاید پورے لاہور ہی میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں بس وہی ایک حریم تھی۔ وہ اسے نہیں دیکھ سکی تھی کیونکہ وہ اس کی نگاہوں کا مرکز نہیں تھا راسمن تھی۔ اس کے ساتھ دو







”آپ کا نام؟“ وہ مسکرایا۔

”مجھے ارحام کہتے ہیں کارڈ پر بھی درج ہے۔“ اس نے کہا تو رابین اپنی بے وقوفی پر شرمندگی سے مسکرا دی۔ اس نے پلٹ کر حریم کو دیکھا۔ وہ بے تاثر چہرہ لیے اسی سمت دیکھ رہی تھی۔ وہ آنکھوں پر گاگلز لگانا اس کی طرف بڑھا اور اس کے پاس سے گزرتے لمحہ بھر رک کر ”اللہ حافظ“ کہتا آگے بڑھ گیا۔ حریم نے پلٹ کر اسے دیکھا وہ راہداری پار کر کے دروازے سے باہر جا رہا تھا۔ اس نے ایک تھکا تھکا سا سانس ہوا کے سپرد کیا اور اپنے بہن بھائیوں کی طرف بڑھ آئی۔ اسے ابھی اپنی دوسری بڑی بہنوں کو اطلاع دینی تھی اس قیامت کی جوان پر بیت دہی تھی۔

❖.....❖.....❖

”تم ٹھیک کہتے تھے دانیال ہمیں اس کا باقاعدہ علاج کروانا چاہیے تھا۔ مگر میں کیا کروں میں بیٹی کا باپ تھا کیسے یہ سارے زمانے میں مشہور کر دیتا کہ..... کہ میری بیٹی پاگل ہو گئی ہے۔“ ان کے لہجے میں یمنی کی محبت کا درد بول رہا تھا۔ اس دن بڑنے والے دورے کے بعد اس کی طبیعت اب کہیں جا کر سنبھل گئی۔ وہ گارڈن میں اپنی بڑی بہنوں کے بچوں کے ساتھ کھیل رہی تھی اور زیری اور دانیال ٹیرس پر کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔ کہیں سے بھی محسوس نہ ہوتا تھا کہ ابھی کل تک وہ بیڈ پر تھی۔

”بابا اب تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ وقت گزر چکا ہے جس وقت بروقت علاج کی ضرورت تھی۔ اب تو بس یہ ہے کہ اسے مسلسل دواؤں کا استعمال کروایا جائے جو اس کے ذہن کو پرسکون رکھیں اور دوسری بات یہ بھی کہ اس کا دل اسٹرونگ کرنا ہوگا اسے خود..... ورنہ حالات آگے اور بھی پیچیدہ ہو سکتے ہیں۔“ دانیال کا انداز بے سوچ تھا۔

”پیچیدہ؟“ زیری نے گویا وضاحت چاہی۔

”ابھی میرے لیے بھی کچھ کہنا مشکل ہے کہ کیا ہوگا؟“ وہ الجھا ہوا سا تھا۔ وہ خود ایک نیورولوجسٹ تھا اور لاہور جنرل ہسپتال میں نیورولوجی ڈپارٹمنٹ میں فرائض انجام دیتا تھا۔ لیکن یمنی کے بارے میں آکر اس کی تمام معلومات تمام ریسرچ ختم ہو جاتی تھی۔ جہاں تک وہ خود اندازہ لگا پایا تھا تو یہی محسوس ہوتا تھا کہ وہ اپنے زخموں کو بھرتا نہیں چاہتی تھی بلکہ اس نے ہر گزرتے وقت کے ساتھ زخموں کو ناسور بنا لیا تھا جن سے رسنے والا درد انہیں ہر بل تڑپا کرتا اور شاید اس درد کو ہی وہ اپنے لیے راحت تصور کرتی تھی۔ سب اس حادثے کو آہستہ آہستہ

بھول چکے تھے۔ مگر وہ شاید اس حادثے کے علاوہ سب کچھ بھول چکی تھی۔ اس نے اچھے دنوں کی یادوں کے بجائے برے وقت کی یادوں کو اپنا کل اثاثہ بنایا تھا۔

”کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم..... ہم اسے کھودیں گے دانیال؟“ ان کے لہجے میں خوف تھا۔

”کچھ کہا نہیں جاسکتا بابا کیونکہ اس بار جو اسے پاگل پن کا دورہ پڑا تھا اس کے بعد اس کی ذہنی حالت اور بھی اتر ہو چکی ہے۔ وہ ارحام سے نفرت میں بہت آگے جا چکی ہے شاید ہماری سوچوں سے بھی زیادہ اور یہ سب کچھ اس کا خود ساختہ ہے اگر وہ چاہے تو خود اس سے باہر آ سکتی ہے لیکن کوئی اسے سمجھا بچھا کر اس خیالی دنیا سے باہر نہیں نکال سکتا۔“ وہ کچھ مایوس سا محسوس ہوا۔

”کیا وہ ڈبل پرسنالٹی کا شکار ہے؟“ وہ اب واقعی پریشان ہوئے۔ ان کی ایک چھوٹی سی غلطی ان کی بیٹی کو کہاں سے کہاں لے آتی تھی فنا کے راستے پر۔

”نہیں بابا وہ ڈبل پرسنالٹی کا شکار نہیں۔“ اس نے گہرا سانس لیا۔

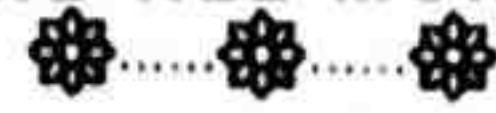
”وہ شیزوفرینیا اور ڈیلوژن کے درمیان میں کہیں گم ہو گئی ہے۔ وہ ایک ایسی اسٹیٹ میں ہے جہاں وہ بظاہر سب کو نارمل نظر آتی ہے مگر وہ بالکل بھی نارمل نہیں..... وہ اپنی دنیا میں بند رہ سولہ سالہ یمنی ہی ہے جہاں اس نے اولیس کو کھویا تھا۔ اس کی دنیا میں اولیس ہے جو اس کے ذہن پر ہر گزرتے دن کے ساتھ حاوی ہوتا جا رہا ہے اور اگر وہ اس کی شخصیت پر مکمل طور پر حاوی ہو گیا تو..... تو یمنی کے بارے میں کچھ بھی پریڈکٹ کرنا مشکل ہو جائے گا کہ وہ کب کیا کر بیٹھے۔“ وہ آج ان سے وہ باتیں ڈسکس کر رہا تھا جو پچھلے ماہ سے وہ اپنے پروفیسرز اور سائیکاٹرسٹ دوستوں سے ڈسکس کرتا رہا تھا۔

”یہ سب تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا تھا دانیال۔“ وہ تڑپ اٹھے۔

”ان نتائج پر پہنچنے میں مجھے خود دو سال کا عرصہ لگا ہے بابا۔ اس دو سال کے عرصے میں اس کی تمام پچھلی رپورٹس کو اسٹڈی کیا ہے اپنے دوستوں اور پروفیسرز سے ڈسکس کیا بلکہ اس کی ایک ایک حرکت پر بھی نظر رکھی..... آپ نے بھی اسے اکیلے بیٹھے دیکھا ہے؟“ وہ بہت عجیب سے انداز میں بولا۔ ”وہ اکیلی نہیں ہوتی کوئی ہوتا ہے جو اس سے باتیں کر رہا ہوتا ہے مایوس



کہہ لیں کہ جس سے وہ باتیں کر رہی ہوتی ہے ہا ہا اگر ہمیں اپنی  
یعنی واپس چاہیے تو ہمیں اسے زیادہ سے زیادہ مصروف کرنا ہوگا  
اسے اکیلے رہنے سے بچانا ہوگا۔ اس نے مضبوط لہجے میں کہا  
اور وہ محض سر ہلا کر رہ گئے۔



آنکھوں کے پردے کے پار بہت سے منظر گھوم رہے  
تھے۔ بہت سی آوازیں تھیں لیکن ان میں ایک آواز بہت واضح  
تھی۔ اس نے فوراً آنکھیں کھولیں۔ چاروں طرف ایک مہیب  
سناٹا طاری تھا۔ ٹائٹ بلب کی روشنی میں اس نے اندازہ لگایا کہ  
وہ اپنے بیڈروم میں تھا۔ اس نے سر ہانے رکھا اپنا موبائل سوئچ  
آن کیا جو وہ رات میں مسلسل ابرار کی آنے والی کالز کی وجہ سے  
بند کر کے سویا تھا اس کا سلگتا دماغ کچھ ٹھنڈا ہوا اسی لیے اس  
نے اب مسکراتے ہوئے ابرار کا نمبر ڈائل کیا جو پہلی رنگ پر  
اٹھالیا گیا اور اس کے ہیلو کہتے ہی ابرار نان اسٹاپ اسے سناٹا  
شروع ہو چکا تھا۔ ارحام نے مسکراتے ہوئے بڑے صبر سے  
پانچ منٹ تک اس کی لعن طعن سنی جب وہ تھک کر چپ ہوا تو وہ  
مسکرا کر پوچھنے لگا۔

”اور کچھ دیکھا ہے تو وہ بھی بول دے۔“ اس کے یوں کہنے  
پر وہ بری طرح تپا۔

”دل تو یہی چاہ رہا ہے کہ تمہیں اتنی سناؤں کہ بہرہ  
کروں۔ مگر خیر چھوڑ دو بتاؤ آج آرہے ہوا پاک شادی میں؟“  
وہ آس و امید کی مدھم روشنی کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔ وہ کوئی جواب  
نہیں دے سکا تو ابرار نے سلسلہ کلام جاری رکھا۔ ”میں جانتا  
ہوں می کی باتوں نے تمہاری نفس طبیعت پر برا اثر ڈالا ہے مگر  
میں کیا کروں ارحام وہ میری ماں ہیں میں ان سے بہت محبت  
کرتا ہوں۔“

”اور اس لڑکی سے؟“ وہ اس کی بات سچ میں کانٹے  
ہوئے بولا۔

”بہت..... بہت محبت کرتا ہوں میں اس سے..... بے  
اندازہ بے حساب۔“ وہ کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولا۔  
”اسی لیے اسے بھری محفل میں اتنا ذلیل کروایا۔“ وہ طنز کرنا  
نہیں چاہتا تھا مگر کر گیا۔

”ہاں شاید تمہارا طنز جائز ہے کل رات میں نے بھی تو مجھے یہی  
کہا تھا کہ میں بہت بزدل ہوں اور شاید وہ.....“ وہ یک دم  
بولتے بولتے خاموش ہو گیا اور پھر کچھ لمحوں بعد اسے دوسری

طرف حریم کی آواز سنائی دی۔

”آپ سمجھتے کیا ہیں اپنے آپ کو مسٹر ابرار رضوی آپ اور  
آپ کی ماں جب چاہیں کسی کو بھی اپنے سر کا تاج بنالیں اور  
جب چاہیں پاؤں کی جوتی۔“ حریم شدید غصے میں بول رہی تھی  
اور یقیناً ابرار اسے دیکھ کر سکتے میں آ گیا ہوگا۔ ارحام گویا در بین  
کی آنکھ سے اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ پہلے تو اس نے چاہا کہ فون  
بند کر دے کیونکہ یہ ایک غیر اخلاقی حرکت تھی مگر پھر اس نے ایسا  
نہیں کیا۔

”اگر میری امی کو کچھ ہوا تو میں آپ کے اس عالی شان محل کی  
اینٹ سے اینٹ بجا دوں گی مسٹر ابرار رضوی۔“ اس کے لہجے  
میں دشمنی شیرنی کی پھنکار تھی۔

”اے لڑکی..... ہمارے گھر میں کھڑی ہو کر ہم ہی کو دھمکی  
دے رہی ہو ابھی تجھے دھکے دے کر نکالواں ہوں۔“ ایک تیسری  
ناگوار سی آواز ابھری جو یقیناً ثریا بیگم کی تھی۔

”مجھے آپ جیسے بے حس لوگوں کے گھر آنے کا شوق بھی  
نہیں ہے لیکن یاد رکھیے گا اگر اگلی بار مجھے آنا پڑا تو میں اکیلی نہیں  
آؤں گی بلکہ پولیس ہوگی میرے ساتھ اس لیے دعا کیجیے گا کہ  
وہ وقت بھی نہ آئے۔“ حریم کا انداز اب بھی وہی تھا پھر لمحہ بھر کو  
سناٹا ہوا۔

”دیکھ لیا تم نے اس مرد مار لڑکی کو۔ یہ تمہاری پسند۔“ ثریا  
بیگم کا تسخیراڑا لہجہ اسے سلگا گیا تھا۔ اسے لگا ابرار اب کوئی کمراب  
سا جواب دے گا مگر دوسری طرف سے کوئی آواز سنائی پھر اس  
نے حریم کے نام کی پکار کے ساتھ بھاگتے قدموں کی آواز سنی  
تھی۔ غالباً ابرار حریم کے پیچھے جا رہا تھا۔

”خالہ کو کیا ہوا ہے حریم مجھے بتاؤ۔“ شاید وہ اس کے سامنے  
کھڑا پوچھ رہا تھا۔ ارحام کا دل کسی نے ٹھنی میں لیا ہوا جیسے۔

”میرے سدا سے ہٹ جا یہ مسٹر ابرار رضوی۔ آپ کو  
میری فیملی کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں.....

کیونکہ مجھ سے تو آپ کا ہر تعلق اسی دن ختم ہو گیا تھا جس دن  
آپ نے مجھ پر شک کیا تھا اور جو کچھ بچا کچھ تعلق تھا میری فیملی  
سے وہ کل رات آپ کی والدہ محترمہ ختم کر چکی ہیں۔ میں آپ کو

یہاں وارنٹک دینے آئی ہوں اپنے اور اپنی والدہ کے ذہن میں  
اس بات کو بٹھالیں کہ میرے یہاں آنے کا مقصد ہمدردی  
حاصل کرنا نہیں اب اگر آپ کی والدہ نے میرے یا میری فیملی  
کے حوالے سے کچھ بھی کہا تو یاد رکھیے گا کہ میں آپ لوگوں کا وہ



حشر کروں گی کہ آپ یا آپ کی والدہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔“ اس کے ہر لفظ سے آگ برس رہی تھی۔ ارحام وہاں موجود نہیں تھا لیکن وہ محسوس کر سکتا تھا کہ اس کے لہجے میں جو تپش ہے وہ سب کچھ جلا کر بھسم کر دینے کی خواہش رکھتی تھی۔ اس نے فون کان سے ہٹاتے رابطہ منقطع کیا اور وارڈ روب سے کپڑے نکال کر شور لینے چلا گیا۔ وہ آج بہت دیر سے اٹھا تھا تقریباً ساڑھے نو بجے جس کا مطلب تھا کہ بابا اور دادا آفس جا چکے تھے اور رضی اپنی یونیورسٹی۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑا بال بنا رہا تھا جب اس کا موبائل بجا۔ وہ جانتا تھا کس کی کال ہے اور اسے کیا کہنا ہے۔

”تم نے جھوٹ بولنا کب سے شروع کر دیا ارحام؟“ ابرار کی طنز سے بھرپور آواز آئی۔ وہ کچھ نہیں بولا۔

”میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم مجھ سے خالہ کے ہاسپٹل نر ہونے کو چھپاؤ گے۔“ وہ شدید صدمے میں تھا۔

”مجھے نہیں لگتا تھا کہ جو ہوا اس کے بعد تمہیں ان کے بارے میں جاننے کی ضرورت تھی۔ ثریا آنٹی نے ایک نیا ایڈیو کرئیٹ کر دینا تھا۔“ وہ تلخ و بے زار لہجے میں بولا۔

”یہ میرا ذاتی معاملہ ہے ارحام، تمہیں مئی کو تنقید کا نشانہ بنانے کی اجازت میں ہرگز نہیں دے سکتا۔“ وہ یک دم ہی پھٹ پڑا۔

”آئی ایم سوری۔“ ارحام کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا مگر تب تک وہ رابطہ منقطع کر چکا تھا۔ اس نے گہرا سانس لیتے موبائل کی تاریک اسکرین کو گھورا پھر اسے جیب میں ڈال کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ وہ ڈائمنگ روم میں داخل ہوا تو ممّا کو چائے پیتے اخبار کی سرخیوں پر نظر ڈالتے دیکھا۔ وہ تکسک سے تیار تھیں، غالباً وہ اپنے بوتیک جانے ہی والی تھیں۔

”السلام علیکم ماما“ وہ کرسی پر بیٹھتا ہوا۔  
 ”گڈ مارننگ۔“ انہوں نے اخبار فولڈ کر کے سائیڈ پر رکھا  
 اور اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

”کیسا رہا ابرار کی مہندی کا فنکشن؟“ وہ چائے پیتے مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

”اچھا رہا۔“ اس نے بوائٹڈ ایگ کا پیس منہ میں رکھتے کہا  
پھر ان کی جانب دیکھ کر مسکرایا۔

”آپ پر یہ رنگ بہت سوٹ کر رہا ہے۔“ اس کی بات پر وہ مسکرائیں۔ انہوں نے لائٹ پر پل شیفون کی سارنھی زیب

تن کی ہوئی تھی۔ گلے میں پرل کا سیٹ تھا جس کے میچنگ ٹاپس ان کے کانوں میں جھول رہے تھے۔ ان کے اسٹیپ کٹنگ بال ان کے کندھوں پر تھے وہ پچاس پچپن کی عمر میں بھی تیس پینٹس کی نظر آتی تھیں اور وہ اکثر ہی ان کی تعریف کیا کرتا تھا اور صرف ان کی ہی نہیں بلکہ ہر وہ چیز جو سراہے جانے کے لائق ہوتی وہ اسے سراہتا تھا۔



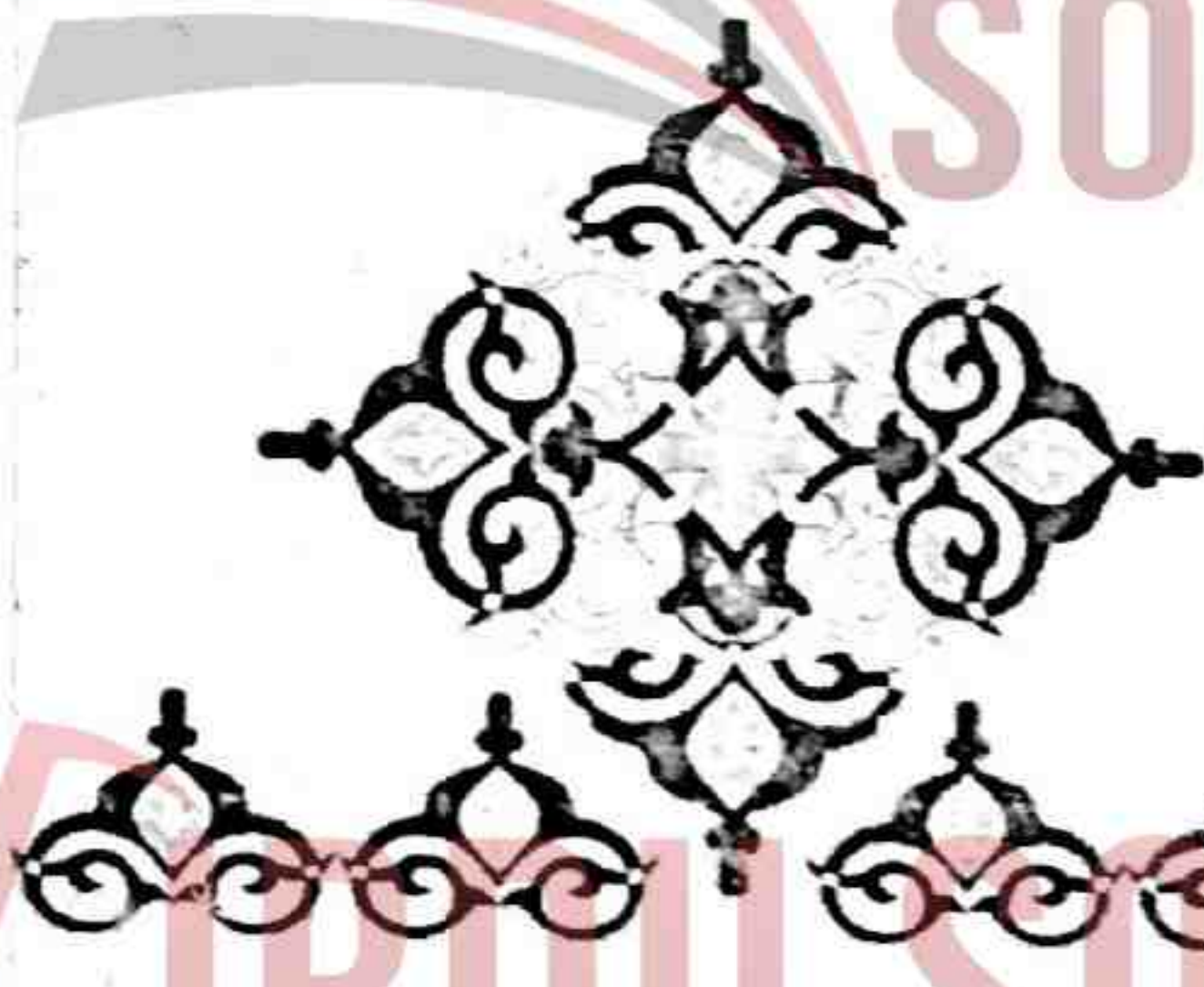
معروف مصنف وکالم نگار مشتاق احمد قریشی کے قلم سے ایک اور شاہکار

DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

# پیہم خیال

مشتاق احمد قریشی

شاعری کی گنجائش ہے



DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM







اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی ایک اداس سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کا احاطہ کیا۔ ارماہ نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔ ضبط کے باوجود اس کے آنسو بہہ نکلے۔

”بس کچھ نہیں ہوگا آنٹی کو۔ تم فکر مت کرو۔ اللہ پاک سب کچھ بہتر کرے گا۔“ ارماہ اس کی پشت سہلاتے اسے تسلی دے رہی تھی۔ وہ سر ہلاتی اس سے الگ ہوئی اور اپنے آنسو صاف کیے۔ ”یہ سب کیسے ہوا؟“ ارماہ نے بکے اور فروٹ باسکٹ سائیڈ پر ایک چھوٹی سی ٹیبل پر رکھے اور پلٹ کر اس سے پوچھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی دروازہ ہلکا سا بجا اور پھر کھولا۔ سرہاشم اسماعیل نے دروازے سے اندر جھانکا۔

”السلام علیکم سر۔“ وہ انہیں دیکھ کر لمحہ بھر کے لیے رجوش سی آگے بڑھی مگر ان کے پیچھے ابھرنے والے چہرے کو دیکھ کر اس کے قدم جہاں تھے وہیں ٹھم گئے۔ ارحام سرہاشم کے ساتھ تھا کہیں اس نے سر کو سب کچھ بتا تو نہیں دیا۔ یہ وہ پہلی سوچ تھی جو اس وقت ارحام کو دیکھ کر اس کے ذہن میں ابھری تھی۔ سرہاشم اندر داخل ہوئے انہوں نے دروازے کے پیچھے کھڑی ارماہ کو نہیں دیکھا تھا ان کا رخ حریم کی جانب تھا البتہ ان کی تقلید میں آتا ارحام اپنے پیچھے دروازہ بند کرنے لگا تو اس کی نظر لمحہ بھر کو ارماہ پر ٹھہری پھر واپس پلٹ آئی۔ وہ دروازہ بند کر کے سرہاشم کے برابر بیٹھ پڑا بیٹھا۔

”السلام علیکم سر۔“ ارماہ کی آواز پر انہوں نے ایک سرسری نگاہ اس پر ڈال کر سلام کا جواب دیا اور پھر حریم کی طرف متوجہ ہوئے۔

”کب اور کیسے ہوا یہ سب؟“ اس نے لمحہ بھر کو ارحام کی جانب دیکھا۔

”بس وہ سر آپ کو تو پتا ہے امی ابوجی کے جانے کے بعد سے کتنی اسٹریڈ رہتی ہیں۔ ابھی راتین کی متوقع شادی کی تیاریوں کو لے کر پریشان رہتی ہیں۔ دن بھر نہ جانے کیا کیا سوچتی رہتی ہیں۔ پھر کل یہ بھی ہوا کہ مجھے گھر پہنچنے میں بہت دیر ہوگئی کیونکہ میں مارکیٹ چلی گئی تھی۔ میرے موبائل کی چارجنگ ختم ہوگئی تھی اس لیے گھر پر انفارمیشن نہ ہو سکی۔ گھر پہنچی تو صورت حال کچھ اور ہی تھی۔“ وہ بولتے بولتے رک گئی۔ اسے پہلی بار احساس ہوا جھوٹ بولنا ایک بہت مہارت کا کام ہے اور اس میں یہ مہارت ناپید تھی اور پھر ستم بالائے ستم یہ کہ سرہاشم کے برابر بیٹھا شخص حقیقت سے واقف تھا مگر اس نے ایک بار

بھی ایسا ظاہر نہیں کیا۔ وہ ایک عجیب سی شرمندگی کا شکار ہوئی تھی تب ہی سر جھکا گئی۔

”پریشان مت ہو حریم اللہ سب بہتر کرنے والا ہے آپ کی والدہ بہت جلد صحت یاب ہو جائیں گی۔ ویسے ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟“ وہ اسے تسلی دیتے پوچھ رہے تھے اور اس سوال نے اسے لا جواب کر دیا تھا۔ وہ انہیں کیا بتاتی کہ ڈاکٹرز نے کہا ہے کہ وہ کسی گہرے صدمے کے باعث ہوش میں نہیں آ رہی اور وہ گہرا صدمہ کیا تھا یہ وہ انہیں بتا نہیں سکتی تھی۔

”ڈاکٹرز کہتے ہیں انجاننا کا پین تھا۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتوں کی ٹینشن لیتی ہیں کوشش کریں کہ انہیں ٹینشن سے دور رکھا جائے۔“ وہ ٹھہر ٹھہر کے ہر جملہ ادا کر رہی تھی۔ ”آج صبح طبیعت کچھ بہتر ہوئی تو ڈاکٹرز نے روم میں شفٹ کر دیا ہے۔“ وہ مزید بولی۔

”ان شاء اللہ سب کچھ اچھا ہی ہوگا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ بس اپنی والدہ کا بہت خیال رکھیں۔ انہیں آپ کی توجہ اور وقت کی ضرورت ہے۔“ سرہاشم بولے ارحام اور ارماہ خاموش سامعین کی طرح کبھی سرہاشم کو دیکھ رہے تھے کبھی حریم کو ابھی سرہاشم مزید کچھ کہنے لگے تھے کہ ایک بار پھر دروازہ کھلا اور حریم کے خاندان کی کچھ خواتین اندر داخل ہوئی مگر دو مرد حضرات کو بیٹھا دیکھ کر ٹھٹھک کر دروازے میں ہی رک گئیں۔ وہ دونوں فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔

”ٹھیک ہے حریم بیٹا ہم لوگ پھر چکر لگائیں گے۔ اکیڈمی کی طرف سے بے فکر رہنا۔ ماشاء اللہ تم ایک قابل اسٹوڈنٹ ہو اور ابھی تو صرف انٹروڈکٹری (تعارف) کلاسز ہی ہوں گی کچھ دن مزید۔“ وہ اس کے سر پر دست شفقت دراز کرتے دروازہ کی طرف بڑھ گئے وہ ان دونوں کے ساتھ چلتی باہر نکل آئی تھی۔

”مسٹر ارحام.....“ اس نے اتنی آواز میں پکارا کہ صرف وہی سن سکا سرہاشم فون پر بات کرتے دروازے سے باہر جا چکے تھے۔ وہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کیا کہنے والی ہے اسے اس شخص سے ملے اڑتا لیس گھنٹے بھی نہ ہوئے تھے اور وہ اس کی زندگی کے اتنے حساس پہلو سے آگاہی حاصل کر چکا تھا۔ ”جو کچھ بھی کل ہوا ابرار کے گھر یا پھر ہاسٹل میں میں چاہوں گی کہ آپ اسے صرف خود تک محدود رکھیں۔ کسی اور سے شیئر نہ کریں۔“ وہ خاموش ہو کر اب اس کی جانب دیکھنے لگی کہ اب وہ کوئی گھسا پٹا روایتی سا جملہ کہے گا کہ ”آپ کو مجھ پر







طرح چڑتا ہوا آیا لیکن عالم آفندی کے ایک ٹیرمی نگاہ سے دیکھنے پر فوراً گڑبڑا کر اس نے اپنا جملہ درست کیا۔ ”میرا مطلب تھا کہ آپ دو عظیم لوگوں کے راز و نیاز ہو گئے ہوں تو میں آپ کو بار بار کیوں پرانویت کرنے آیا ہوں۔“ اس نے بہت انکساری سے کہا اس کے یوں کہنے پر جہاں عالم آفندی کے لب مسکرائے وہیں ارجام کا بے ساختہ تہقہہ ابھرا تھا۔ رضی نے گھور کے اسے دیکھا اور ہمیشہ کی طرح ہاتھ منہ پر پھیر کر بدلہ لینے کا اشارہ کیا۔ وہ تینوں پچھلے دروازے سے راہداری میں آئے اور گھر کے داخلی دروازے سے نکل کر پورچ سے گزرتے گاڑن میں اس طرف آگئے جہاں سوئمنگ پول کے پاس ملازمین کی ایک فوج مختلف باری کیوڈشز تیار کرنے میں لگی ہوئی تھی جبکہ گھر کے دیگر افراد کین کی کرسیوں یا پھر کاؤچز پر دراز تھے۔ رضی سب کے بیچ میں گٹار سنبھالے بیٹھا تھا۔ عالم آفندی ایک خالی کرسی پر براجمان ہو گئے جبکہ وہ ایک خالی کاؤچ اٹھا کر مہمان کے برابر آ بیٹھا۔ انہوں نے صبح سے اس سے بات نہیں کی تھی وہ انہیں منانا جانتا تھا۔ اس نے ان کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے دوسرا ان کے دائیں کندھے پر رکھا اور اپنا سر ان کے بائیں کندھے پر رکھ دیا۔

”مجھے پتا ہے آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں کیونکہ آپ مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں۔“ وہ دھیرے دھیرے محبت سے بھرپور لہجے میں بولا۔ وہ مسکرائی۔

”رضی ٹھیک کہتا ہے تم بہت چالاک ہو۔ لوگوں کو کیسا اپنے اختیار میں کرتے ہیں تمہیں خوب آتا ہے۔“ انہوں نے محبت سے کہتے اس کے بال بکھیرے۔ اس نے محبت سے اپنا سر ان کے کندھے سے گڈا۔

”اے برو..... یہ سوچ تمہارے لیے ہے۔“ اس نے شرارت سے ایک آنکھ میچی۔ وہ ہنس دیا آج اسے انجان بننے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اس گھر کا سب سے بڑا فرد اس کا ہمزاد و ہمنوا بن گیا تھا۔ اس نے رضی کے لفظوں پر غور کیا وہ آنکھوں کی جان نہیں چھوڑنے والا تھا۔

نینوں کی چال ہے

مخملی چال ہے

میٹھی پلوں سے بدلے ملے

نیناں شرما میں جو

یا کہ بھرا میں جو

تھم کے رک جائیں دونوں جہاں  
رب کی نعمت ہیں تیری نگاہیں  
جس میں بستی ہیں اس کی دعائیں  
ایسے نینوں کی باتوں میں کوئی کیوں نہ آئے!

وہ رضی کے ایک ایک لفظ کے ساتھ مسکرا رہا تھا۔ رضی کا ایک ایک لفظ اسے اپنے دل کی صدا معلوم ہو رہا تھا۔ پس منظر میں بہت سے لمحے ابھر رہے تھے۔ حیران نگاہیں، غمیلی نگاہیں، خفا ہونی نگاہیں مانوس نگاہیں اور ایک ہل کے لیے خطر نگاہیں۔



کمرے میں موجود تمام نفوس صدمے کے باعث کچھ بول ہی نہ پائے تھے۔ درد ہی ایسا تھا جس کا بیان زبان سے ناممکن تھا سب سے پہلے سکتے سے باہر آنے والی حریم تھی۔ ڈاکٹر مزید کچھ اور بھی کہہ رہا تھا اس نے پوری توجہ دے کر سننے کی کوشش کی۔

”ویسے جسمانی طور پر اب یہ بالکل ٹھیک ہیں کل صبح ہم انہیں ڈسچارج کر دیں گے۔ آپ دواؤں کا استعمال باقاعدہ کروائی رہے گا ریگولر چیک اپ کے لیے لانی رہے گا اور سب سے اہم بات کوشش کیجیے گا کہ انہیں اب کسی قسم کے صدمے سے دور رکھیں ورنہ.....“ اس کے بعد ڈاکٹر نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ شاید مکمل کرنے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ اس نے راتین اور شائستہ آپا کی جانب دیکھا اس کے ساتھ کھڑی اربابہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی تھی۔ اس نے پلکیں جھپک کر آنکھوں میں جمع ہونے والی نمی کو پیچھے دھکیلا۔ شائستہ آپا راتین کو چپ کراتے خود بھی سسک رہی تھیں۔ اس کی جانب دیکھتے انہوں نے ایک بازو پھیلا کر اسے بھی اپنے پاس بلایا۔ وہ ان کے بازو کے ساتھ آٹکی۔ ہر ممکن حد تک اس نے اپنے آنسو ضبط کرتے خود کو اور راتین کو ان سے علیحدہ کیا۔

”یہ کیا پاگل پن ہے راتین امی اب ٹھیک ہیں۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ کل انہیں گھر بھیج دیں گے۔ تمہیں شکر ادا کرنا چاہیے اور یوں رو کر تم اللہ کی ناشکری کر رہی ہو۔“ حریم نے اسے کندھوں سے تھامتے ہوئے کہا۔

”کس بات کا شکر ادا کروں میں حریم اس بات کا کہ میری ماں دماغی طور پر مفلوج ہو گئی ہے یا اس بات کا کہ وہ قوت گویائی کھو بیٹھی ہے اس صدمے کی وجہ سے جو اس کی سگی بہن نے اسے بھری محفل میں بے عزت کر کے دیا۔ اس بات کا شکر ادا







”ارے ایسی تو کوئی بات نہیں میں نے اپنا نمبر اسی لیے دیا تھا کہ اگر کوئی مسئلہ ہو تو آپ مجھ سے بات کر لیں۔“ ارحام نے اس کی فطری جھجک کو فوراً محسوس کیا یقیناً وہ معاشرے کے جس طبقے سے تعلق رکھتی تھی وہاں کسی غیر شخص سے بات کرنا بذاتِ خود ایک عجیب بات تھی کجا کہ اپنا مسئلہ بیان کرنا۔

”دیکھیں راجین میں جانتا ہوں آپ شاید بہت پریشان ہیں تب ہی آپ نے مجھے کال کی اور دوسری بات آپ میرے لیے میری چھوٹی بہن کی حیثیت رکھتی ہیں میری نیٹاں بھی ایسی ہی جلد پریشان ہو جانے والی بات بات پر رو دینے والی۔“ اس کے لہجے میں بہن کی محبت جھلکنے لگی تھی۔ راجین کے دل کو کچھ ڈھارس ہوئی۔

”اور تیسری بات میں خواتین کا بہت احترام کرتا ہوں کیونکہ مجھے پتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی ایک مرد اور تین بہنوں سے نوازا ہے۔ جب مجھ پر ان کا احترام فرض ہے تو ان کی صنف میں شامل سب ہی کا احترام لازم ہے۔“ وہ بہت ہلکے پھلکے انداز میں بات کر رہا تھا۔ راجین کو اس سے کچھ عقیدت سی محسوس ہوئی۔ وہ شخص قابلِ اعتبار تھا۔

”پلیز یہ مت سمجھیے گا کہ میں کوئی تمسے پے روایتی ڈائلاگ بول رہا ہوں۔ میں جو کہتا ہوں دل کی گہرائی سے کہتا ہوں ورنہ نہیں کہتا۔“ وہ نرم لہجے میں بولا۔

”نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں مجھے یقین ہے آپ کا ہر لفظ سچ ہے۔“ اس کے لہجے کا اعتماد لوٹ آیا تھا۔

”ہوں..... دیش لائک آگڈ گرل۔“ وہ مدہم متبسم لہجے میں بولا راجین کا دل چاہا اس کا اگر کوئی بڑا بھائی ہوتا تو وہ ارحام جیسا ہوتا۔ ”دراصل مجھے آپ سے ایک بات کرنی تھی۔ امی اب فریملی بالکل ٹھیک ہیں لیکن اس دن جو کچھ ہوا اس کی وجہ سے امی نے دماغی طور پر اتنا اسٹریس لیا ہے کہ وہ بولنے کی صلاحیت سے محروم ہو گئی ہیں۔“ آخر میں بولتے بولتے اس کی آواز ختم ہو گئی۔

”اوہ.....!“ ارحام کے لبوں سے دکھ سے بھر پورا آنکلی۔

”ڈاکٹرز نے انہیں زیادہ سے زیادہ آرام کی دوائیاں دی ہیں۔ وہ زیادہ تر وقت سو رہتی ہیں اور جب اُتتی ہیں تو بس خاموش نگاہوں سے دیکھتی رہتی ہیں۔“ اس کی آواز کی نمی بڑھنے لگی۔ ”حریم کوششوں میں ہے کسی نیوروسرجن سے مل کر امی کا کیس ڈسکس کرے مگر کچھ خاص پیش رفت نہیں ہو سکی۔“

”میں..... میں راجین..... بات کر رہی ہوں..... راجین حیات۔“ اس نے تصدیق چاہی نہیں تھی تصدیق کی۔

”جی..... جی راجین حیات ابراہم رضوی کی کزن۔“ وہ گویا یاد دلانے کی کوشش کر رہی تھی یہ جانے بنا کہ مقابل کو تعارف کی ضرورت نہ تھی۔ بھی لائبریری کا دروازہ کھول کر ارحام اندر داخل ہوا۔ اس نے فون کان سے ہٹا کر بنا کچھ کہے ارحام کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھتے موبائل تھا اور کان سے لگا لیا۔ رضی بنا کوئی جواب دیئے کتاب اٹھائے باہر نکل گیا۔

”السلام علیکم! ارحام آفندی اسپیکنگ۔“ ارحام نے فون کان سے لگاتے ہوئے کہا جبکہ راجین دوسری طرف خاموش رہ گئی تھی۔ اس کے دماغ میں ایک ہی بات چل رہی تھی ابھی پانچ منٹ پہلے بھی تو وہ ارحام سے بات کر رہی تھی اگر یہ ارحام تھا تو وہ کون تھا۔

”ہیلو.....“ ارحام نے اب کی بار کچھ زور سے کہا تو وہ چونکی۔

”ہیلو..... میں..... میں راجین بات کر رہی ہوں۔“ وہ بولی۔ اب چونکنے کی باری ارحام کی تھی۔

”اوہ راجین.....“ اسے فوراً یاد آ گیا۔ ”سب خیریت ہے؟“ اس کے دل کو عجیب دھڑکا سا لگا۔

”جی.....“ وہ جھجک کر چپ ہو گئی۔ اسے پہلی بار احساس ہوا کہ اسے یوں منہ اٹھا کر کسی اجنبی شخص کو فون نہیں کرنا چاہیے تھا۔

”آپ کی مدر کی طبیعت کیسی ہے اب؟ اس دن میں سر ہاشم کے ساتھ آیا تھا ہاسپٹل تب انہیں روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔“ وہ بات کرتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا۔

”جی اب تو بہتر ہیں دو دن ہوئے گھر آ گئی ہیں۔“ وہ بولتے بولتے پھر چپ ہوئی۔

”اوہ..... دیش آگرےٹ نیوز۔“ اس نے کچھ ہڑ جوش سے لہجے میں کہا۔ جبکہ وہ دوسری طرف ابھی تک اسی نمٹے کا شکار تھی کہ کیا اسے اس شخص کو فون کرنا چاہیے تھا یا نہیں۔

”ہیلو.....“ ارحام نے اس کی طویل خاموشی محسوس کر کے کہا۔

”جی میں نے شاید آپ کو فون کر کے پریشان کر دیا۔“ ایک دم ہی وہ شرمندہ سی ہوئی۔







آواز آئی۔ وہ بڑی تیزی سے اٹھی کہ کہیں امی کی نیند نہ خراب ہو کرے میں آ کر اس نے جلدی سے فون اٹھایا اور کال ریسیو کا بٹن پریس کر کے کمرے سے باہر نکل آئی۔

”ہیلو السلام علیکم!“ وہ فون کان سے لگائے بولی۔ مگر دوسری جانب بالکل خاموشی تھی۔ ”ہیلو.....“ وہ دوبارہ بولی۔

”میں ارحام بات کر رہا ہوں۔“ کچھ دیر بعد اسپیکر سے اس کی آواز ابھری۔ وہ لمحہ بھر کو خاموش ہو گئی۔ اس کے پاس رامین کا نمبر کیسے آیا یہ وہ سوال تھا جس نے اسے بولنے پر اکسلیا تھا۔

”آپ؟“ اس کا آپ اتنا سوالیہ تھا کہ دوسری طرف اس کی لاعلمی کا اسے باخوبی اندازہ ہو گیا۔

”رامین نے مجھ سے رابطہ کیا تھا۔“ وہ آہستہ آہستہ اسے رامین سے ہونے والی بات کا خلاصہ بتانے لگا جو کچھ دن پہلے ہوئی تھی۔ اس کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔

”رامین کی بے وفائیاں شاید کبھی ختم نہیں ہوں گی۔“ اس نے جل کر سوچا۔ پھر سر جھٹک کر خود کو ریلیکس کیا۔ وہ شخص ہرگز بھی کوئی بد اخلاقی ڈیز نہیں کرتا تھا۔

”بھینٹنکس.....“ آپ پہلے دن سے ہم لوگوں کی مدد کر رہے ہیں اور رامین کی بے وفائیوں کو برداشت کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے یقیناً آپ کو بہت پریشانی ہوئی ہوگی۔ میں اس کے لیے ایکسکوز کرتی ہوں۔“ حریم کے لہجے میں پہلی بار اسے احساس تشکر محسوس ہوا۔

”خیر ایسی کوئی بات نہیں میں دراصل یہی پوچھنا چاہ رہا تھا کہ ڈاکٹر دانیال سے آنٹی کا سیشن کیسا رہا؟“

حریم کے نارٹل روپے نے اس کے لہجے میں اعتماد شامل کر دیا تھا۔ اس نے مختصر آڈاکٹر سے ہونے والی ملاقات کا احوال سنایا۔ اب وہ سمجھ پائی تھی کہ وہ ڈاکٹر ان سے اتنی اچھی طرح پیش کیوں آیا تھا اور فیس بھی نہ ہونے کے برابر ہی لی تھی۔ اس کی وجہ ارحام آفندی تھا۔ اسے اس لمحے پوری شدت سے احساس ہوا کہ بغیر سورس آج کے دور میں ڈاکٹر سے ملنا بھی بہت مشکل مرحلہ ہے اس نے ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کیا اور اس کی بات پر کان دھرے تھے جو نہ جانے کیا کہہ رہا تھا۔

”ڈاکٹر دانیال کی ہدایات پر پوری پابندی سے عمل کیجیے گا“ آنٹی ان شاء اللہ جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔“ وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔

”جی ان شاء اللہ.....“ وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔ اب دونوں

طرف خاموشی تھی اور دونوں طرف بارش کی آواز تھی شاید وہ بھی کہیں باہر ہی کھڑا تھا۔ اس نے فون رکھنے کے لیے لفظوں کو ترتیب دیا ہی تھا کہ ارحام کی آواز ابھری۔

”آپ اکیڈمی ری جوائن کریں گی؟“ یہ سوال نہیں ایک اندیشہ تھا۔

”جی بالکل، لیکن ابھی کچھ دن لگیں گے۔ کیونکہ امی کو ہر وقت ایک فرد کی ضرورت رہتی ہے رامین کو اسکول جانا ہوتا ہے اور اسامہ حمزہ ابھی ہرگز بھی اتنے قابل نہیں کہ میں امی کی ذمہ داری ان پر ڈالوں۔“ وہ محسوس کر رہی تھی کہ جواب خود بخود بہت تفصیلی ہوتے جا رہے تھے۔ وہ کیوں ایک غیر متعلقہ شخص سے اتنی تفصیلی باتیں کر رہی ہے اسے اب سمجھن ہوئی تھی۔

”تو آپ ایک فل ٹائم نرس رکھ لیجیے۔“ اس نے اپنی دانست میں بہت بہترین مشورہ دیا۔ وہ اسے صرف سوچ کر رہ گئی تھی۔ محلوں میں رہنے والے شاید واقعی زیر آب آنے والوں سے ان کے دکھ سے اتنے ہی ناواقف ہوتے ہیں جتنا وہ شخص تھا۔ وہ اسے ہرگز یہ نہیں بتا سکتی تھی کہ ایک فل ٹائم نرس کو ان فورڈ کرنا اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔ اس نے زہرہ بیگم کا علاج کتنی

دقتوں سے کروایا تھا کیسے ایک ایک جمع شدہ پیسوں کو سوچ سمجھ کر خرچ کیا تھا۔ جو بھی تھا یہ سب کچھ اس کا انتہائی نجی معاملہ تھا وہ اس پر اپنی کوئی بھی مالی معذوری جذباتی جملوں کے پردے میں بیان کرنے کی تحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ تبھی بولی۔

”جی یقیناً میں اس بارے میں سوچوں گی۔ میرا اس طرف دھیان نہیں گیا۔ بہر حال مجھے اب سونا ہے لہذا اللہ حافظ۔“ اس

نے یک دم ہی بات کو چند جملوں میں سمیٹا اور دوسری جانب کا جواب سننے بغیر فون بند کر دیا۔ ارحام نے حیرت سے فون کو دیکھا۔ پھر مسکرا دیا۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ آج اس نے اتنے طریقے سے بات کر لی تھی۔ ورنہ اس سے بعید نہ تھا کہ وہ آج بھی اتنے ہی سرد لہجے میں بات کرتی جتنا کہ پچھلی چند ملاقاتوں میں۔ مگر وہ پچھلے دنوں جس ذہنی تناؤ سے گزر رہی تھی اس میں اس کا رویہ جس قدر بھی رف ہوتا درست ہی تھا اس کے مسکراتے لب یک دم سنجیدہ ہوئے تھے۔ اس کے ذہن میں

ابراہیم سے ہونے والی آخری ملاقات ابھری تھی جو ایئر پورٹ پر ہوئی تھی۔ اس نے خود کو جلا وطنی کی سزا دی تھی۔ وہ ہمیشہ کے لیے پاکستان چھوڑ گیا تھا جس کی وجہ سے گیا تھا اسے خبر بھی نہیں تھی۔ کتنی عجیب تھی یہ آنکھ پھولی جو قسمت نے کھیلی تھی۔ وہ



سالہا سال سے حریم عشق میں بستا تھا مگر اب وہ محبت کے اس قلعے سے فرد جرم عائد کر کے بے دخل کر دیا گیا تھا در در کی ٹھوکریں کھانے کے لیے اور بے سکون رہنے کے لیے کیا کوئی اور مسافر حریم عشق کا مکین بن سکتا تھا؟ اس نے لمحہ بھر کو سوچا مگر جواب نہ اُدر..... کیونکہ جواب تو صرف اس کے پاس تھا جس کے قبضے میں حریم عشق کی کنجی تھی۔ وہ گہری سوچ سے ابھرا تھا وجہ سامنے نظر آتا منظر تھا یہ ٹھنڈی پہلی بارش تھی اور رضی شیڈ سے نکل کر پول کے پاس جا کھڑا ہوا تھا وہ اپنے مخصوص ٹائٹ ڈریس میں ملبوس تھا۔ ارحام کو اس لمحے اس کی ذہنی حالت پر شک ہوا تھا۔ اول تو اس کا اس ٹائٹنگ میں گھر پر ہونا سب سے بڑا الجھنا تھا کیونکہ ابھی ساڑھے دس ہو رہے تھے۔ نارٹی وہ رات ایک سے پہلے گھر میں قدم نہیں رکھتا تھا۔ دوئم وہ بارش میں بھیگنا بالکل ناپسند کرتا تھا اور اس لمحے وہ پور پور بھیگ رہا تھا۔ ارحام نے باہر کی جانب پیش قدمی کی۔ اس نے شیڈ میں کھڑے ہو کر اسے کتنی آوازیں دیں مگر لگتا تھا وہاں موجود ہی نہ تھا۔ بلا آخر اسے باہر نکلنا پڑا۔ اس کے کندھے تمام کر اس کا رخ اپنی جانب کیا اور ششدر رہ گیا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور ماتھے کی رگ ابھر رہی تھی۔

”کیا ہوا ہے تمہیں؟“ ارحام نے حیرت سے پوچھا وہ ہرگز بھی کھلنڈا سا رسمی نہیں تھا وہ تو نہ جانے کون تھا۔

”کچھ نہیں بس میرے سر میں درد ہے۔“ اس نے سر پر ہاتھ رکھتے نظریں چرائیں۔

”تو یہاں کیا کر رہے ہو اندر چلو۔“ وہ اس کا ہاتھ تھامتے اندر کی طرف بڑھ گیا تھا وہ بنا مزاحمت اندھا گیا۔ ارحام کا رخ اس کے کمرے کی طرف تھا کمرے میں لا کر اس نے رضی کو کپڑے چینج کرنے کے لیے ڈریسنگ روم کی طرف دھکیلا اور خود انٹرکام اٹھا کر رضی کے لیے کافی اور ٹیبلٹ کا کہا۔ جب تک ملازم کافی اور ٹیبلٹ دے کر گیا تب تک رضی بھی کپڑے چینج کر کے آچکا تھا۔ وہ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ تھا۔ ارحام نے اسے پانی کے ساتھ ٹیبلٹ دی اور پھر کافی کا کپ پکڑ لیا تھا جو اس نے کچھ ہی لمحوں میں خالی کر کے ٹیبل پر رکھ دیا۔

”اب بولو کیا مسئلہ ہے؟“ ارحام جو اس کے کافی ختم کرنے کا ہی منتظر تھا فوراً پوچھا۔

”کچھ بھی مسئلہ نہیں ہے۔ بس سر میں درد تھا اسی لیے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا تو.....“ اس نے بے ربطگی سے کہتے بات کو

ادھورا چھوڑ کر سر جھکایا کیونکہ ارحام کی آنکھوں میں واضح تحریر تھا کہ وہ صرف سچ سننا چاہتا ہے۔

”تم جھوٹ بولنے میں ماہر ہو مجھے پتا ہے لیکن اس وقت تمہارا جھوٹ مجھ پر اثر انداز نہیں ہو رہا۔ لہذا جلدی جلدی بتانا شروع کرو کہ بات کیا ہے؟ کیونکہ تم چھوٹی موٹی باتوں کا اثر لینے والوں میں سے ہرگز نہیں ہو۔“ ارحام نے اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”مجھے چھوڑو یہ بتاؤ آج کل تمہارے سرکل میں بڑی لڑکیاں انٹری دے رہی ہیں۔ کبھی کوئی سحرزدہ آنکھوں والی تو کبھی فون پر شیریں آواز والی۔“ وہ دو ٹکیوں کے سہارے نیم دراز ہوا اور آنکھیں بند کر لی تھیں تاکہ ارحام تک اس کا کوئی تاثر نہ پہنچ سکے۔

”اس کا مطلب ہے تم کچھ نہیں بتاؤ گے۔“ ارحام نے گھور کے اسے دیکھا۔

”اوہوں دیکھو پہلے معاملات تمہارے گڑبڑ ہوئے تھے اس لیے تمہارا فرض بنتا ہے کہ پہلے تم بتاؤ پھر میں۔“ اس نے شرارت سے کہا مگر آج اس کی آنکھیں اس کے چہرے کا ساتھ ہرگز نہیں دے رہی تھیں۔ ارحام نے بغور اس کی آنکھوں کو دیکھا اس نے فٹ سے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ ہنس پڑا پھر اس کے بیڈ سے اٹھ کر سیلپر پہنتا کمرے سے باہر جانے لگا۔

”او..... ظالم انسان یہ تو بتا دو کہ فون والی اور تصویر والی ایک ہی تھیں۔“ اس نے لیٹے لیٹے ہی پوچھا۔

”نہیں۔“ اس نے یک لفظی جواب دے کر ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔

”تمہیں کس سے وابستگی ہے؟“ نہ جانے کیوں وہ اس ٹاپک کو اتنا گھسیٹ رہا تھا۔

”دفنوں سے۔“ اب کی بار وہ شرارت پر آمادہ ہوا۔

”شرم کرو بیک وقت دو دو سے عشق فرما رہے ہو تو بہ تو بہ۔“ اس نے باقاعدہ کانوں کو ہاتھ لگائے۔

”تمہیں کیوں جیلسی ہو رہی ہے۔“ وہ ہنسا اور وہ جلا۔

”حد ہوگئی بھی حد ہوگئی۔ میں تو تمہیں بڑا سیدھا سمجھتا تھا۔“

مگر تم تو بڑے چھپرے تم نکلتے۔“ وہ تڑپ کر اٹھ بیٹھا۔

”ارے یار چھوڑو کبھی تم میری فکر میں مت گھلو۔ اپنی فکر کرو۔“ وہ ہنستا ہوا باہر نکل گیا اور وہ دھپ سے واپس اپنے بیڈ پر لیٹ گیا بہت سی سوچیں سانپ کی طرح پھن اٹھائے کھڑی











”کیا ہوا؟“ اس کے لہجے میں خوف واضح تھا۔

”کچھ خاص نہیں بھاگ گئے شاید اندر بیٹھیں میں آپ کو گھر ڈراپ کر دیتا ہوں۔“ اس نے دوسری طرف کا دروازہ کھولتے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ یہ ان دونوں کی زندگی کا پہلا سفر تھا جو وہ ایک ساتھ کرنے والے تھے۔ ارحام نے کارڈ رائیو کرتے اسے دیکھا۔ خوف اس کے چہرے سے اب بھی عیاں تھا۔

”ریلیکس یمنی سب ٹھیک ہے اب..... ہوا کیا تھا؟“ اس کا دھیان بٹانے کے لیے ارحام نے استفسار کیا۔

”میں بابا اور ماما کے ساتھ پارٹی میں گئی تھی۔ زیری انگل اور نوشی آنٹی کے ساتھ بیٹھی میں باتیں کر رہی تھی جب مجھے میری فرینڈ کی کال موصول ہوئی۔ میں ماما یا کو بتا کر وہاں سے نکل آئی مگر کار میں کوئی مسئلہ ہو گیا۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں میں دانیال بھائی کا نمبر ڈائل کرنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ سامنے سے ایک بائیک آئی نظر آئی پہلے تو وہ بائیک کار کے پاس سے گزر کر آگے بڑھ گئی تھی پھر دوبارہ پلٹ کر واپس آئی۔ اس پر سوار دو لڑکوں میں سے ایک نے کار کا شیشہ بجایا میں نے تھوڑا سا شیشہ نیچے کیا۔ وہ مجھ سے مدد کرنے کا کہہ رہا تھا مگر میں نے انکار کر کے شیشہ اوپر چڑھا لیا۔ میں دانیال بھائی کا نمبر ڈائل کرنے لگی مگر یک دم کار کے شیشے دونوں طرف سے زور زور سے بجائے جانے لگے گھر اہٹ میں مجھ سے کچھ بھی نہیں ہو پارہا تھا ہاتھ بری طرح کانپ رہے تھے۔ تبھی ان لڑکوں نے کار کے شیشے توڑ دیئے اور اندر سے دروازہ کھول لیا اور مجھے گھسیٹ کر باہر نکال لیا۔“ اتنا کہہ کر وہ چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگی۔

”یمنی.....“ ارحام نے کار ایک سائیڈ پر روکی۔

”اگر آج آپ نہیں ہوتے ارحام تو نہ جانے کیا ہو جاتا۔“

وہ اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے بولی۔

”پلیز رونا بند کرو یمنی۔ اللہ نے تمہیں کسی ناخوشگوار واقعے سے محفوظ رکھنا تھا پھر چاہے وسیلہ کوئی بھی بنتا۔ اپنے دماغ کو پرسکون کرو خدا کا شکر ادا کرو۔“ ارحام نے اس کے ذہن کو پرسکون کرنے کی کوشش کی۔ وہ سر ہلائی آنسو صاف کرنے لگی۔ ارحام نے ڈرائیونگ دوبارہ شروع کر دی تھی۔

گھر کے باہر گاڑی رکتے ہی یمنی اس کا شکریہ ادا کرتی اسے اندر آنے کو کہنے لگی مگر اس نے محنت کر لی اور وہیں سے

واپس کی راہ لی لیکن ایک سوچ اس کے ذہن کو الجھا رہی تھی۔



دو دن سے ان دونوں کے درمیان بات بند تھی۔ حریم نے اسے ارحام کو فون کرنے پر خوب ڈانٹا تھا۔ مگر رامین اپنے موقف پر قائم رہی تھی کہ اگر ارحام انوالونہ ہوتا تو امی کے لیے اتنے بہترین نیورس جن کا بندوبست ہونا ممکن نہیں تھا۔

”اف یہ بارش.....“ رامین نے شدید ناگواری سے دو دن سے مسلسل برستی اس بارش کو دیکھا۔ اسے بارش سے الرجی تھی۔ کیونکہ راستے سیلن زدہ ہو جاتے تھے جس کے سبب اسے اسکول جانے میں خاصی دشواری ہوتی تھی۔

”رامین آپو حریم بچو کو دیکھیں کیا ہو گیا ہے۔“ حمزہ گھبرایا ہوا سا اس کے پاس آیا۔ وہ پریشان سی اپنے مشترکہ کمرے کی طرف دوڑی۔ حریم بستر پر اوندھے منہ پڑی تھی۔ رامین کے دل کو یک دم کچھ ہوا۔ وہ تو شدید بیماری میں بھی ایسے نہیں لیٹتی تھی پھر اب ایسا کیا ہوا تھا جو وہ یوں پڑی تھی۔

”کیا ہوا ہے حریم کو؟“ اس نے حریم کی طرف بڑھتے حمزہ سے دریافت کیا اور پھر اس پر جھکتے اس کو سیدھا کیا۔ اس کا ماتھا چپک کیا، نبض چپک کی سب کچھ ٹھیک تھا پھر اس کی ناک پر ہاتھ رکھ کر دیکھا تو دھک سے رہ گئی۔ اسے سانس نہیں آ رہی تھی۔

”حریم..... حریم اٹھو..... اٹھو حریم.....“ یک دم وہ پاگلوں کی طرح چیخنے لگی۔ حمزہ بھی اس کے قریب آ بیٹھا تھا۔

”حریم.....“ وہ اسے جھنجھوڑنے لگی۔

”ابھی زندہ ہوں ایڈیٹ اتنی جلدی مرنے کا پروگرام نہیں ہے میرا۔ جب تک تم بے وقوفیاں کرنا نہیں چھوڑو گی کم از کم تب تک تو ہرگز نہیں۔ کیوں بھی حمزہ۔“ حریم نے حمزہ کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر تالی بجائی اور دونوں قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے۔

”تم دونوں نے مل کر مجھے بے وقوف بنایا؟“ وہ حیرت سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

”اب بنے بنائے کو کیا بنانا۔“ حریم نے خاصی بے نیازی سے کہا اور اس کے بعد ان کا گھر کسی کھیل کے میدان کا منظر پیش کر رہا تھا۔ حریم اور حمزہ آگے آگے تھے جبکہ رامین ان کے پیچھے پیچھے دوڑ رہی تھی۔ پھر تھک گئی تو ایک کرسی پر دم سے گر گئی۔ حریم اور حمزہ چلتے ہوئے اس کے پاس آ گئے تھے۔

”تھک گئی ہو۔“ حریم نے شرارتی لہجے میں پوچھا۔



اسے ایک عرصے کے بعد ہونے والی یہ نوک جھونک اچھی لگ رہی تھی۔

”تم سے مطلب.....“ راین نے کھا جانے والے انداز میں کہا۔ وہ دونوں ہنسنے لگے۔ تبھی راین کا موبائل بجنے لگا تھا۔ راین اٹھ کر کمرے کی طرف بڑھی جہاں اس کا موبائل موجود تھا۔

”اب اپنی کسی دوست سے لمبی باتیں مت کرنے بیٹھ جانا۔ میں کھانا لگانے لگی ہوں۔ دس بج رہے ہیں۔ لائٹ بھی آگئی ہے پھر نہ جانے کب چلی جائے بارش کی وجہ سے۔“ حریم نے پگن کی جانب بڑھتے کہا۔ راین جب تک کمرے میں پہنچی کال مس کال بن چکی تھی۔ اس نے موبائل اٹھا کر چیک کیا۔ ایک ان نون نمبر سے تین چار مسڈ کالز تھیں۔ اس نے حیرت سے نمبر کو دیکھا، بھی موبائل کی میسج ٹون بجی تھی۔ اس نے میسج اوپن کیا تو اسی نمبر سے تھا۔

”پلیز پک دی کال راین حیات۔ آئی وانٹ ٹو ٹاک یو۔“ وہ حیرت زدہ رہ گئی تھی۔ یہ کون تھا جو اسے جانتا تھا۔ بھی اس کا موبائل ایک بار پھر بجا۔ اب بھی کال اسی نمبر سے تھی۔ وہ کچھ خوف محسوس کر رہی تھی اس کال کو انینڈ کرنے میں۔ اس کے جاننے والے تمام لوگوں کے پاس اس کا نمبر بائے نیم سیو تھا اور اگر کبھی کوئی نمبر میسج بھی کرتا تو اسے اپنے نام کے ساتھ میسج کرتا تھا مگر یہ میسج بغیر نام کے موصول ہوا تھا اور اس کا متن بھی بہت عجیب لگا تھا اسے بھی وہ ہچکچا رہی تھی۔ بہر حال اس نے ڈر خوف کو ایک طرف کرتے پورے اعتماد سے کال انینڈ کی۔ اس نے خود بولنے کے بجائے کال کرنے والے کے بولنے کا وٹ کیا۔

”ہیلو۔“ دوسری طرف سے مردانہ آواز ابھری۔ ”کیا میں راین حیات سے بات کر سکتا ہوں۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔ راین کو یہ آواز کچھ سنی سی لگی۔ اس نے اپنے ذہن میں مختلف آوازوں کے درمیان سے اس آواز والی شخصیت کو کھگانے کی کوشش کی۔

”ہیلو۔“ دوسری طرف سے ایک بار پھر کہا گیا تو وہ اپنی کوشش کو ترک کرنی متوجہ ہوئی۔

”جی میں راین حیات ہی بات کر رہی ہوں۔ آپ کون؟“ اب وہ سامنے والے کی تصدیق چاہتی تھی۔ دوسری طرف لمحہ بھر کے لیے خاموشی چھائی تھی۔

”آپ ہیں کون اور مجھے کیسے جانتے ہیں؟“ راین نے فطری تجسس سے مجبور ہو کر اور کچھ تعجبلا کر پوچھا۔

”میں..... میں.....“  
”ایکسیکوز می مسٹر یہ میں میں کی گردان بند کریں اور فون کس مقصد سے کیا ہے وہ بولیں لیکن اس سے بھی پہلے اپنا تعارف دیں۔“ راین کو محسوس ہوا کہ یہ کوئی رانگ نمبر نہیں ہے کیونکہ مقابل اس کا نام جاننے کے باوجود بات کرنے میں ہچکچا رہا تھا۔ جس نے راین کی ہمت کو بڑھا دیا تھا۔

”آپ میرا نام جاننے کے بعد فون بند نہیں کریں گی تو میں آپ کو اپنا نام بتانے کے لیے تیار ہوں۔“ کچھ توقف کے بعد وہ بولا۔

”میں دو حرف بھیجتی ہوں آپ براؤ آپ کے نام پر بھی۔ مجھے ہرگز بھی آپ کا نام جاننے میں کوئی دلچسپی نہیں اور ایک بات یاد رکھیے مسٹر آئندہ بھول کر بھی اس نمبر.....“

”میں علی رضا آفندی ہوں۔“ اس نے راین کی بات درمیان میں ہی منقطع کر دی اور راین تو اپنی جگہ منجمد رہ گئی۔  
”کون علی رضا؟“ بہت سرسراہٹ سی آواز اس کے لبوں سے خارج ہوئی۔ وہ ہمیشہ اس بات کو اپنی خوش فہمی سمجھتی تھی کہ علی رضا آفندی شاید اسے ڈھونڈتا ہوگا مگر وہ اسے ڈھونڈ لے گا اس کا تو گمان بھی نہیں گزرا تھا۔

”علی رضا آفندی فرام سینٹ اینٹھونی کالج۔“ ایک جانا پہچانا انداز..... ایک پرانا سا جملہ ماضی کی گرد جھاڑتا کوئی شناسا عکس آنکھوں میں لہرایا تھا۔ راین کو لگا جیسے کسی نے ماضی کی دھول اس کی آنکھوں میں بھر دی تھی۔ آنکھیں کھلی رکھنا آسان مرحلہ تھا۔

(جاری ہے)









تیسرے مریضہ کو بالکل آرام سے لیٹ جانا چاہیے کیونکہ حمل کے اسہال بعض اوقات خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں یعنی اسقاط حمل ہو سکتا ہے۔

### علاج بالمثل / دوا

**ایلووڈ:** پیٹ میں بھاری پن اور بوجھ کا احساس زیادہ یا کم مقدار میں آنوں (Mucus) کا اخراج۔ صبح کے وقت دست حاجت سے پہلے آنٹوں میں گزر گڑا ہٹ۔

**ایلووینا:** اسہال مروڑ کے ساتھ پاخانہ خون ملا ہوا مقدار میں کم مریضہ کو پیشاب کرنے کے لیے بھی زور لگانا پڑے۔

**ایسافونیٹا:** پانی کے سے پتلے دست تہایت بری بدبودار دستوں کے ساتھ پیٹ میں درد۔ کیسٹھرسس نہ پیشاب کرنے کی مسلسل خواہش سرخی مائل یا گدے دست جلندارد۔

اس کے علاوہ اینٹیم مارٹ آرینکا کیموسیل چیلڈ ونیم چائنا وغیرہ بہترین ادویہ ہیں۔

### تھوک کی زیادتی

تھوک کی زیادتی عموماً حمل کے پہلے مہینوں میں وقوع میں آتی ہے جو دو یا تین مہینوں تک جاری رہتی ہے جب اس کا اخراج بہت زیادہ ہو جاتا ہے تو مریضہ کو کمزور کر دیتا ہے لیکن اس کا ایک یا یک بند ہو جانا یا بند کر دینے سے خطرناک کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اس سے سکتہ یا دم گھٹنے کی شکایت ہو سکتی ہے۔

### دوا:

مرکیورس اپیکاک اکوٹھیٹ بیلا ڈونا صیما میلرس کریازوٹ بہترین ہیں۔

شکایت نہایت تکلیف دہ ہوتی ہے۔ مہرزی مائی سکڑ جانے سے یہ اپنے فعل کو پورا نہیں کر سکتی۔ قوت حیات کی توجہ حمل کے زمانہ میں زیادہ تر رحم کی طرف ہوتی ہے جس کی وجہ سے آنٹوں کی طاقت بھی رحم کی طرف مبذول ہو جاتی ہے اور وہ اپنے معمول کے کام کو کرنے کے ناقابل ہو جاتی ہیں۔ ایسی حالت میں حفظان صحت کے اصولوں پر عمل کرنے سے نہ صرف یہ شکایت بلکہ اس کے متعلقہ علامات بھی مثلاً درد سر خون کا سر کی طرف دوران وغیرہ دور ہو جاتی ہیں۔ ادویہ کا انتخاب قبض کی حالت اس کے متعلقہ علامات اور مریضہ کی مجموعی علامات کے مطابق کرنا چاہیے۔ قبض چونکہ ایک مزاجی (Contitutional) بیماری ہے اس لیے اس کے علاج سے نہ صرف موجودہ تکلیف دور ہو جاتی ہے بلکہ مریضہ کی صحت بھی نہایت بہتر ہو جاتی ہے۔

**ایلووینا:** آنٹوں کی خرابی کی وجہ سے قبض پتلے پاخانے کے لیے بھی زور لگانا پڑے۔

**آرنیکا مانت:** شدید قبض جو کسی چوٹ کے بعد پیدا ہو پیٹ میں گزر گڑا ہٹ۔

**چیلڈ ونیم:** جب دائیں کندھے کی ہڈی کے نچلے زاویہ کے نیچے درد ہو پاخانہ بکری کی میٹگیوں کی طرح اس کے علاوہ کالسنوینا کاسٹنیکم اگنشیٹا آئیوڈیم فانی ٹولا کاسباٹا تھو جا وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

### دست

قبض کی طرح حمل کی حالت میں دست بھی غذا کی ناموافقت یا بد پرہیزیوں سے ہو سکتے ہیں یہ ایک عام پیچیدگی ہے جو معدہ میں تیزابیت اور ہاضمہ کی کمزوری سے ہوتے ہیں۔ کبھی دست بغیر تکلیف کے ہوتے ہیں اور کبھی سخت مروڑ سے۔

جب حمل کی حالت میں دست شروع ہو جاتے ہیں تو تین باتوں کا خیال رکھنا چاہیے کہ حاملہ کو ناموافق غذاؤں سے بالکل پرہیز کرنا چاہیے دوسرے مریضہ کو سردی یا گرمی میں نہیں لکھنا چاہیے تاکہ سردی یا گرمی کا اثر نہ ہو سکے





## میسوزوئومان

نفرت سے اور پیار سے پہلے کی بات ہے  
یہ تجھ پہ اعتبار سے پہلے کی بات ہے  
دل میرے اختیار میں ہوتا تو تھا مگر  
یہ تیرے اختیار سے پہلے کی بات ہے  
صبا عیشیل..... بھاگو وال

رات گہری تھی ڈر بھی سکتے تھے  
ہم جو کہتے تھے کر بھی سکتے تھے  
تم جو پچھڑے تو یہ نہیں سوچا  
ہم تو پاگل تھے مر بھی سکتے تھے

مدیحہ حیدر..... دو بندی والا

چاند کے ساتھ کئی آنسو پرانے لکھے  
کتنے درد تھے جو ترے درد کے بہانے لکھے  
میں نے سحر اسے بے واسطہ دیکھا ہی نہیں  
وہ تو خوشبو میں بھی آہٹ کے بہانے لکھے

سدرہ شاہین..... پیر ووال

کل ذرا سی بات دیر تک رلاتی رہی  
خوشی میں بھی آنکھ اشک بہاتی رہی  
کوئی مل کے کھو گیا تو کوئی کھو کے مل گیا

نہ کھول میرے مکان کے اداس دروازے  
ہوا کا شور میری الجھنیں بڑھا دے گا  
میں خوب واقف ہوں اس کی فطرت سے فراز  
رد دے گا تو اتنا کہ بس رُلا دے گا  
طلعت نظامی.....کراچی

تیرا ملنا نہیں ممکن مگر اتنا تو ممکن ہے  
کہ تیری آرزو میں زندگی کی شام ہو جائے  
ہجومِ دوستاں سے جب کبھی فرصت ملے تم کو  
اگر کسجھو مناسب تو ہمیں بھی یاد کر لینا  
جو ریہ ضیاء..... کراچی

تجھے کھونے کا حوصلہ نہیں مجھ میں  
میرے حق میں دعا کرنا کہ  
تجھ سے پھڑنے سے پہلے  
بس اک سانس کا رشتہ ٹوٹ جائے  
بنت آس اور نور..... کھلاٹ ٹاؤن شپ ہری پور  
میں زندگ تھا۔ لیکن اسے میں نے نہیں دیکھا



سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر



# طش مصالحہ

## طلعت آغاز

کیلے جلی

اشیاء  
کیلے کا گودا  
چینی  
پانی

ایک کلو  
ایک کلو

حسب ضرورت

ترکیب: عمدہ قسم کے کپے ہوئے کیلے لیں ان کو چھیل لیں  
چھیلے ہوئے کیلوں کا وزن ایک کلو گرام ہونا چاہئے۔ ان کیلوں کو  
چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی شکل میں کاٹ کر اندازاً ایک کلو پانی  
میں ڈال کر گھنٹہ بھر پکائیں۔ اتنی دیر میں گودا پک کر خاصا نرم  
ہو جائے گا۔ گودے کو کپڑے سے چھان لیں اب گودے میں  
چینی شامل کر کے کسی تام چینی کے برتن میں ڈال کر پکائیں۔  
چھج مسلسل ہلاتے رہیں۔ ایک گھنٹے بعد کیلے اور چینی یک جان  
ہو کر جلی کی شکل اختیار کر لیں گے۔ ابھی جلی کچھ گرم ہو تو اسے  
خنگ بوتلوں میں بھریں۔

صابن عیشل..... بھاگو وال

کریمہ نواز اپنل ٹیک

ضروری اشیاء:-

سیب (بڑے سائز کے) سات عدد  
سخت اور سلے ہوں

دو کپ  
آدھا کپ  
50 گرام

ایک پاؤ  
آدھا کپ

ایک کھانے کا چمچ  
دو کھانے کے چمچ  
چار کھانے کے چمچ

پانی  
چینی  
کھن  
سادہ اسفنج کیک  
فریش کریم

چینی

دودھ

پے بادام

(باریک کٹے ہوئے)

ترکیب:-

سیب چھیل کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ لیں اب  
ان کو پین میں ڈال کر اس میں پانی ڈالیں اور ہلکی آنچ پر رکھیں  
دیں۔ پانی خشک ہو جائے اور سیب بالکل گل جائیں تو اتار کر چھج  
سے بادام کرکھان کر لیں۔ اب دوسرے پین میں چینی ڈال کر  
چھلے پر رکھیں جب گولڈن سا سرپ بن جائے تو اس میں  
کھن ڈال دیں۔ ساتھ ہی سیب بھی ڈال کر کھن کر لیں دودھ  
ڈال کر کھن کر لیں اور چھلے سے اتار دیں۔ کیک کو درمیان  
سے کاٹ لیں ایک حصے پر سیب والا آدھا کپچر پھیلا میں اوپر  
دوسرا حصہ (کیک کا) رکھیں۔ اوپر بھی سیب کا بقیہ کپچر پھیلا کر  
پے بادام چھڑک دیں کٹاروں پر کریم سے پھول بنا کر کیک کو  
سرور کریں۔

عائشہ سلیم..... کراچی

مزید اریک

اشیاء:-

آدھا پاؤ  
آدھا پاؤ  
4 عدد  
ایک تولہ  
آدھا پاؤ  
حسب ضرورت  
آدھا پاؤ  
حسب ضرورت

میدہ  
چینی  
انڈے  
بیکنگ پاؤڈر  
شکر شمس  
وینیلہ ایسڈ  
کھن  
بیکنگ پیپر (موٹا کاغذ)

ترکیب:-

چینی کو باریک پس کر چھلنی سے چھان لیں۔ اب اس میں  
کھن ہاتھوں سے خوب مکس کریں۔ انڈے توڑ کر سفیدی اور  
زردی کو علیحدہ علیحدہ اتار لیں کہ سب جھاگ ہو جائے۔ میڈہ  
اور بیکنگ پاؤڈر کو خوب ملا لیں۔ اب اس میں کھن اور چینی ڈال  
کر چمچ سے اتار لیں کہ یک جان ہو جائیں اور پھر اس میں  
انڈوں کی زردی اور سفیدی ڈال دیں۔ اب اس میں شکر شمس ڈال  
دیں اور کیک کا سانچہ لے کر اس میں بیکنگ پیپر پھیلا دیں۔  
اس کے اوپر یعنی بیکنگ پیپر کھن بھی لگائیں اور تیار شدہ قوام  
میں وینیلہ ایسڈ ملا دیں اور اوون میں ایک گھنٹہ تک رکھیں۔  
جب سرخ ہو جائے تو مختلف ڈیزائنوں میں کاٹ کر پیش  
کریں۔ مزید اریک تیار ہے۔

اریہ منہاج..... طبرک کراچی

DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM



کھوئے کے سموسے

اشیاء:

کھویا  
میدہ  
تھی

ایک کپ  
ایک کپ  
3 ٹیمپل اسپون  
دو چمکی

ایک ٹی اسپون  
ایک کپ  
تینے کے لئے

بیکنگ پاؤڈر  
جائفل  
چینی  
تیل

ترکیب:

میدے میں تھی اور بیکنگ پاؤڈر ملا کر ابلے ہوئے پانی میں گوندھ لیں۔ اچھی طرح یکجان کرنے کے بعد میدے کے پڑے بنالیں۔ کھوئے اور جائفل پاؤڈر کو کس کر لیں۔ اب ایک پیڑہ لے کر اس کی چھوٹی نکلیہ بنالیں۔ درمیان میں تھوڑا سا کھویا رکھ کر کنارے ملا لیں۔ کنارے اچھی طرح دبا دیں۔ تیل گرم کر کے یہ سموسے اچھی طرح تینے کے بعد تیار چاشنی میں ڈال دیں۔ جب اچھی طرح ٹھنڈے ہو جائیں تو کھانے کے لئے پیش کریں۔

رخسانہ اقبال..... قائم آباد  
قیمہ کی کچوریاں

اشیاء:

قیمہ بغیر چربی والا  
پیاز درمیان ڈلی  
لیموں

آدھا کلو  
دو عدد

دو عدد  
ایک عدد  
تین عدد

ہر ادھنیا بار یک کٹا ہوا  
ہری مرچ بار یک کٹی ہوئی  
اورک لہسن پسا ہوا  
لال مرچ پسلی ہوئی  
کالی مرچ پسلی ہوئی  
نمک

ایک کھانے کا چمچ  
ایک کھانے کا چمچ  
ایک کھانے کا چمچ  
حسب ذائقہ  
آدھا چائے کا چمچ  
حسب ضرورت

کھانے کا سوڈا  
تیل تینے کے لئے

ترکیب:

سب سے پہلے آٹے میں اجوائن نمک اور سوڈا ملا کر اچھی طرح گوندھ لیں اور کسی گیلے کپڑے سے ڈھانک کر تقریباً

عندرہ منٹ کے لیے رکھ دیں پھر ایک دہکی میں ایک کھانے کا چمچ تیل ڈال کر قیمہ ڈال دیں۔ ساتھ میں نمک اورک لہسن اور مرچ ڈال دیں جب پانی خشک ہو جائے تو ہلکا سا بھون کر پیاز ہری مرچ اور ہر ادھنیا ڈال دیں۔ اوپر سے لیموں کا رس ڈال دیں پھر اچھی طرح کس کر لیں ٹھنڈا ہونے دیں۔ اب آٹے کا چھوٹا سا پیڑا لے کر ہاتھ گھیر کر لیں پھر پیڑے پھیلا کر تھوڑا سا قیمہ رکھ کر چاروں طرف سے بند کر دیں ذرا سادبا کر کچوری کی طرح پھیلا لیں کڑھائی میں تیل گرم کریں جب خوب گرم ہو جائے تو آٹے کی ہلکی کر کے کچوریاں ملنا شروع کریں جب جل جائیں تو نکال کر چھلنی میں اخبار بچھا کر اوپر رکھتی جائیں تاکہ تیل جذب ہو جائے گرم گرم اٹی کی چھنی دہی کے راستہ کے ساتھ سرد کریں۔

جی کنول خان..... موسیٰ خیل  
پرشین پوٹو اینڈ میٹ بالٹر

اجزاء:

گائے کا قیمہ 400 گرام  
آلو ابلے ہوئے (بھرتہ کیے ہوئے) 4 عدد  
پیاز (چوپ کی ہوئی) 2 عدد  
انڈے 2 عدد  
گٹھی ہوئی کالی مرچ  
ہری مرچیں (چوپ کی ہوئی)  
پارسلے (چوپ کیا ہوا)  
ڈبل روٹی کا چورا  
نمک  
تیل  
ترکیب:

قیمے میں علاوہ ڈبل روٹی کا چورا باقی تمام اجزاء ملا لیں اس کی بالٹر بنا کر ڈبل روٹی کے چورے میں لپیٹ لیں۔ کڑا ہی میں تیل گرم کریں اور انہیں سنہری مل کر جاذب کاغذ پر نکال لیں۔

طیبہ نذیر..... شادیوال گجرات  
چکن سپریم بریانی

اجزاء:

چکن بریسٹ  
پاسٹی چاول  
ایک کلو  
آدھا کلو

چکن سپریم بریانی



چکنی بخنی

انڈوں کی زردی  
کھن  
لیموں کا رس

نمک  
لوٹک  
تیل

ایک کپ

دو عدد  
تین کھانے کے چمچ  
چار کھانے کے چمچ  
دو چمچ

حسب ذائقہ  
چھ عدد  
حسب ضرورت

اجزاء:-  
چاول  
ارھر کی دال

نمک  
اورک لہسن پسا ہوا

پیاز  
آلو  
بینگن

مٹر  
میتھی دانہ  
لال مرچ پسی ہوئی

ثابت لال مرچ  
ہلدی

کڑی پتہ  
سمی

ترکیب:-

چاول اور دال کو دھو کر پندرہ سے بیس منٹ پہلے بھگو دیں۔  
آلو اور بینگن کو چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ لیں۔ تین میں سمی کو  
درمیانے آٹے پر دو سے تین منٹ گرم کریں اس میں ثابت لال  
مرچ، کڑی پتہ اور میتھی دانہ ڈال کر کڑا لیں اور پیاز کو سنہرا  
فرانی کریں۔ اس میں اورک لہسن ڈال کر دو سے تین منٹ فرانی  
کریں اور آلو ڈال کر ہلکی آٹے پر ڈھک دیں۔ آلو ادھ گلے  
ہو جائیں تو ان میں مٹر ڈال کر دو سے تین منٹ فرانی کریں پھر  
ان میں ہلدی، لال مرچ اور بھگوئے ہوئے دال چاول (پانی  
سے نکال کر) ڈال دیں۔ اچھی طرح بھون کر اس میں چار پیالی  
پانی ڈال دیں۔ نمک ڈال کر ملائیں اور ڈھک کر درمیانے آٹے پر  
چکنے رکھ دیں۔ آٹھ سے دس منٹ بعد جب پانی خشک ہونے  
پا جائے تو بینگن ڈال کر اچھی طرح ملائیں۔ ہلکی آٹے پر پانچ  
سے سات منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔ نیچے جی گجراتی کچھڑی  
تیار ہے۔

حتامہر..... کوٹ ادو

امریکن کرہی چکن

اشیام:-

درمیانے سائز کے 8 ٹکڑے

مرغی

سب سے پہلے ابلے ہوئے آلوؤں میں سارا مسالا ملا دیں  
اور چھوٹے چھوٹے کٹوتوں کی طرح پڑے بنالیں۔ ایک  
پیالے میں گاڑھا بیسن گھول دیں اس میں بھی تھوڑا نمک اور  
لال مرچ ملا دیں۔ ایک ایک پڑے کو بیسن میں ڈبو کر ہلکی آٹے  
میں ڈپ فرانی کریں اور اعلیٰ کی چکنی کے ساتھ پیش کریں۔

صدر شاہین..... حیدر دال

اجزاء:-

آلو  
بیس  
رائی  
سفید زیرہ  
نمک  
ہری مرچ  
ہرا دھنیا  
لال مرچ (پسی ہوئی)

ایک کلو (اہال کر بھرہ کر لیں)  
ایک پاؤ  
آدھا چائے کا چمچ  
(بھنا ہوا) ایک چائے کا چمچ  
حسب ذائقہ  
چار عدد باریک کٹی ہوئی  
ایک گٹھی باریک کٹا ہوا  
ایک کھانے کا چمچ

ترکیب:-

درمیانے سائز کے 8 ٹکڑے

مرغی

صدر شاہین..... حیدر دال



مونگ کی دال کا آٹا

3/4 کپ

حسب ذائقہ

چار کھانے کے چمچے

ایک عدد

کارن فلور

انڈے

مسٹر دپاؤڈر

کالی مرچ

اورک لہسن

کٹی ہوئی سرخ مرچ

سرکہ

ترکیب:-

مرغی کو دھو کر ایک دھبھی میں ڈال کر اس میں حسب ضرورت پانی اور نمک ڈال کر ایک اہال دے دیں۔ اب مرغی کو پانی سے نکال دیں اور تمام مسالہ مرغی پر لگا کر آدھے گھنٹے کیلئے رکھ دیں اور پھر درمیانی آٹے پر فرانی کر لیں۔ سنہری ہونے پر نکال لیں۔ لیجئے بہت مزیدار سا امریکن کرہی چکن تیار ہے۔ اسے کھائیں اور مجھے دعا میں دیں۔

ارم صابروہ..... تلہ گنگ

شکر قندی کی کھیر

اشیاء:-

شکر قندی

چھوٹی الائچی

دودھ

بادام اور پستے

چینی

آدھا کپ باریک کٹے ہوئے

دو کپ یا حسب نشتا

ترکیب:- شکر قندی کے موٹے موٹے ٹکڑے کر کے دودھ میں ڈال کر ہلکی آٹے پر اتا پکائیں کہ شکر قندی بہت اچھی طرح گل جائے۔ پھر اس کو دودھ میں ہی میس کر لیں۔ چینی بھی ڈال دیں اور مزید پکے دیں۔ اتنا کہ وہ گاڑی ہو جائے پھر پسی ہوئی الائچی ملا کر دو منٹ چمچ چلائیں پھر ڈش میں نکال کر بادام پستے چھڑک کر فریج میں رکھ دیں اور ٹھنڈی ہونے پر سرو کریں۔

فرخندہ گڑیا..... خانہ عوال

دہی گوہی

اشیاء:-

گوہی (درمیانے سائز کی)

ایک عدد

حسب ضرورت

تیل یا گھی

پیاز

ٹماٹر

دہی

لہسن کے جوتے

اورک

عدد 11

عدد 4

100 گرام

عدد 6

چھوٹا کلا

ترکیب:- گوہی نمک والے گرم پانی میں بھگو لیں۔ گوہی کو چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ کر فرانی پین میں گھی گرم کر کے مل لیں۔ ایک الگ برتن میں کٹی ہوئی پیاز ٹماٹر اور دہی کو اچھی طرح پھینٹ لیں۔ فرانی پین میں گھی گرم کر کے مسالے کو مل لیں۔ اورک اور لہسن کو پیس لیں۔ اس میں پانی ملا کر اسے چھان لیں اور اورک اور لہسن کے اس عرق کو پیاز ٹماٹر اور دہی والے آمیزے میں شامل کر دیں۔ ایک کھلے منہ کی پتیلی میں گوہی اور دہی والے آمیزے کو خوب پکائیں۔ تھوڑی دیر میں مسالے دار گوہی تیار ہوگی جسے آپ حرے سے کھا سکتے ہیں (اور اس ناچیز کو دھو دے سکتے ہیں)

مسز نشاط..... لاہور

گاجر کی کھیر

اشیاء:-

دودھ

گاجر

چینی

چھوٹی الائچی (پسی ہوئی)

بادام

کشمش

ترکیب:-

گاجروں کو چھیل کر کدو کش کر لیں۔ ایک برتن میں دودھ کو اہال لیں اور ابلے ہوئے دودھ میں کدو کش کی گئی گاجروں کو شامل کر دیں۔ اسے درمیانی آٹے پر پکائیں جب گاجریں دودھ میں اچھی طرح حل ہو جائیں اور دودھ گاڑھا ہو جائے تو اس میں چینی اور پسی ہوئی الائچی ڈال دیں۔ کشمش اور کٹے ہوئے بادام کو سجا کر گاجر کی کھیر پیش کریں۔

نشاط کامران..... کراچی



DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY



# بیوٹی کانسپٹ

روبین احمد

سرجری کرائی جاتی ہے اور اس سے مرد اور عورت دونوں یکساں فائدہ اٹھاتے ہیں۔

ہارسلیم..... کراچی

میک اپ کرنے کا آسان طریقہ

سب سے پہلے اپنے چہرے پر ایک چٹلی بھر سوڈا بائی کاربونیٹ ملیں پھر پانی سے اچھی طرح دھو لیں پھر برف کا ٹکڑا لے کر اسے پورے چہرے پر اچھی طرح ملیں۔

گہری رنگت کی حامل خواتین کے ساتھ اکثر یہ مسئلہ پیش رہتا ہے کہ ان کے گالوں کی رنگت تو مناسب ہوتی ہے مگر پیشانی سے ٹھوڈی تک کا باقی حصہ گہری رنگت کا ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ آنکھوں کے نیچے استعمال ہونے والا کنسلر ہلکے رنگ کا ہو البتہ پیشانی اور ٹھوڈی کے دیگر حصوں پر نسبتاً گہرا رنگ استعمال کریں اور کنسلر سے دوشیدہ گہرا فاؤنڈیشن ہلکی رنگت والی جگہوں پر لگائیں۔

ہین اسٹک

پورے چہرے پر ہین اسٹک ایک جیسا لگائیں اور اسے گردن اور گالوں پر بھی استعمال کریں۔

ہین کیک

گیلے آئینے کی مدد سے چہرے پر ہین کیک لگائیں اور آہستگی سے پورے چہرے پر اسے پھیلا دیں۔ اسے بھی گردن اور کانوں پر لگائیں۔

گالوں کو خوبصورت بنائیں

گالوں کو خوب صورت رنگت کے لئے دارچینی کے رنگ کا پشتر استعمال کریں۔ بہتر نتائج کے لئے بڑے برش کی مدد سے آہستہ آہستہ پشتر لگائیں۔

ہونٹوں کی خوب صورتی کے لئے

اگر آپ کے ہونٹ کھردرے یا بھٹے ہوئے ہوں تو کوئی بھی کریم کی دھسلین کا استعمال باقاعدگی سے کریں۔ ان پر لیپ سیل (Lip Salve) لگائیں زائد اپ سیلوشو پراؤٹ لائن بنائیں اور پھر اس آؤٹ لائن کے اندر رنگ کی لیپ اسٹک لگائیں اگر چاہیں تو ہلکے رنگ بھر کر استعمال کر سکتی ہیں۔

مسکارا

چلوں کو دیدہ زیب بنانے کے لئے مسکارا استعمال کریں۔ سب سے پہلے دونوں آنکھوں کی اوپری چلوں پر مسکارا کا ایک کوٹ لگائیں اور خشک ہونے تک انتظار کریں۔

جلد کو ٹائٹ کرنے کا طریقہ

ماہر جلد، جلد کو کسے اور تنگ کرنے کے لیے کئی طریقے استعمال کرتے ہیں مگر کچھ ایسے نسخہ جات بھی ہیں جنہیں آپ گھر میں بھی استعمال کر سکتی ہیں اگر آپ کسی ماہر کی خدمات حاصل نہیں کرنا چاہتی ہیں تو گھر پر ہی سب کچھ ہو سکتا ہے یہ طریقہ کار روشن سے لے کر وٹامن اور کوئین پروڈکشن تک مشتمل ہے اور اس میں کاسمیٹک سرجری بھی شامل ہے۔

اسکین کو کسے یعنی ٹائٹ رکھنے والی کریم کو آپ ساری زندگی استعمال کریں مگر دیکھنے والی بات یہ ہے کہ آپ اس کا استعمال کریں یا نہ کریں ایک وقت میں آپ کی عمر آپ کی جلد کو بہر حال متاثر کرے گی۔ دھوپ اور عمر کی بڑھوتری جلد میں کوئین کو کم کر دیتی ہے جو آپ کی جلد کو نرم اور ملائم رکھتا ہے اور ایک بھر پور لک دیتا ہے جیسے جیسے اس کی مقدار کم ہونے لگتی ہے اسی مناسبت سے آپ کو جلد کسے کے طریقے پر عمل کرنے کی ضرورت پڑنے لگتی ہے۔

ملاحظہ اس میں سے بہترین انتخابات کاسمیٹک سرجری ہے خوش قسمتی سے جو خواتین سرجری نہیں کرنا چاہتی ہیں ان کے لیے کچھ متبادل کا نظام ہو گیا ہے مثال کے طور پر بلیو کس ایکشن ہے جس کو لگانے سے جلد تنگ جاتی ہے اور شکنیں دور ہو جاتی ہیں اور بھی دوسرے طریقے ہیں وہ بھی ایکشن کے ذریعے کھال میں ڈالے جاتے ہیں، جلد سے لکیریں دور کرنے کے لیے ایڈیوپوز کا بھی استعمال کیا جاتا ہے اس پروسیس کو قہریم اتج کہا جاتا ہے ایک اور طریقہ ٹائی ٹین کہلاتا ہے جس میں انفرائیڈ شعاعیں استعمال کی جاتی ہیں لیزر ٹیکنالوجی میں مسلسل اضافہ ہوتا ہے اور دیگر شعبوں کے ساتھ ساتھ سرجری میں بھی اس کا استعمال کیا جا رہا ہے۔

اس ٹیکنالوجی سے فائدہ اٹھانے سے پہلے کسی ماہر جلد سے لازمی مشورہ کر لیں بہت سے اچھے لوہنر اور کریم پروڈکشن ہیں جو چہرے اور جسم پر لگائی جائیں تو بہت فائدہ ہوتا ہے سرجری آخری آپشن ہے اور عموماً پیٹ، ران اور فیس لفٹ کے لیے



اگر مہکار اگانے سے پلکوں کے بال کچھے کی شکل اختیار کر لیں تو انہیں احتیاط سے الگ الگ کر لیں۔ اس کے لئے عام ٹوتھ برش استعمال کریں۔

عرق کلاب انسانی جلد کے لئے ایک گوہر نایاب ہے اور جلدی امراض کے ڈاکٹر انہیں متعدد بیماریوں کے لئے استعمال کراتے ہیں۔ مثلاً

پلیٹیں  
بہتر یہی ہے کہ مصنوعی پلیٹیں استعمال نہ کریں۔ اس سے  
چہرے کے مجموعی تاثر پر اثر پڑ سکتا ہے۔ لیکن اگر کسی وجہ سے  
مصنوعی پلیٹیں لگانا ضروری ہو تو اس کے لئے مناسب سائز کی  
پلیٹیں استعمال کریں۔ خیال رہے کہ اسے ٹوئزرز کی مدد سے  
چپکا دیں۔ اور پھر مسکارا کی مدد سے مصنوعی اور اپنی حقیقی پلکوں  
پر برش کریں۔

☆ عرق گلاب جلد سے پانی کے ضرورت سے زیادہ اخراج کو روکتا ہے، عموماً گرمیوں کے دنوں میں جنہیں زیادہ پسینہ آتا ہے، عرق گلاب کا استعمال انہیں پسینہ کی بدبو سے نجات دلاتا ہے۔

☆ سردیوں میں انسانی جلد بہت خشک ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے جلدی امراض مثلاً ایگزیمہ لاحق ہو جاتا ہے عرق گلاب اس بیماری سے بچاتا ہے۔

☆ سردیوں میں بچوں کے چہرے پر سفید اور کھر درے نشان بن جاتے ہیں جن کو عموماً نکلیسیم کی کمی سمجھا جاتا ہے، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ یہ نشان (PITYRIASIS ALBA) کہلاتے ہیں جو ایک جلدی بیماری ہے۔ عرق گلاب کے مسلسل استعمال سے نہ صرف اس مرض کا علاج ممکن ہے بلکہ اس مرض کی روک تھام کیلئے یہی قدرتی دوا سستی اور موثر ترین ثابت ہوتی ہے۔ ڈاکٹر عرق گلاب اور گلیسرین برابر مقدار میں ملا کر بچوں کے چہرے اور جسم پر لگانے کی ہدایت کرتے ہیں۔

فیکٹریوں میں کام کرنے والے مزدور، مستری، راج وغیرہ ایسے لوگ ہیں جن کو سیمنٹ اور کیمیکلز سے الرجی ہو جاتی ہے۔ ان کی جلد سرخ اور خست ہو کر پھٹ جاتی ہے جبکہ ہاتھ پاؤں بھی پھٹ جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ کام نہیں کر سکتے۔ اس خوفناک مرض سے نجات کیلئے عرق گلاب میں گلیسرین کی آمیزش کر کے انہیں دوائی استعمال کرائی جاتی ہے۔







دوسرا انعام ۳  
پیارا آنجل

سے پیارا ہے

شاعره:  
الانعام

کیسے بیٹا پل پل ہے  
یادوں سے اس کی بو جھل ہے  
ہر اک یاد میں سورنگ ہیں  
رنگوں کی بارات بھی ہے  
پھولوں کی خوشبو بکھری ہے  
دیکھو، ہم کو یاد ہے نا  
آج اسکی سالگرہ ہے نا  
دلوں پہ جو کرتا ہے حکومت  
لفظوں میں حس کی جان ہے نا  
تھوڑا سا تو لگتا ہے سنجیدہ  
ویسے بڑا چنچل ہے نا  
میں تو پورا سمجھ گئی ہوں  
تم بھی یقیناً بوجھ چکی ہو  
سہہ پیارا آنچل ہے نا  
گنجل کدے دے اس کو مبارک  
آنچل کی سالگرہ ہے نا

طیبہ غفر مغزل.....راولپنڈی

یہ دن بہت خاص ہے شاید  
سب کدل کی آس ہے شاید  
آنچل کا سایہ سب پہ فلن ہے  
کبھی دل سے دعاؤں میں مگن ہیں  
چمکتا رہا لب کے آسماں پہ  
روشن ستارہ یہ جہاں پہ  
دیتے ہیں دل سے اس کو مبارک  
سب کو ہے آنچل سے بہت محبت  
سجاتا ہے سب کے ادبی پارے  
مریم عروج افشاں شہباز الفت سارے

ادب کی کہکشاں کا  
چمکتا ستارہ ہے  
بہت منفرد بہت  
پیارا آنچل ہمارا ہے  
ایک گلدستہ ہے یہ  
خوبصورت تحریروں کا  
اور عمدہ لوگوں نے  
اس کو سنوارا ہے  
ہر سلسلہ کمال اور  
ہر سرورق ہے عمدہ  
جتنا اندر سے دلکش  
باہر سے بھی اتنا پیارا ہے  
ہے ہر تحریر دل پذیر  
اور سبق آموز اس کی  
کچھ ہنوں کو کیا  
خوب اس نے نکھارا ہے  
جو پڑھ لے اس کو ایک  
بار دیوانہ ہو جاتا ہے  
آنچل بن جاتا ہر  
قاری کا دلارا ہے  
ہے سالگرہ اس ماہ  
ہمارے آنچل کی  
اور صبر اول بے اختیار  
ہو کر یہ پکارا ہے  
کمرے میدانِ دینی ترقی  
لو آگے بڑھتا جائے  
کہ ہر قاری کو یہ جان







ہاجرہ عمران خان ..... لاہور

سید عروج فاطمہ..... سلمان

سنہری بہنا..... سن رے بھائی  
آچل کی پھر سا لگے آئی  
اس کا ہر لفظ پیارا  
جیسے نغمہ پہ چکا تارا

دل میں اچھے ناول سارے  
 لکھتی ہیں یہیں افسانے پیارے  
 میں نے لیکن پڑھا بہت کم  
 لیکن پھر بھی یاد ہے ہر دم  
 اس کا ٹائٹل دیدہ زیب  
 اس میں باتیں دلغریب  
 رات کو نیند کسی کو نہ آئے  
 جب تک اس کو پڑھ نہ پائے  
 اچھا آنچل پیارا آنچل  
 دل کو بھائے ہمارا آنچل

غلام یاسین نوٹاری.....چوک سرور شہید  
تقم

آنکھوں میں بہت سے رنگ لے کر  
دیکھا جوا آسمان کی طرف  
دور چمکتا ایک ستارا، آنچل ہمارا  
دھیرے سے مسکرا کے دیکھا  
ہلکی سی چھب دکھاتا  
اور پھر بادلوں میں چھب جاتا  
دور چمکتا ایک ستارا، آنچل ہمارا  
دعا کو ہاتھ اٹھائے  
تو مانگی بس یہی دعا  
یونہی بلند ہے سدا  
دور چمکتا ایک ستارا، آنچل ہمارا

دلکش مریم..... چنیوٹ

غزل

دھنک کے رنگوں سے سجا آئجل  
چاہت کے دھاگوں سے بنا آئجل  
گلوں کی خوشبو سیٹھے ہوئے ہے  
بھنی بھنی مہک سے مہکا آئجل  
سالگرہ کی خوشیاں ہوں مبارک  
سدا ہی خوشیاں بانٹتے رہنا آئجل  
میرے کیک کے ذائقے انوکھے



جیسے چپٹا، کٹا، بیٹھا آجکل  
زندگی کی دھوپ، چھاؤں میں  
سنگ سنگ رہتا ہے میرا آجکل  
رسمانا عجاز..... ڈیفرنس

ساگر ہوا  
رنگ بکھیرنے والے کی  
جس نے صبح کو  
نکلنے والے سورج کی مانند  
ہر سو بکھیری  
روشنی کی وہ کرنیں ہیں  
جن کی روشنی میں نہا کر  
ہر لفظ روشن ہر تحریر چمکدار ہو  
دھنک کی مانند بکھرے  
رنگا رنگ آج کل کو  
سدا روشنی بکھیرنے کی  
دعا دیتی ہوں  
ہاں اس موقع پر میں  
تمہیں اپنے آج کل کے رنگ  
سوغات دیتی ہوں

سناگر مبارک  
 تمہارے جنم دن پر  
 اک بات سوچ رہا ہوں  
 میں سارے جہاں کو کھونج رہا ہوں  
 کہ تمہیں کیا تحفہ دوں  
 کوئی رنگ برنگ جوڑا  
 یا پھر چوڑیاں  
 لیکن ان سب چیزوں سے  
 تمہارے لبوں پر مسکان نہیں آتی  
 پھر مجھ کو اک خیال آیا  
 میں تمہارے لیے آچل لے آیا

اب جو تم مسکراتی ہو  
کہانیاں پڑھ کر ہو جاتی جید باتی ہو  
پھر میرے خیال میں آ جاتی ہو  
تب آپکل کے لیے دل سے بے سرا  
کامیابیوں کی راہوں پر اس کے مقصد  
میں یہ التجا کرتا ہوں

رب سے دعا کرتا ہوں  
ہمارا آنچل یونہی چمکتا دکھتا رہے  
سید عبادت کاظمی..... ڈیرہ اسماعیل خان  
تمہاری سالگرہ پر

ہزاروں لفظ ہیں  
ہم کو امیرے  
ہزاروں مسکراہٹیں ہیں  
جو تیرا نام سن کر  
لبوں کو آباد کرتی ہیں  
دعاؤں کے سیلاب  
ہیں لٹا آتے  
کہ اک تم ہی تو ہو  
جو اپنی تحریروں سے  
میرا آجکل خوشیوں سے  
ہو بھر دیتے

میری بدنگ ساعتوں میں  
چند بل کو  
کنول جو کھلا دیتے  
تمہاری سالگرہ پر  
ہے یہ دعا میری  
کہ تم آسمانوں پر  
اڑتے جاؤ  
بلند یوں کی دہلیز کو  
تم چھوٹے جاؤ

طوبیٰ عجائب..... باغ آزاد کشمیر  
غزل







چاند چہرے اور ستارہ آنکھوں والی عزیز بہنوں کے نام  
تسیم سیکینہ صدف، فریدہ جاوید، فریدہ خانم، کاجل شاہ، تسیم  
نیازی، پروین افضل شاہین، ریحانہ آفتاب، کوثر خالد، ام مریم،  
سباس گل، نزہت حبیب، ضیاء باجی، نگہت غفار اور سب بہنیں،  
اللہ تعالیٰ آپ سب کو ہمیشہ خوش و آباد رکھے۔ آنجل کے ساتھ  
جرے رہے، آنجل اوڑھے رکھے، کآنجل کا تقدس قائم رہے  
اور آنجل قائم و دائم رہے۔ پاکستان کا ہر قاری دکھوں اور غموں  
سے دور خوشیوں بھری زندگی گزارے آمین۔

فصیح صفحہ خان.....ملتان

جویریہ طالب اور آنجل فریڈز کے نام  
السلام علیکم! جویریہ تمہیں سالگرہ مبارک ہو! 21 مارچ کو  
تمہاری برتھ ڈے تھی اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہر قدم پر  
کامیابیاں اور خوشیاں عطا کرے اور کوئی غم تمہارے نزدیک  
نمائے آمین۔ ارم کمال طیبہ نذیر تارا شاہ مدیحہ نورین مہک  
سباس گل ایس بتول شاہ دلکش مریم شاہ زندگی فوزیہ سلطانہ  
پروین افضل شاہین بتول شاہ اور دعائے سحر آپ سب لوگوں  
سے دوستی کرنا چاہتی ہوں، پلیز جواب ضرور دینا رب رکھا۔  
حکیمہ قمر..... چچا سید شاہ

بہت ہی پیاروں کے نام

سب سے پہلے میں بات کروں گی اپنی معصوم اور ملتسار محبت کرنے والی نند فریدہ جاوید فری کی وہ بہت ہی محبت دیتی ہیں ان کے لیے ہر نماز میں ان کی صحت یابی کے لیے دعا کرتی ہوں میں بھی اور میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین بھی۔ زنیہ طاہر زونی آپ کا سلام میں نے بھی قبول کیا اور آپ کے بھائی پرنس افضل شاہین نے بھی اور ہاں آپ جب ہمارے سپر 90 ایف ایم ریڈیو بہاولنگر پر ہمارے نام سلام بھیجتی ہیں تو ہمیں بہت ہی اچھا لگتا ہے آج کل آپ کیا کر رہی ہیں؟ ماریہ کنول ماہی! چلیں میرے میاں یاد نہیں

کرتے آپ تو کرتی ہیں ناں۔ کوثر خالد! میرے لیے دعا کرنے کا شکر۔ مجھ انجم احوان! کیا واقعی میرے میاں ایسا ہی کرتے ہیں؟ کھل مینا خان! کیا واقعی قدر رکھو دیتا ہے روز کا آنا جانا۔ نورین مسکان سرور! قصی کشش! میں ٹھیک ہوں آپ کیسی ہیں۔ ماہ رخ سیال رشک حنا! ارے میں نے ویسے ہی مذاق میں کہہ دیا تھا آپ نے تو بالکل دل پر لگا لیا۔ میری بہنا شبنم کنول! آپ میری بہنوں کے جیسی ہیں بے فکر رہیں ہماری دوستیں ایسے ہی کامیابی سے چلتی رہے گی۔ نازیہ کنول نازی آپ کو زندگی شادی کی دلی مبارکباد قبول ہو۔

بیرون افضل شاہین..... بہاؤنگر

ہزاروں شہزادیاں دے مائیں

السلام علیکم! امید ہے میرے شہر کی بچیاں کچھ ٹکماں تے  
کچھ وڑیاں ٹھیک ٹھاک ہوں گی۔ سب سے پہلے پیاری  
نورین مسکان سرور کیسی ہیں آپ؟ مئی میں انم خان کی چھوٹی  
بہن ہوں اب آئی ہوں سلمیٰ عنایت حیا آئینہ میں آپ کا نام  
بہت لیٹ پڑھا مجھے لگا تھا کسی نے جواب نہیں دیا لیکن آپ  
کو پڑھ کے اچھا لگا۔ آپ کی دعاؤں کا بہت شکریہ میں خود  
کے ٹی ایس کی ہوں اس لیے مجھے آپ کی خوشی زیادہ ہوتی  
ہے، لکھتی رہیے اور ہمیشہ خوش رہیے۔ سامعہ ملک پرویز کس  
آپ کی اسٹوڈنٹ سے آپ کے بارے میں سن کے بہت  
خوش ہوئی آپ کے جواب کا انتظار رہے گا ان شاء اللہ۔

کنول خان.....ہری پور ہزارہ

## ڈاکٹر بوائے ہینڈ پیاروں کے نام

السلام علیکم! ریڈرز رائٹرز اینڈ اسٹوڈنٹس آف جمل والوں کیسے ہیں! کیسے مزاج ہیں آپ سب کے؟ میں نادیدہ تبسم آپ سب سے جس ہستی کے نام یہ لکھنا چاہتی ہوں وہ میری بہت ہی عظیم ہستی ہے۔ ارے ارے رک تو سہی اتنی بے صبری اچھی نہیں ہوتی صبر سے کام لینا چاہیے۔ ارے تانیہ میڈم آپ بھی ذرا صبر سے کام لو۔ السلام علیکم! پیارے بھیا جانی کیسے ہیں؟ آپ کے مزاج کیسے ہیں اور آپ کے بیوی بچے کیسے ہیں؟ چلو وہ تو ہمارے پاس ہی ہیں ان کا میں آپ کو بتا دیتی ہوں۔ وہ تینوں ٹھیک ٹھاک بلکہ فٹ فٹ ہیں آپ کو بہت مس



آپ کی تینوں بہنیں بھی آپ کو بہت زیادہ مس کرتی ہیں،  
کریں کیوں نہ جی آپ اکیلے بھائی ہیں ان کے آپ میں تو

ایک اور خوب صورت سال اختتام پذیر ہوا۔ ہماری دعا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ خوش و خرم رکھے آپ کے ہونٹوں کی دلفریب مسکراہٹ کبھی ماند نہ پڑے۔ زندگی کے ہر موڑ پر خوشیاں ہمیشہ آپ کے لیے دامن پھیلائے بیٹھی رہیں اور رنج و الم کی آندھیاں کبھی آپ کی زیست میں نہ چلیں۔ آپ جہاں بھی رہیں خوش باش رہیں (اور آزاد رہیں) آمین ڈیر ٹیچر جی عمرہ شریف کی مبارک باد قبول کیجیے۔ اللہ رب العزت آپ کو بار بار ایسے موقعوں سے نوازے آپ واقعی میں خوش قسمت ہیں کہ آپ اللہ پاک کا گھر دیکھتے ہیں جس کو دیکھنے کی ازلی وابدی خواہش ہر مسلمان کی ہوتی ہے کیا آپ نے ہمارے لیے بھی دعائیں مانگی تھیں (سچ بتائیے گا؟)۔ ارے ارے رکواس ننھی سی جبہ سے تو ملو جو ہماری ٹیچر مہوش کی بیٹی 90 ڈگری کے زاویے بتائے بالکل اپنی آنٹی فرح کی طرح لگ رہی ہے ہائے جبہ ہائے جبہ (ہاہاہا)۔ مس جی آج آپ کو شادی کی سالگرہ دس کرتے

نادیہ تبسم..... ڈسکہ

میرے کچھا کھٹکلو کے نام

پیاری بہن طیبہ ڈیر فرینڈز طیبہ سعید اقرء فضل منیبہ  
نمرہ ثناء ولایت خدیجہ کنزہ نورین مقدس بشیر اور کیوٹی  
مس انور افشاں کے نام سب کے لیے میری جانب ایک  
ایک جملہ۔ مسٹر طیبہ! خدا تمہیں کامیابی عطا کرے اور تمہارا  
ڈاکٹر بننے کا خواب پورا کرے۔ طیبہ سعید تمہارے لیے بس  
یہی کہوں گی کہ آپ میری بہترین اور پیاری دوست ہیں۔  
اقرء فضل اور منیبہ کم ہنسا کرو اور اقرء تمہارا سوال پوچھنا مجھے  
اچھا لگتا ہے۔ نمرہ تمہارا مزاج یہ انداز مجھے بہت پسند ہے۔ ثناء  
خدیجہ اور کنزہ باتیں تھوڑی کم کیا کرو مقدس تمہاری سلام  
کرنے کی عادت مجھے بہت پسند ہے جسے میں کبھی نہیں  
بھولوں گی اور میری کیوٹی ٹیچر مس نور افشاں آپ ہنستی ہوئی  
بہت پیاری لگتی ہیں۔ ہمیشہ میرے لیے دعا گو رہیے گا اور  
مجھے گریا اور شہزادی کہتی رہیے گا۔ مذکورہ بالا اور میری باقی تمام



ایک بار پھر ماضی کی یادیں تازہ ہو گئیں۔ آج تک ہم سب وہ دن فراموش نہیں کر پائے جو آپ کی سنگت میں گزارے تھے۔ ان دنوں کی دوبارہ واپسی ناممکن ہے جیسا کہ آپ اور ہم سب جانتے ہیں جتنے عرصے آپ کے پاس پڑھا وہ دن ہمیں بھلائے نہیں بھولتے آپ کی طرح سویت اور ذمہ دار ٹیچر آج تک کبھی نہیں ملی اور نہ ہی آپ کی طرح ہر لحاظ سے پرفیکٹ ملے گی۔ مس جی بھیا جانی کیسے ہیں؟ میں نے مطلب ہم نے سنا ہے کہ وہ ہر وقت آپ کا بلوٹھا ہے آپ کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں (ہاہاہا) اوہیلو بھیا جانی ہمارے ٹیچر کو ہمارے گاؤں میں گھمانے لے آئیں جب کہ آپ پاکستان آ ہی گئے ہیں (پیار بھرا حکم)۔ مس جی اپنی دعاؤں میں ہم نالائق اسٹوڈنٹس کو بھی یاد رکھ لیا کریں آخر میں ہماری دعا ہے کہ آپ جہاں رہیں خوش و آباد رہیں۔ ہماری طرف سے سب کو سلام کہیے گا اور ضرور اپنی رائے سے آگاہ کیجیے گا کہ کیسا لگا ہمارا آپ کو آنچل کے تحت وٹ کرنا اور آنچل کے لیے بھی دعا ہے کہ اللہ اس کو مزید سے مزید ترقی عطا فرمائے جس کی وجہ سے آج ہم اپنے پیاروں سے پیاری پیاری باتیں کر سکتے ہیں، تھینک یو آنچل جی رب راکھا۔

تانیہ جہاں بشری کنول سرور..... سیالکوٹ ڈسکہ  
آپی جیا عباس اور آنچل فرینڈز کے نام

عزیز از جان قارئین! مابدولت کی طرف سے آنچل اسٹاف ریڈرز اینڈ رائٹرز کو خلوص بھرا سلام قبول ہو۔ پیاری جیا آپی! آج میں نے پھر الفاظ کو آپ کی خیریت دریافت کرنے کے لیے صفحہ قرطاس پر بکھیرا ہے آپ کی طرف سے پوزیٹو جواب نہ پا کر دل تھوڑا افسردہ ہوا مگر امید نہیں چھوڑی کبھی ناں کبھی تو آپ مجھے رسپانس دیں گی ناں۔ آپی آپ اپنی زندگی میں ہمیشہ شاد و فرحان رہیں زندگی کے ہر موڑ پر ترقی اور خوشیاں دامن پھیلانے آپ کی خطر بیٹھی رہیں اور اللہ رب العزت آپ کو تمام درپیش مسائل سے چھٹکارا عطا فرمائے آمین۔ مدیحہ کنول آپی آپ نے مجھے ناچیز کو یاد رکھا جزاک اللہ خیرہ! ڈیسٹ سسٹر مدیحہ نورین مہک آپ نے مجھے بھی اپنی مصروف زندگی سے تھوڑا سا وقت نکال کر یاد کیا

اس کے لیے اتنا ہی کہوں گی جزاک اللہ خیرہ۔ میں امید کرتی ہوں کہ آپ آئندہ بھی اپنے چند قیمتی پل میرے لیے ضائع کر کے مجھے یاد کر لیا کریں گی آپ کے جواب کی منتظر رہوں گی۔ لائبریریز گلش مریم (کیسی ہوا آپ)۔ پارس شاہ مونا شاہ قریشی حرافریشی (آپ سب کیسی ہیں)۔ آمنہ رحمن مسکان (شکریہ آپ کا)۔ ایم سیال فاطمہ صائمہ سکندر سومرو ایس بتول شاہ عائشہ رحمن ہنی (آئی لو یو آل آپو)۔ عتوہ یونس دعائے سحر پرنسز اقو نورین مسکان سرور کوثر خالد صائمہ مشتاق (کریں گی ناں پھر دوستی)۔ شمع مسکان نزہت جنیں ضیاء آپی (خوش و خرم رہیں)۔ نازیہ کنول نازی سمیرا شریف طور (انٹری دیں پلیز)۔ میں آپ سب کے جواب کی منتظر رہوں گی جہاں رہیں شاد و آباد رہیں۔ ارم کمال (ہیلو) پروین افضل شاہین اقراء صغیر احمد شبنم کنول خان (کیا آپ واقعی میں پٹھان ہیں؟) انا حب! کیسی گزر رہی ہے زندگی؟ تمنا بلوچ! اپنا ہمیں بھی یاد کر لیا کریں۔ ماہ رخ سیال طیبہ خاور پھول لہجہ احمدی اسمین کنول ہائے اپنا اوہیلو جی کدھر منہ اٹھائے جارہی ہیں آپی مہوش رزاق جی تھوڑا زیادہ کھایا کریں۔ آپی نادیا آپی تانیہ جہاں آپی فرح مغل اوسوہو ٹھیک تے ٹھاک او ناں۔ آپو گلشن مس عذرا مس مہوش مغل (مس جی کیا حال چال ہے اور ننھی حب)۔ زینہ مغل بڑی بے وفا ہو بلکہ ایک نمبر کی ہو۔ اقراء اعجاز نگار شوکت عروج اجالا عروج قدیل ردا حبیبہ رمشاہ طاہر سحر اقراء اسلم (ہائے)۔ مریم مسکان سرور بزدل کیسی ہو (ہاہاہا)۔ برامت ماننا سسٹر! سدرۃ المنتہی اقراء ناز آپ دونوں بھی ٹھیک ہیں؟ صوبیہ سرور (خوش رہو) آپی ثوبیہ اسلم ہاربی ڈول ہو۔ رمشاہ یسین کر دیا ہاؤ پھر دیے تھینکس آپ کا بہت بہت۔ ثناء شریف (بد معاش کب سے بن گئی ہو؟) آخر میں آپ کے جواب کی منتظر رہوں گی جیا آپی پلیز رسپانس دینا اوکے۔ میری طرف سے آنچل کو سا لگ رہا مبارک ہو ماشاء اللہ اتنا بڑا ہو گیا رب راکھا۔

نورین مسکان..... ڈسکہ

پیاری پریوں کے نام







میری دوستیں ہو۔ سیدہ لوبابہ سجاد آپ سے ملنے کی خواہش ہے۔ عاصمہ اقبال آپ کو اور طیبہ نذیر کو شادی کی مبارک باد۔ حسینہ یار اپنا تعارف بھیجنا۔ میری تمام کلاس فیلو کہاں مر گئی ہو دوستو نمبر بھی بند کر رکھے ہیں بشریٰ صغیر، لیریٰ زینب، بشریٰ طوبیٰ سواتی، سدرہ شفیق، نوشین، ماہ نور، کنزہ سب عائب ہو۔ رابطہ کرو بے وفاؤں دعاؤں میں نام لے کر مجھے یاد رکھیں فی امان اللہ۔

عابدہ مغل..... بھیر کنڈ، مانسہرہ

آپنی جان شازیہ ہاشم کے نام

السلام علیکم! آپنی جان شازیہ ہاشم کیا حال ہے ڈیر سٹ سائرہ اینڈ نبیلہ جلدی سے اپنی شادی میں مجھے بلوالوں۔ آنجل کا حصہ بننے ہوئے تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئی امرینہ تمہاری ایصال کیسی ہے۔ ثمرینہ تمہارا بیٹا کیسا ہے؟ سلمیٰ ہمارے لیے بھی دعا کیا کرو۔ میزاب قصور آپ نے دوبارہ آنجل میں انٹری ہی نہیں دی، فائزہ بھٹی آپ تو ہمارے شہر کی ہو، اوکے اللہ حافظ۔

نورالاشال شہزادی..... کھڑیاں قصور

این کے این کے نام

السلام علیکم! امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی اتنی بے رخی اتنی بے حسی کسی کو اپنا ہونے کا یقین دلا کر پھر یوں ذلیل کرتے ہیں؟ مجھے یقین نہیں آتا کہ آپ ایسا کر سکتی تھیں بہت کچھ کہنے کو دل کر رہا ہے لیکن پھر بھی کہا نہیں جاسکتا۔ کوئی بات نہیں ہمیشہ خوش رہیں آمین۔ جس غلط فہمی کی وجہ سے آپ دور ہوئی ہیں وہ صرف آپ کی غلط فہمی ہی ہے یاد رکھیے گا۔ اوکے ابھی تک اس شام کا انتظار ہے جس میں آپ کا فون آتا تھا بائے۔

مدیحہ گل..... فیصل آباد

نورین مسکان اور طیبہ سعید کے نام

السلام علیکم! امید ہے آپ دونوں بخیریت ہوں گی میرا نام ثانیہ مسکان ہے اور میں آئی سی ایس پارٹ نو کی طالبہ ہوں۔ آنجل کے توسط سے آپ دونوں کو جانتی ہوں اور آپ دونوں سے دوستی کی شدید خواہش رکھتی ہوں۔ کیا آپ دونوں

مجھے اپنے فریڈ ز گروپ میں ایڈ کریں گی؟ آپ دونوں سے مجھے خصوصی لگاؤ ہے اور میں نے نہایت خلوص سے دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے۔ امید ہے آپ دونوں جواب ضرور دیں گی مجھے انتظار رہے گا اور طیبہ پلیز جواب ضرور دیجیے گا۔ مس رینی اور ارتج ساجد کو سالگرہ مبارک اللہ آپ کو ہزاروں خوشیاں عطا فرمائے اور میم آپ کو شادی کی بھی مبارک باد۔ اللہ کرے کہ آپ کی زندگی کا یہ سفر آپ کی خواہشات اور امنگوں کے عین مطابق اور پرسکون گزرے آمین دیگر آنجل ریڈرز کو سلام اللہ حافظ۔

ثانیہ مسکان..... تحصیل گوجران

لاڈو ملک اور دوستوں کے نام

عزیزی لاڈو ملک (زاہدہ ملک) تمہیں میری طرف سے دل کی تمام تر نیک خواہشات کے سنگ نکاح کی ڈھیروں ڈھیر مبارک ہو اللہ پاک تمہیں بلال بھائی کے سنگ بہت ساری خوشیاں نصیب کرے۔ تم سدا سہاگن رہو اور پیامن بھائی رہو تاحیات آمین لیٹ وٹ کر رہی ہوں پلیز ناراض مت ہونا کچھ مصروفیات کی بناء پر لکھ نہیں پائی تھی۔ انا خان کیسی ہو ناراض ہو گئی ہو پیاری لڑکی مہوش شادی کی مبارک باد قبول کرو۔ سدا سہاگن رہو اللہ تمہیں سدا خوش رکھے آمین۔ عافیہ چوہدری اللہ تمہاری تمام تر مشکلات دور فرما کر تمہیں بہت ساری کامیابیوں سے نوازے آمین۔ ماہ رخ سیال سسرال کب سدا ہمار رہی ہو شاہ زندگی کی اچانک وفات کا سن کر شاک لگا مجھے یقین کرنے میں دقت ہو رہی ہے۔ ماریہ کنول بہت سا پیارا آپ کے لیے زینرہ طاہر و یکم بیک نو آنجل فیملی۔ نجم انجم اللہ آپ کو آپ کا اپنا مکان مبارک کرنے بہت سی خوشیاں نصیب ہوں آمین۔ عائشہ یونس میں اللہ سائیں کے فضل سے ٹھیک ہوں آپ کیسی ہیں؟ بشریٰ کنول بے حد شکر یہ ڈیر اقرا، لیاقت شہید، دودو سومرو کی نسل سے عمرو ماروی سومرو اور صائمہ سکندر سومرو ہیں ایک خاندان کا حصہ ہیں ہم۔ ہمارا شجرہ نصب ایک ہے میں آپ کو ٹائٹل گرل لگی یا آپ کا حسن نظر ہے جزاک اللہ پیاری لڑکی۔ جانان ملک کس دیس کی سیر پر ہو انٹری دوا آنجل میں۔ پارسا



لے کر جائے اور لے کر آئے۔ میری دیرینہ خواہش پوری ہو رہی ہے جس کے لیے میں اپنے رب کی بہت شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے جیسی گناہ گار بندی کو اس قابل سمجھا کہ میں اس کے گھر کا دیدار کر سکوں۔ آنچل کی تمام تبصرہ نگار لکھاری بہنوں کے لیے دعائیں کروں گی والسلام۔

دن بہ دن تجھ پر ہو ترقیوں کا عروج  
خدا کرے کبھی تم پر آئے نہ زوالِ آمین

صائمہ سکندر سحر و..... حیدر آباد سندھ

عطیہ کے نام

السلام علیکم! امید ہے تم خیریت سے ہوگی، عطیہ میں تمہیں بہت یاد کرتی ہوں۔ دن رات تمہاری صحت کے لیے دعائیں کرتی ہوں، مہربانی ہوگی پڑھنا ضرور۔ خدا بتول تمہیں بہت یاد کرتی ہے، ملنے کو دل بہت اداس ہے۔ ہر لمحہ تیری یاد مجھے ستاتی ہے، مہربانی ہوگی مجھ سے رابطہ ضرور کرنا، مجھ سے ڈھیروں باتیں کرنی ہیں، میری جان عطیہ میں تمہیں دل سے یاد کرتی ہوں۔

نما بتول.....ستیانہ بنگلہ

آپچل فرینڈز کے نام

میں سنبل ملک آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فردا فردا سب کو سلام پیش کرتی ہوں۔ میں آج کسی بھی تبصرہ کے لیے حاضر نہیں ہوئی بلکہ جس طرح میں اپنے مسائل آپ سے شیئر کرتی رہی ہوں تو آج اپنی خوشی بھی آپ سب سے شیئر کروں گی۔ میں عمرہ کی سعادت کے لیے سعودیہ عرب جا رہی ہوں، پروین افضل شاہین اور باقی سب کے لیے خصوصی دعا کروں گی اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے خیر و عافیت سے

لے کر جائے اور لے کر آئے۔ میری دیرینہ خواہش پوری ہو رہی ہے جس کے لیے میں اپنے رب کی بہت شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے جیسی گناہ گار بندی کو اس قابل سمجھا کہ میں اس کے گھر کا دیدار کر سکوں۔ آنچل کی تمام تبصرہ نگار لکھاری بہنوں کے لیے دعائیں کروں گی والسلام۔

سنبل ملک اعوان..... ونڈ الہ دیال شاہ

آپکل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! کیسے ہیں آپ سب؟ ایک طویل عرصے کے بعد پھر سے آنچل کی محفل سجانے آگئی، امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گی۔ بہت ہی پیاری فریدہ جاوید فری اللہ پاک آپ کو صحت و سلامتی دے آمین! آپ نے مجھے یاد رکھا، شکریہ۔ طیبہ خاور پھول آپ کو میری کمی محسوس ہوئی تو ڈیر میں آگئی۔ نگینہ عمران آپ تو بالکل ہی کٹ گئی ہیں آنچل سے، کچھ زیادہ ہی مصروف ہو گئیں آپ تو۔ اللہ خوشیاں دے آپ کو آمین۔ آپ پی پوین افضل میں روز نماز کے بعد آپ کا نام لے کر دعا کرتی ہوں اللہ آپ کو ڈھیر سارے بچے آمین۔ طیبہ نذیر شادی مبارک ہو اللہ آپ کی نئی زندگی میں آسانیاں لائے آمین۔ دعائے سحر کیسی ہیں آپ؟ اُف یا فایا 15 اپریل کو نازیہ باجی اور 25 کو اسماء موٹو تمہاری برتھ ڈے ہے پکی برتھ ڈے۔ نازیہ باجی اللہ آپ کو بہت سے کاکے دے آمین۔ کوثر خالد آپ تو آتی ہیں اور چھا جاتی ہیں۔ مدیحہ نورین، دلکش مریم کا جل شاہ عائشہ پرویز، نجمہ انجم، ارم کمال، شمع مسکان کیسی ہیں آپ سب؟ حراقہ ریشی آپ لفظوں کی بجائے موتیوں سے تحریر بنتی ہیں، وہ بھی سچے موتیوں سے آنچل کی تمام قارئین کے لیے بہت سا سلام اور دعا، خوش رہیں اور خوشیاں بانٹیں۔

روبی علی.....سید والا





# یادگاہ

## جویرہ سالک

☆ ریختنے کی ساری عمر سے ایک لمحہ پرواز کا بہتر ہوتا ہے۔  
☆ صاف گوئی میں نقصان کم اور فائدہ زیادہ ہوتا ہے۔  
☆ امیرین اختر..... سیالکوٹ

### غیبت

ہر اس شخص سے معافی مانگو جس کی غیبت کی ہو یہ بہت بڑا گناہ ہے کیوں کہ غیبت کرنے والے کاٹ کاٹ کر جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

مدیحہ نورین مہک..... برتالی

گانے بجانے کا گناہ  
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں گانے بجانے کے سامان مٹا دوں اور بتوں اور (عیسائیوں) کی صلیب کو اور جاہلیت کو ختم کر دوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

جب اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دے دیا تو پھر گانا بجانا موسیقی گرامفون باجے یہ سب ہم اپنے استعمال میں کیوں لارہے ہیں؟ کیوں گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں جبکہ ہم مسلمان گناہ سے بچنے کی دعا کرتے ہیں۔

فائزہ بتول..... خانوال

### حی خوشی

حی خوشی جسمانی قوت اور دولت سے میسر نہیں آتی بلکہ اس کا راز سمجھ کی چٹکی اور علی کردار میں پوشیدہ ہے۔

صدیقہ خان..... آزاد کشمیر

### زن و مرد

☆ مرد و عورت کے لیے چاند اور تارے لانے کی آفر شاید اس لیے کرتا ہے کہ وہ اس کی ملکیت نہیں ہوتے۔  
☆ عورت اپنے شوہر کے ساتھ دوسری عورت اس وقت برداشت کرتی ہے جب اسے سزا دینے کا اور کوئی طریقہ نہ آتا ہو۔

☆ مرد کی خوبی عیب اس وقت بن جاتی ہے جب بیوی اسے بیان کرنے بیٹھ جائے۔

☆ مرد شادی کر کے کنواروں پر ہنستا ہے اور کنوارے شادی شدہ مردوں پر اور عورت ان دونوں پر ہنستی ہے۔

☆ عورت کی محبت کبھی انسان کو شرابی کبھی شاعر اور کبھی صرف شوہر بنا دیتی ہے۔

### زندگی کا چراغ

دیکھو ”زندگی کا چراغ“ بہت کمزور ہے موت کی آندھی چل رہی ہے کسی وقت بھی یہ چراغ بجھ سکتا ہے۔ موت کی تندہ تیز آندھی میں زندگی کے چراغ جلنے ہیں تو کوشش کر کے دل میں اللہ کی محبت کا چراغ جلا لو تا کہ جب اس عارضی زندگی کا چراغ بجھے تو اللہ کے نور کا امیر جنسی اور دائمی چراغ تمہارے اندر جل جائے۔ ”مثال..... جیسے لائٹ چلی جاتی ہے اندھیرا پھیل جاتا تو جزیئر چلنے سے فوراً سارے بلب جگمگا اٹھتے ہیں اور چار سو روشنی پھیل جاتی ہے۔“

اے دنیا والو ”زندگی کا چراغ“ بہت ہی کمزور ہے اور ہوا بہت تیز چل رہی ہے فوراً دوسرا چراغ جلائے کی فکر کرو۔ گناہوں سے بچ کر اللہ تعالیٰ کی نسبت کا چراغ جلاؤ کیونکہ جب آنکھ بند ہوتی ہے اور موت آتی ہے تو ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا تو اللہ والوں کے دلوں میں نور الہی کا چراغ فوراً روشن ہو جاتا ہے۔ اے انسانوں برائیوں سے بچو اور ”زندگی کا چراغ“ بجھنے سے پہلے امیر جنسی چراغ جلائے کی کوشش کرو۔

نجم انجم جوان..... کراچی

### گل پارے

☆ دنیا میں سب سے مشکل کام اپنی اصلاح ہے اور سہل کام دوسروں پر نکتہ چینی۔  
☆ انا کا مضبوط ترین خول ہمیشہ محبت توڑتی ہے۔  
☆ ایک پیسہ لاکھ نہیں ہوتا لیکن لاکھ میں سے ایک پیسہ نکال دو تو وہ لاکھ نہیں رہتا۔

☆ بہترین یادداشت وہ ہے جس میں انسان اپنی نیکی اور دوسروں کی زیادتی بھول جائے۔

☆ سب سے آسان کام خود کو دھوکا دینا ہے کیونکہ جو بات انسان کو پسند ہوتی ہے وہ اس کو سچ سمجھتا ہے۔

☆ جس عشق کا تعلق حسن سے ہے وہ زیادہ دیر تک قائم







لیکن یہ کوئی نہیں جانتا کہ لاکھوں کے مل جانے سے بھی اس ایک کی کمی پوری نہیں ہوتی۔

عائشہ ملک..... میاں نوالی

## اقوال زیریں

جو پسند ہے اسے حاصل کر لیا پھر جو حاصل ہے اسے

دل اور محبت

پسند کرو۔  
جو شخص کسی چیز کی قدر نہیں کرتا وہ موقع ملنے پر میرے کلامی  
پتھر سمجھ کر پھینک دیتا ہے۔

یہ تمہارے حق میں اچھا ہے کہ تم اچھا کرو اور زمانہ تمہیں برا  
 سمجھے بجائے اس سے کہ تم برا کرو اور زمانہ تمہیں اچھا سمجھے۔  
 میں نے اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے اللہ کو  
 پچھانا (حضرت علی)۔

تاہید شبیر رانا.....رحمان گڑھ

## محبت کا وجود

زندگی گزارنے اور جینے میں واضح فرق ہے زندگی جینے کے لیے محبت ایک لازمی جزو ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کا اظہار کرنا بھی ضروری ہے یہ ہرگز ضروری نہیں کہ محبت ایک انسان سے کی جائے جو شریک حیات ہو محبت ہر رشتے کے لیے ضروری ہے۔ والدین، بھائی، بہن، دوست وغیرہ جب ہمیں محسوس ہونے لگتا ہے ہمارے ہونے یا نہ ہونے سے ہماری خاموشی سے کسی کو فرق نہیں پڑتا تب ہم زندگی جینے کے بجائے اسے گزارنا شروع کر دیتے ہیں اپنے آپ کا جائزہ لیجئے کہ کہیں آپ کی وجہ سے دوسرا شخص زندگی جینے کے بجائے اسے گزار رہا ہو۔

عظمیٰ ہٹ..... سمندری

## سنہری باتیں

♦ یا نسواں وقت زیادہ تکلیف دیتے ہیں جب کوئی اپنا  
کھدے۔

❖ سچے اور خالص رشتے بہت خوش نصیب لوگوں کا نصیب بنتے ہیں۔

❖ دُعا کرتے ہی کیوں ہیں اگر انہوں نے  
پھر تپا ہوتا ہے۔

❖ تم جس سے محبت کرتے ہو اسی آزار چھوڑ دو اگر وہ  
نہاراے تو تمہارے پاس لوٹ کر آئے گا۔

محبت  
ایک ایسا جذبہ جو ہر کسی کے لیے نہیں ابھرتا، ایک لمحہ ہوتا  
ہے اسے محسوس کرنے کا اور بہت کم چہرے ہوتے ہیں جن کو  
دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ ہم ان سے بہت محبت کرتے ہیں  
کہ محبت بہت سے رنگوں میں بٹ جاتی ہے جیسے دوستی میں  
اس کا رنگ اور اولاد کو ماں باپ سے، ماں باپ کو اولاد سے، استاد  
کو شاگرد سے، شاگرد کو استاد سے ہوتی ہے ان سب کو اکٹھا  
کر کے محبت کا لفظ بن جاتا ہے۔

## احساس

احساس ایک ایسا جذبہ ہے جو رب کی طرف سے ملتا ہے اور یہ جذبہ اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے عطا کرتا ہے ہر کسی کو یہ احساس نہیں ہوتا۔ گناہوں کا احساس ہر کسی کو نہیں ہوتا جب تک اللہ نہ چاہے۔

نورین خلیل مبین خلیل.....جوتی

لفظ لفظ موتی

اینا فائدہ سوچے بہا سب کے ساتھ اچھائی کرو

کیونکہ

جو لوگ پھول تقسیم کرتے ہیں ان کے ہاتھوں میں خوشبو  
مضر و رر و جاتی ہے۔

لوگ کہتے ہیں کسی ایک کے چلے جانے سے زندگی نہیں



لطیفہ  
مالک: تم نے ابھی تک مچھروں کو مارنے کے لیے میٹ  
نہیں لگائی، یہ ابھی تک میرے کانوں میں گنگنا رہے ہیں؟  
نوکر: جناب مچھر تو سارے ہی مار دیئے یہ تو ان کی  
بیوائیں ہیں، جو بیوہ ہو کر رو رہی ہیں۔

عائشہ سلیم.....کراچی

## زریں اقوال

☆ زندگی ایک کھکول ہے جس میں مقدر کی خیرات ملتی

-6

☆ نمک میں ضرور کوئی تقدس ہے ورنہ یہ ہمارے  
آنسوؤں اور سمندر میں نہ ہوتا۔

☆ کائنات ایک ایسی کتاب ہے جس کا مصنف خدا ہے۔

☆ مور کے پاؤں بھی اس کے ہڈوں کی طرح خوب صورت ہوتے تو وہ بھی زمین پر نہ چلتا۔

☆ عورت دنیا کی شاعری ہے بالکل ایسے جیسے ستارے  
آکاش کی۔

☆ کامیاب اور سیاسی لیڈر وہ ہے جو اس چیز کو سرخ کرے جسے ایک روز پہلے اس نے سیاہ کہا تھا، جب کہ وہ چیز سبز ہو۔

☆ کسی کا دل توڑنا ایسا ہے جیسے کسی کو بلاوجہ قتل کر دیا جائے۔

تازیہ عباسی.....خطہ



❖ نماز فرض ہے اور جو شخص فرض ادا نہیں کر سکتا وہ اور کیا کرے گا؟

سدرہ شاہین..... پیرو وال

**شکر و احسان**

کسی نے بوعلی سینا سے پوچھا: دن کیسے گزر رہے ہیں؟“  
انہوں نے کہا: ”گناہ گار ہونے کے باوجود اللہ کی نعمتیں مجھ پر  
برس رہی ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس بات پر اللہ کا شکر ادا  
کروں، کثرتِ نعمت پر یا بے شمار عیبوں سے چشم پوشی پر.....“

yaadgar@aanchal.com.pk



آمین سب بڑھتے ہیں بزم آئینہ کی جانب جہاں آپ بہنوں کے تبرے ستاروں کی مانند چمک رہے ہیں۔  
 لبیبی شکیلہ..... اولکہ جٹاں۔ محترمہ شہلا عامر صاحبہ اسلام علیکم رحمۃ اللہ برکات امید ہے آپ ہوا فحل سے منسلک تمام دوست اللہ تعالیٰ  
 کے فضل و کرم سے بالکل ٹھیک ہوں گے سب سے پہلے اپنی کاوش کی اشاعت پر میں آپ سب کی شکر گزار ہوں ایمان و قدر صاحبہ آپ کی حوصلہ افزائی کا شکریہ  
 آپ نے مجھے بھی اپنی بزم کا حصہ بتایا اسی امید پر پھر حاضر ہوں۔ شہلا جی میں دیکھتا ہوں آپ کے کچھ سلسلوں میں شمولیت کی خواہش مند ہوں اس امید پر.....

جب کہ غم خدا سے سوا ہوتے ہیں  
جب کہ پھر ہی دعا ہوتے ہیں  
جب کہ مرے کا تو ہی سمجھو  
جب کہ اٹنا کلج کیسے نوچ جاتے ہیں  
جب کہ کے

نہ یاروں میں رہی یاری نہ بھائیوں میں وفاداری  
عجب یہ دور آیا ہے محبت اٹھ گئی ساری  
نے اور عالی جاہ و غلا انسان پیاری پر ترس آتا ہے۔ ”شبِ ہجر کی پہلی بارش“ نے تو رلا دیا  
اچھا لگا بہت زیادہ اکڑ دکھا رہا تھا۔ مائدہ کا بدلا رو یہ غصہ لگا گیا۔  
بدلا یوں رنگ اس نے کہ حیرت ہوئی مجھے  
فرگٹ کو مات دے گئی فطرت جناب کی

”ذرا مسکرا میرے گمشدہ“ کے بارے میں بس اتنی ہی کہوں گی  
 میں او پاگل کسی پاگل اور دے  
 پیچھے پیچھے  
 کیوں بھلائی میں نے سچ کہا ہے نا اربش اجیہ حسین شرمین اور غزنی سب ایک دوسرے کے پیچھے ہے ناں۔ نالٹ دلوں اچھے ہیں۔ ”حرم عشق“  
 حقیقت پر مبنی ہے افسانے سب ہی اچھے تھے۔ بیاض دل میں پردین افضل شاہین اور مدیحہ نورین مہک کا شعر اچھا لگا بیوی گائیڈ کو پڑھا تیرنگ خیال میں  
 غنمی شاہین اور حافظہ صائمہ کشف ٹاپ پر تھیں۔ یا بکار لمحے میں ہر چیز بہترین ہے تو ریشمال شہزادی شعر پسند کرنے کا شکریہ آخریں پچھل کو سالگرہ مبارک







تمہاری سالگرہ پر

بھرا رہے تیری خوشبو سے تمہارا صحن صحن  
بس ایک قطرہ انشاں پھول چنتی رہے  
سامتیں تیرے لیے سے پھول چنتی رہے  
دلوں کے ساز پر ٹو نغمہ خواں مگرانا رہے

☆ ہماری شاہد آج کل کی سالگرہ کے حوالے سے آپ کے منتخب اشعار سنائے۔

[illegible]

☆ ڈیر شائستہ! خوش ہو مکمل تبصرہ پسند آیا۔

☆ عیاری اقرأ! آ چل کی ساگر مبارک ہو۔

☆ پیاری اقرا! آج کل کی سالگرہ مبارک ہو۔

ارم کمال..... فیصل آباد۔ پیاری شہلاباجی مسکرائیں اور گنگنائیں آمین۔ السلام علیکم! امید ہے کہ بفضل خدا خیرات سے ہوں گی میں تو ہمیشہ ہی دعا کرتی ہوں کہ آپ اور آپ کے تمام اسلاف چست و تازہ رہیں آمین۔ اس دفعہ کا ناٹل سپر سے بھی لو پر ہا سرگوشیاں سے دل کو لگاتے ہوئے درجہ جواب آں میں پہنچے یا سکین نشاط کے والدین کی رحلت کا سن کر دل بہت تڑپا اللہ ان کے والدین کو جنت الفردوس میں جگہ مرحمت فرمائے آمین۔ دانش کدہ سے اپنے ایمان کی گزردہ یاد کو مضبوط کیا ہمارا آج کل میں شہناز شانزے اقبال کا تعارف دل میں گھر کر گیا سب سے پہلے رفعت سراج کا ”چراغ خانہ“ پڑھا اب پیاری کے لیے سہیلہ (ساس) کی صورت میں ایک نئی آزمائش تیار کھڑی ہے اللہ ہمدی پیاری کو سہیلہ کے شر سے محفوظ رکھے آمین۔ عالی جاد بھی ضرور ہنگامے لگاؤں گے بعد میرا سوٹ فیوٹ ”دعا مسکرا میرے گمشدہ“ پڑھا بہت ہی زبردست موڈ پر جا رہا ہے ہر لمحہ دل اچھل کر حلق میں آن گرتا ہے ایک بات بالکل سچی ہے غزنی سے اجیب کی شادی ہمیں بالکل منگھٹیں۔ ”چہرہ دلیتے ہیں“ تڑپت جیس خیاں کی بہت ہی پراثر تحریر دی یہ سچہ کم بخت سچ



ہی ایسی ہے اچھے اچھوں کا ایمان اور محبت خراب کر دیتی ہے۔ "میں تیرے حق میں" غبرین ولی نے دھماکے دار تحریر لکھی: دیگر تحریروں میں "اپنا گھر تم بن ذات اہوری" اور "روشن راہ" جامع تحریریں رہیں۔ "حزیم عشق" کی پہلی قسط نے دل و نظر کو باندھ کر رکھ دیا۔ "ذرا سوچئے" میں شامناز نے سولاً نے گئی اور گھر ہی بات کہی اس میں تو کوئی دورائے نہیں کہ عورت تو بند مولیٰ کا سیب ہے لیکن معاشرے میں اس سے الٹ ہی ہو رہا ہے۔ اس معاملے میں اگر کوئی کچھ کر سکتا ہے تو وہ خود عورت ہے خدا ہم سب کی بہنوں بیٹیوں ماؤں کو ہدایت دے عقل اور سمجھ دے آمین۔ بیاض دل میں شاملہ کرن، نجم، نجم اور لاریب انشال کھل کے اشعار ذوق کی تسکین کر گئے۔ ڈش مقابلہ میں سب ڈشز دیکھ کر منہ پانی آ گیا نیرنگ خیال میں انیلا طالب، جبیں عمر، آفران، انوار، قسطنطنیہ، سرفراز، ہیں دوست کا پیغام آئے میں سب کے پیارے پیارے محبت نامے دل شاد کر گئے۔ یادگار لمحے میں علامہ شمشاد حسین پروین، افضل شاہین اور میر اسواری ٹاپ پر ہیں۔ آئینہ میں سب کے نرم گرم تجھروں نے سماں باندھ دیا جن میں کوثر خالد فرسٹ آف میں کوثر خالد (زبردست) اس کے علاوہ کرن شہزادی اور طیبہ خاور بھی نمایاں رہیں۔ ہم سے پوچھئے میں مریم شاہداریہ کنول مائی آفران افضل جٹ اور عائشہ حسن بختی کے سوالات اور آپ کے جوابات نے کامیڈی شوارچ کر دیا انہیں جس کر پیٹ میں مل پڑ گئے اللہ حافظ۔

گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس..... مانسہرہ۔ قیصر آنٹی کی باخبر کھسکی والی سرگوشیاں، انکل مشتاق احمد قریشی کی دل و دماغ کو روشنی دیتی روشن سلامتی بھیجی کرئیں آنٹی سیدہ ثار کا اپنائیت بھرا الجھ میچ احمد کا پیار شہلا عامر کی پیاری باتیں بیوی گائیڈ روبین احمد کی زبردست شان، میمونہ رومان بیاض دل کی جان طاہر احمد قریشی کے الفاظ شاملہ کاشف کا کھٹا میٹھا انداز ڈش مقابلہ منفرد ذائقے طلعت آغاز یادگار لمحے جو یہ سالک زبردست و اذیتا احمد باتیں کام کی ایمان وقار چلو پھل تیرے سام کی ہما احمد دوست سے دوستی کے محبت بھرے پیغام اور آفٹل اسٹاف رائٹرز اور قارئین کو گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس کا شاملہ مودبانہ سلام۔ آفٹل اور آفٹل کے پھول اور کلیاں ایسے خوشبودار چمن کی مانند ہیں جس کی خوشبو ہر سمت بکھر جاتی ہے جسے ہر کوئی محسوس کرتا ہے آفٹل تیرے سام۔

نظر جھکی تو پٹانے سے دل ٹوٹے تو میخانے بنے  
کچھ نہ کچھ تو ضرور ہے یونگی نہیں ہم آپ کے دیوانے بنے  
آفٹل نے 28 فروری کو گھر کی دالیز پر قدم رکھا تو دستک دل پر محسوس ہوئی جب ماسوں جان کی صدا بلند ہوئی کہاں ہو بھی تھا ہارا آفٹل کیا جھٹ آفٹل  
لیا نظریں ماڈل پر ٹھہریں تو ہانڈی پکاتے ہاتھ جلد دساکت ہو گئے۔ سب سے پہلے آئینہ دیکھا مطلب پوری سردیوں میں آئینہ سے غائب تھے (ہماری کمی تو نہیں محسوس ہوئی آہم)۔ سب سے پہلے سیدہ غزل زیدی کا ٹاٹ پڑھا آہاں کہیں آپ کا یہ انداز ہمیں نہ لے ڈوے زبردست آئینہ میں سامعہ ملک پرویز کوثر خالد طلالہ اسلم کے تبصرے زبردست تھے۔ عارفہ ہادی دوسری بار بھی شرکت کیجیے گا اچھا جی باقی آفٹل پڑھا نہیں لیکن ہمیں معلوم ہے ہمیشہ کی طرح میٹ ہوگا دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

☆ پیاری گل مینا اگر اپنا نام دیکھنے کے ساتھ چننا ایک تحریر پڑھ کر تبصرہ کر لیتیں تو ہمارے ساتھ مصنفہ بھی آپ کی آراء سے فیض یاب ہوتیں۔ امید ہے آئندہ مصنفین کی تحریروں کی تحریف و تحقید ضرور کریں گی۔

طیبہ رانا..... 31 جنوری سرگودھا۔ السلام علیکم! کیسے ہیں آپ سب قارئین ڈیئر آفٹل فیملی آپ پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں آمین اور اس کے ساتھ آفٹل کی انٹیلیسویں سالگرہ بہت بہت مبارک ہو اللہ پاک سے دعا ہے کہ ہمارا آفٹل ہمیشہ ترقی و کامیابی کی منازل بخوبی طے کرتا رہے اور اللہ ہمارے قارئین کرام کو سدا خوش و شاد رکھے آمین۔ اس مرتبہ بھی ہمیشہ کی طرح ٹاٹل دل کی مسند پر براجمان رہا سبک دوی سے ملنے ہوئے سرگوشیاں پر پہنچے قیصر آرا آنٹی کو ہر بار کی طرح مہربان پایا اور یہ پڑھ کر انتہائی صدمہ ہوا کہ ہماری پیاری مصنفہ بانو قدسیہ اس دار فانی سے کوچ فرما گئی ہیں۔ میں یہ لفظوں میں تو بیان نہیں کر سکتی مگر مجھ ایک شعر اس حوالے سے یاد رہا ہے کہ

کیا لکھوں زندگی کے بارے میں  
وہ لوگ ہی چھڑ گئے جو زندگی ہوا کرتے تھے  
ہم سب کو مل کر اپنے رحیم و کریم اللہ رب العزت سے یہ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔ اس کے بعد حمد و نعت پڑھی جس سے دل کو بہت سرور حاصل ہوا اس کے بعد سلسلہ وار ناٹھ "شب بھر کی پہلی بارش" کو "تیری زلف کے سر ہونے تک" سب سے پہلے یہ دونوں پڑھتی ہوں جو کہ مجھے بہت پسند ہیں اور اللہ اللہ بہت اچھے چل رہے ہیں یہ جس قدر آگے بڑھ رہے ہیں اسی قدر راتر سنگ ہیں دل کرتا ہے قسط قسم ہی نہو اس کے بعد "چراغ خانہ" کی طرف جاتے ہیں تو مشہور ابھی تک اپنی بدگلتوں میں گھرا بیٹھا غنیمت سراج آپ سے گزارش ہے کہ مشہود کے دماغ کو جلد ٹھکانے لگا میں پلیز تاکہ پیاری لکھوں کی بھٹی سے نکل کر دایاں کے ساتھ خوشیوں بھری زندگی گزار سکے اور "ذرا مسکرا میرے گمشدہ" یہ ناول بھی بہت مزے کا ہے فاخرہ گل آپ سے بھی کہنا تھا کہ اچھا اور بارش کو بھی جہانہ کرنا پلیز اس کے علاوہ باقی کہانیاں بھی زیر مطالعہ رہی ہیں اس کے بعد تبصرے اور تقریریں پڑھ کر بھی اچھا کا اللہ حافظ۔

ثناء رسول ہاشمی..... صادق آباد۔ تمام قارئین کو سلام ساتھ ساتھ آفٹل کا طیرہ رہا ہے کہ اس نے ہمیں کہیں بھی جگہ نہیں دی آخر ایسا کیوں؟ مدح کا سرور بہت اچھا تھا حدیث کا سلسلہ "چراغ خانہ" سے شروع کیا بھائی کے حتمی مویے نے پیاری کڑھائی کر دکھا ہے۔ "دیوی" از ناویہ احمد بہت بہت زبردست تحریر بھی مختصر مگر پراثر۔ "انعام محبت" کے لیے تو بس یہی کہہ سکتے ہیں کہ اب بچھڑائے کیا ہوت..... "تیری زلف کے سر ہونے تک" آخر اصحاب بعد حمد تحریر کی۔ عمر ان صاحب کے اس مویے سے باندھ لیا اور شیر ہو جائے گی نہ جانے کچھ ایسا اپنی بیٹیوں کو جانے بوجھے کیوں برہان و نادہشتی راتی ہیں۔ "چھڑے بتا لیتے ہیں" تڑپت جیسا کہ تو ہم ہی کافی سے قافی گئی خوشی دوسروں کو خوشیاں دینے میں ہی پیش قدمی ہے۔ "تیرے حق میں" بہت اچھی تحریر ہماری نذر کی بہت اچھا الفاظ کا چٹاؤ۔ "اپنا گھر تم بن ذات اہوری" کا سلسلہ "روشن راہ" بھی اچھا بہت اچھی لکھیں۔ "دوست کا پیغام آئے" میں



جن دوستوں نے نیا دیکھان کے لیے بہت شکریہ تمام پڑھنے والوں کے لیے دعائیں۔

منزہ عطا“ مدیحہ عطا..... کوٹ اڈو۔ اسلام ٹیلم: پہلا آبی اینڈا چل اسٹاف کو چل کی سائمر مہارک ہوا اللہ پاک اس کو بہت ساری دے آمین۔ جب بھی آچل کی ساگر عا آتی جتو ہمارا دل کرتا تھا کہ ہم اپنے ہاتھوں سے کوئی چیز بنا کے بھیجیں میری پیاری بہن مدیحہ ایسی سیمز بنانے کی ماہر صاحب ہم نے یہ سیمز اپنے آچل کے لیے بنائی ہے یہ ہماری تین ماہ کی محنت کا ثمر ہے جتنا آپ کے سامنے ہے پلیز آنٹی قیصر آرا اور طاہرہ بیبا آپ نے اس کو رسی کا مہمان نہیں بنانا آپ نے ہمارے اس خلوص بھرے تحفے کو ہمارے آچل کے کتے قفس میں سجانا ہے پلیز آنٹی ہمیں بہت بہت خوشی ہوئی ہمارا دل ہانغ بہار ہو جائے گا آنٹی آپ نے بتانا ضرور ہے آپ کو پسند آیا کہ نہیں۔ اب آجاتے ہیں مارچ کے شمار کی طرف ماڈل کا سفید ڈریس اچھا لگا ہوا آچل کے بغیر نہیں آچل ہوتا چاہیے تھا ہمیشہ کی طرح حمد و نعت سے دل کو سکون ملا۔ کوثر خالد کی حمد اچھی لگی انکل کا درس تو ہوتا ہی دلی سکون کے لیے ہے پھر دوڑے سلسلے وار تحریروں میں سب سے پہلے اقرآ آبی کے ناول ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ آپ کی فلم کی کیا ہی بات ہے آپ کا ناول پڑھتے ہوئے گاہے گاہے انشراح اور نوافل کی جوڑی ہونی چاہیے سودہ اور زید کا کردار اچھا ہے یہ سب یقیناً آپس میں کزن ہوں گے آگے بڑھے تو میری پسندیدہ رائٹرز نازی بی بی آپ کو جتنا پڑھیں کم ہے میرا پسندیدہ کردار کرل صاحب مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔ کرل صاحب کو ابھی مرنا نہیں چاہیے قہارہ بریرہ سے مل کے جاتے خیر آپ کے کیا کہنا تھی خوب مصدلی سے کردار مشرق سے مغرب تک پہلے ہوئے ہیں پھر اینڈ میں بڑی خوب مصدلی سے ایک سی ملا میں اکٹھا کر دیتی ہیں۔ نادیا صاحب کا ناول ”دیوی“ کچھ خاص پسند نہیں آیا۔ ”حریم شوق“ سید مرزا زیدی یا ایک نیا نام ہے نئی تحریروں میں چونکا گئی آپ اپنے بڑے ہنر والوں کو یقیناً آگے چل کر آچل میں بہترین اضافہ ثابت ہوں گی دوسرا کھل ناول شگفتہ یا سمین کا تھا ”انعام محبت“ اچھی کوشش کی مصنف نے بس خیال رکھا کریں ہیر و کوہر نا نہیں چاہیے ہائی افسانے سارے اچھے لگے۔ میری ایک خواہش ہے آنٹی آپ کسی بھی رائٹر سے رسی پر کوئی اچھا سا کھل ناول لکھوا میں باقی سارا آچل بیٹ لگا زندگی رسی تو بھرا آتے رہیں گے اللہ حافظ۔

277 آنچل اپریل ۲۰۱۷ء سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر











شام اللہ۔ ”بنام ماریج“ حرا بہت خوب مگر ذہن کے بصارتوں سے گزری دل میں گوشہ نشین ہوتے الفاظ اور موضوعات کی اچھوتی طرز پر خوش رہو۔

اگر جو زندگی نے مہلت دی آئیں گے ضرور  
سنو مگر وعدہ نہیں کرتے دعا کرنا دراز عمر کی سکھوں

عائشہ پروین..... کو اچھی۔ دل کی گہرائیوں سے اور بے پناہ محبتوں سے آج کل کوسا گھر مبارک ہوا آج کل کو 39 سال مکمل ہونے پر بہت بہت مبارک باد آج کل والوں سدا خوشیوں کے ہنڈولوں میں جھولا جھولتا آئیں۔ جیسے ہی ماریج کا شمارہ ملا رک وے میں سکون کی لہریں سرایت کر گئیں۔ نام آج کل ہے اور آج کل ہی غائب اس لیے پلیز سرورق آج کل کے حساب سے لگایا کریں (لیکن وہ ماڈل آج کل سینے بھی تو) پھر ہم نے قیصر آپا کی سرگوشیاں سنیں اتنی زیادہ کہ باتیاں دیکھ کر ہم بے حد خوش ہو گئے پھر جدوجہد سے مستفید ہوئے۔ در جواب آں میں تمام دوستوں کے خطوط کے محبت بھرے جوابات قیصر آپا کی نظر آئیں۔ دانش کدہ ہم انسانوں کے لیے جراثیم کش دوا کا کام کرتا ہے۔ ہمارا آج کل میں چاروں بہنوں سے ملاقات کی بہت سی دعا میں آپ لوگوں کے لیے۔ سلسلے وار ناول ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ ہر دفعہ یہ سوچ کر بڑھتا شروع کرتی ہوں کہ نفل اور اشراج ایک ہوں گے لیکن امید پر دنیا قائم ہے خرمیں خرا آ یا خرو آ گیا جب زید کا چہرہ ماندہ کو پڑا ویل ڈن۔ ”شب بھر کی پہلی بارش“ نازیبا کی کافی خوب صورتی سے ناول آگے بڑھا رہی ہیں پھر بھی کافی تمہیں ابھی تجھے کے انتظار میں ابھی جاری ہیں خیر انتظار رہے گا اگلی قسط کا۔ بات ہو مکمل ناول کی تو رفعت سراج ”چراغ خانہ“ آف۔ آئی میں بتا نہیں سکتی کیا حالت تھی پڑھ کر ”مشہور کوٹھکانے“ لگا میں بھلا بھائی ایسے کرتے ہیں اپنی بہنوں کے ساتھ اللہ بھی کسی بہن کو ایسی اذیت نہ دے کہ یہ تکلیف اور دکھ تو سب سے بڑا ہوتا ہے۔ ”ذرا مسکرا میرے گمشدہ“ فاخرہ آف آپ نے تو پورا سامان کر رکھا تھا رلانے کا تو بہ اتنا بڑا نقصان اینڈ ٹائم پر گھر کو تالا لگا دیا پلیز اب آگے جا کے میرے دل کو تالامت لگا دیجیے گا۔ ناول ”انتقام محبت“ شگفتہ بہت مبارک باد اتنا خوب صورت ناول لکھنے پر الفاظ اتنے خوب صورت تعبیر کا کردار اور اختتام زبردست۔ بے شک خود پسند لوگ ہی اذیتیں برداشت کرتے ہیں اور زندگی میں تنہا رہ جاتے ہیں شاید اس لیے جیسی اور انتقام کے جذبول میں محبت جیسا جذبہ دھندلا ہی جاتا ہے۔ ”حریم عشق“ سیدہ غزل بہت خوب صورت تحریر اور حریم ایک خوب صورت پہل بن سکتا ہے۔ افسانوں کی بات ہو جائے تو سب کی کاوش اچھی تھی تڑپتا آئی اس تحریر کی معنی بھی تعریف کروں کم ہے کتنے ہی گھروں کی کہانی بنیے فرق صرف اتنا کہ عطر و بے نے قربانی دے کر اپنی ماں کو اپنی غلطی کا احساس دلایا کاش سب والدین اس رمز کو سمجھ جائیں تو کوئی دولت کی چکا چوند میں محبت کا رشتہ نہ نہ۔ نازیبا کی ”دیوی“ پڑھی بہت مغرور اچھا ٹاپک منتخب تھا اللہ آپ کو توفیق دے اچھا اچھا لکھنے کی اور ہماری اصلاح کرنے کی۔ ”بنام ماریج“ حرا قریبی آپ نے تو ہمیں رلا دیا بہت سی اچھی کاوش تھی کپ اٹ اپ۔ ”میں تیرے حق میں“ عزیزین نے ایک سبق آموز تحریر لکھی آج کل کی نوجوانی کے لیے لوگوں نے خود پر ہوس کے خوب صورت خول چھائے ہوئے ہیں جن کو وہ محبت جیسے پاکیزہ رشتے کا نام دیتے ہیں باقی تحریریں بھی لا جواب رہی۔ آریٹل میں ثناء نے واقعی سوچنے پر مجبور کر دیا بیاض سب ایک سے بڑھ کر ایک لگے ڈش مقابلہ ساری ترکیبیں پڑھ کر منہ میں پانی آ گیا مگر ایک ایک بھی نہ کی جوئے شیر لانے کے مترادف جو ہے۔ بیوی گائیڈ نہیں پڑھائیں رنگ خیال میں سہا س آئی کی محبت اور قسمت اور حرا قریبی کی ڈسٹنگ دل کو چھوٹی۔ دوست کا پیغام آئے میں کئی دوستوں نے مجھے یاد رکھا لو یو دوستوں خوش رہو آ باد رہو اپنے خیر پڑا ہلا۔ یادگار لمحے میں افضل پروین یادگار ہیں آئینہ میں اپنا تبصرہ نہ ہونے کے باوجود ہر بہن کے تبصرے میں خود کو روشن پایا۔ ہم سے پوچھئے پروین افضل نہ بخیر نورین ارم کمال کے سوالات نے ماں باعدہ دیا کام کی باتیں بہت سی مفید اور کام آدر ہیں کافی ساری معلومات ان سے ملی الغرض ماریج کا شمارہ جو ہدویں کے چاند کی مانند اپنی کرنوں سے ہمارے قلب کو منور کر گیا۔ آخراں ملکہ دولت کی شادی کی ڈیٹ جو دھکی جا رہی ہے ہی ہی ہی اچھا تھی ربا کھا زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی ان شام اللہ۔

☆ ڈیر عائشہ ہماری جانب سے ڈیروں مبارک باد۔

روبی علی..... سید والہ۔ السلام علیکم! ایک سال دو مہینے کی جدائی کے بعد آج کل سے وصال کے لمحے پھر آئے ہی گئے۔ سفید سرورق پر سفید لباس پر پھولوں کی بہاری زالی تھی حمد و ثناء تعریف کے محتاج نہیں انہوں کو منور کرنے کی باتیں ہیں۔ دانش کدہ ہمیشہ کی طرح علم کے خزانے لیے ہوئے تھے۔ قدم ہمارا آج کل کی طرف بڑھائے بھی بہنوں سے ملاقات اچھی رہی۔ شہناز شانزے اقبال میں نے بھی دیکھ لکھا تھا کیا ہوا ہے۔ فائزہ بھٹی مجھے بھی وہ شاعر پسند ہیں جہاں آپ کو ثوبیہ بلال مجھے بھی کتابیں پڑھنے اور جمع کرنے کا بہت شوق ہے۔ ”چراغ خانہ“ نامی اپنی ساوگی اور نری کے ہاتھوں سے یہ نیکی کی چالباز یوں کو نہیں سمجھتیں مشہور نے تو کچھ زیادہ ہی دل پر پھر رکھ لیے ہیں جن کے سرکے تنک پیاری بے ہوش ہونے کے دیکھو تو زنی رہے گی۔ نازیبا احمد گریٹ لوسی غلام حسن جیسے لوگ تو نہ ہونے کے برابر ہیں۔ مذہب کے نام پر انسانیت کا خون ہر دور میں بہلیا جا رہا ہے۔ شگفتہ یا سمین آپ نے تو محبت سے کچھ زیادہ ہی انتقام لے ڈالا (بے چارہ شہر یار حسن) نزہت جبین ضیاء نے آج کے دور میں ہر ایک کو چھٹی دولت کی بیماری پر بہت اچھا لکھا۔ دولت حاصل کرنے کے چکر میں ہم محبت اور غلوں کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ ”میں تیرے حق میں“ عزیزین ولی کی بہت زبردست کاوش تھی۔ شازیہ لطاف کے کہنے گھر نے ہمارے معاشرے کے اکثر گھروں کے پردے چاک کر دیئے۔ ”بنام ماریج“ آف حرا قریبی کے لفظوں نے تو ہمارے دل کی دھڑکن کو بھی خاموش کر دیا۔ ”سی“ کی محبت ہمیں بھی اپنے دل میں محسوس ہونے لگی۔ ”تم بن ذات اہوری“ جب ہم کچھ کھو دیتے ہیں تو بدلے میں اس سے اچھا بھی مل جاتا ہے۔ نظیر فاطمہ آپ نے بہت نازک موضوع پر فلم اٹھایا ہم قیموں پر ترس تو کھا سکتے ہیں مگر ان کی تربیت کے لیے ان کے سروں پر سر پرستی کا ہاتھ نہیں رکھ جاتے۔ ”محرزات“ صرف سید گھرانے کا ہی نہیں اور بھی بہت سے گھرانوں کا ایسا ہے جہاں انہوں نے نام پر بیٹیوں کے حقوق کا استعمال ہوتا ہے۔ ”حریم عشق“ دل کو بھایا مگر یہ کیا عشق تو اور اور اتھابانی اگلے مہینے (اگست)۔ بیاض دل مسز نگہت غفار نجم اور بیٹی مسکان کے ہماری اشعار پسند ٹھہرے۔ نیرنگ خیال تحریر کی قسط سالی نے آٹھوں کو کم کر دیا۔ حمیرا علی کا یقین اچھا لگا ثوبیہ حرا آپ کی نظم دل کو چھوٹی حرا قریبی کی ڈسٹنگ کمال ہے حتیٰ دوست کے پیغام میں ہر وہ پیغام اچھا لگتا جس میں میرا نام ہوتا ہے۔ آئینہ میں کوثر خالد صاحبہ ہی سرفہرست ٹھہریں۔ یادگار لمحے ہر طرح یادگار ہوتے ہیں مسز نگہت غفار کی خوشیاں جابڈر گرلوڈ کا ڈرگر ”مقام عشق اور لوہیں قرنی مدد بیاض کی بیسبابت دھاس عمر کا ٹھیکہ طیبہ خاں کا سچ سچی پسندیدہ ٹھہر لایا جلد دیں خوش







## ہمارا

س: شعر کا جواب شعر میں دیں

س: آپ کے سر پر دوسینگہ لیکن کیوں؟

صباہد رگڑ کا ہڈر گر..... جوڑہ

ٹوکری کو زیادہ بھوک لگی تھی ہر دفعہ ہمیں کھانسی؟

بچوں کو پڑھانا اگر آپ ٹیچر ہوتے تو کیا ہوتا؟

درمیں سے؟

شباب

وزیراعظم بن گئی تو نہا پاکستان بنانوں کی آب اس میں کیا

آسیہ شاہین..... نامعلوم

س: زندگی میں پیسہ ہی سب کچھ کیوں سمجھا جاتا ہے؟

طیبه خاور..... عزیز چک دوزیا ماد

س: لوگ نیکی کا صلہ پنی میں کیوں دیتے ہیں؟

س: لائف اتنی پہنچ ہو جائے گی کہ کمی ہو جائے تو؟

ج: اُف تم تو ٹوٹتی سرال کے رحم و کرم پر ہو بے چاری



ج: بے کار کہہ کر تم نے میرا دل توڑ دیا خیر موٹر ہائیک تو ہے اور خیر چلو تم کام سے لگو اور تمام برتنوں کے ساتھ مچن کو بھی چمکا دو  
شبابش۔

سناں۔  
 س: میں جب کبھی اپنے بھائی بلال سے چاکلیٹ مانگتی  
 ہوں وہ کہتا ہے کان پروں گا ایک؟  
 ج: ویسے تمہیں ایک کی جگہ دس لگا کر ایک گنا چاہیے لیکن تم  
 پھر بھی سدھرنے والی کہاں۔

پھر بھی سدھرنے والی کہاں۔  
س: میری شادی ہے 31 فروری 2018ء کو ضرور آتا۔  
ج: یہ ڈیٹ تمہاری سستی کی وجہ سے دلہا والوں نے دی  
ہوگی اب تو کچھ شرم کرلو۔

ہوگی اب تو کچھ شرم کرلو۔  
س: شائل جی منڈ پر پرکوا بولے تو کیا ہوتا ہے؟  
ج: لڑکیاں جی ہوتی ہیں یقین نہیں آتا تو اپنے سر پر ہاتھ  
پھیر کر دیکھ لو۔

پھیر کر دیکھ لو۔  
س: گانا سناؤں آپ کو؟

جیانا جائے بن تیرے یارا.....  
ج: اپنی شادی والے دن اپنے ان کو سنانا شاید کچھ اثر کر جائے۔

س: محبت ہو گئی جن کو وہ دیوانے کہاں جائیں  
بھری دنیا میں آخر دل کو سمجھانے کہاں جائیں  
ج: تم ان کی چھوڑ دو فی الحال تم تو پاگل خانے سدھارو۔  
س: شامل جی یہ پروین افضل شاہین آپ کی بہت تعریفیں  
کرتی ہیں میں تو سہم سے.....؟

ج: آپ کی اور ان کی باتوں پر فدا ہوں یہی کہنا تھا ناں۔  
عزیزہ یونس..... حافظ آباد

س: شاملہ بخودت بعد آئی ہوں آج تو کوئی خاصا اہتمام کریں؟

ج: جھاڑو پونچھا، بتن کپڑے سب اہتمام سے تمہارے  
منتظر ہیں شروع شباباش ہو جاؤ جلدی سے۔

س: بیچھاپ کے بالوں میں چاندی اتر آئی ہے خدا اب تو شادی کی حامی بھر لو؟

ج: یہ چاندی نہیں فیشن ہے اپنے بالوں کی فکر کرو جو جھڑک  
کان کو چھو رہے ہیں۔

س: رات کو مجھے خواب آیا کہ ساحل سمندر پر کھڑی آپ مجھے آواز دی کہ بچہ ہی نہیں بھلا کیوں؟

ج: تم چاندنی میں میرا سلیڈ من ہدیکہ کنزمن کو لے کر جو



دے دی تھیں اس لیے۔

س: ذرا بتائیں تو کسی بلاول بھٹو کے جلسہ میں آپ اسٹیج کے نیچے کیا کر رہی تھیں؟  
ج: تم بھٹو کے جوتے لے کر وہاں چھپی بیٹھی تھیں تمہیں ہی دیکھنا تھا۔

س: سنا ہے آپ کی بزم میں بڑی مگر کے جواب ملتے ہیں تو ذرا ہم سے بھی مگر لیں؟

ج: ناں، بہن محاف ہی رکھو تم جیسی ہتھنی سے میں مگر نہیں لے سکتی اللہ بچائے۔

س: اچھا اب اجازت دیں اپنا ورژن پھر کرواؤں گی اگر دعوت کریں گی تو (آہم)؟

ج: انڈے اور ٹماٹروں کی دعوت ہوگی جو تم پر برسے گے تو ان میں سے کچھ کھانے کے لیے اپنی جیبوں میں رکھ لیتا۔

س: ایم نور الہدیٰ..... رحیم یار خان

س: آپ اپنی خلوص سے بھرے اور محبت کرنے والے لوگ بہت کم کیوں ملتے ہیں؟

ج: تمہاری بہتی ناک دیکھ کر جو لوگ مل رہے ہیں ان پر ہی شکر کرو اور پلیز ہاتھ کی جگہ رومل سے ناک صاف کیا کرو۔

س: آپنی میں آپ کو بہت لائیک کرتی ہوں مگر آپ کے کردارے اور میٹھے سے جوابوں سے ڈر لگتا ہے اس لیے کم سے شرکت کرتی ہوں؟

ج: اب یہ کم سے کم دلی شکایت دور ہو جائے گی۔

س: کیا آپ کو میری ویلپ چاہیے ظاہر ہلتے سوالوں کے جواب دیکھ کر محسن جو گئی ہیں؟

ج: ہاں میرے سر کا مساج کرو اور اچھے سے عائدہ حسن ہنی..... دریائی مری

س: افسیہ جلع جلع جواب کیوں بھی خیر تو ہے ناں؟

ج: تم جیسے جل گلڑیوں کو سب کے جواب جلع ہوئے ہی لگتے ہیں۔

س: ہا ہا آپنی یہ جو پیر (ملنگ) ہوتے ہیں نا یہ اکثر مجھے عیر سے زیادہ منگل لگتے ہیں کیوں؟

ج: بہت گہرا مشاہدہ کیا ہے تم نے ان کا کوئی بڑا ہی خاص چکر لگتا ہے۔

س: آپنی اگر میں لڑکی سے لڑکا بن جاؤں تو؟

ج: تم اچھی انسان بن جاؤ اور یہ فضول سوچیں چھوڑ دو

بس۔

س: آپنی یہ سرال کوئی آسیب ہے جن ہے چڑیل ہے طوفان ہے سونامی ہے آخر یہ ہے کیا؟

ج: کنواروں کے لیے جنت اور شادی شدہ کے لیے دوزخ اس سے زیادہ وضاحت نہیں کر سکتی۔

س: آپنی مارچ کے بعد اپریل کیوں آتا ہے جون کیوں نہیں آتا؟

ج: کیونکہ تم جون میں پیدا نہیں ہوئیں اس لیے۔

س: 26 اپریل کو میرا برتھ ڈے ہے اچھے سے گفٹ کے ساتھ دوش کیجیے اور رخصت کیجیائے؟

ج: پچھلے سال اپنا پرانا سوٹ تمہیں گفٹ کیا تھا اس سال دوش کرنی ہوں ساگر مبارک خوش رہو۔

س: ملا لاسلم..... خانیوال

س: یہ محبت کیا ہوتی ہے؟

ج: ایک ایسی بیماری جو صرف فارغ لوگوں کو ہوتی ہے۔

س: میں سچ بات کہتی ہوں اسی لیے تو آپ میرے سوالات شائع نہیں کرتی؟

ج: اس سال کا سب سے بڑا جھوٹ۔

س: شاملہ ایسا مجھے نظر بہت جلدی لگ جاتی ہے اس کا حل تو بتادیں؟

ج: خوش فہمی میں جھلاست رہا کرو یہ ہی حل ہے۔

س: فرح فاطمہ اشرف..... جو بی لکھا

س: آپنی میں یہ سڑھا بسا فقرہ نہیں کہوں گی کہ مجھے خوش آمدید کہیں۔

ج: کہہ کر تو دیکھو اگر ہمت ہے تو..... ارے میں تو مذاق کر رہی بھی آئی۔

س: آپنی جب پڑھ پڑھ کے بھی ٹیسٹ میں نمبر نہ آئیں تو انسان کو کیا کرنا چاہیے؟

ج: طوطا بن جانا چاہیے بالکل رٹو والا۔

س: جب ہم کسی کو پرکھنے کیس کہ یہ شخص مخلص ہے یا نہیں تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

ج: سکھ اچھا کرناں تمہارے لیے یہ آسان طریقہ ہے۔

😊







کو Opium-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن  
میں تین مرتبہ پلائیں۔

محترم آپ مبلغ 2800 روپے کا منی آرڈر ہمارے کلینک کے نام پتے پر ارسال کر دیں، چونکہ یہ آپ کا خاندانی مسئلہ ہے لہذا آپ کو کم از کم 4 بوتلیں استعمال کرنے کے بعد فرق محسوس ہوگا اور بال کرنے سے رک جائیں گے اور سر پر گھنے بال پیدا ہو جائیں گے۔

سدرہ اقبال، جھنگ سے ملتی ہیں کہ میرا وزن بہت بڑھ رہا ہے کم کرنے کے لیے کوئی دوا تجویز فرمائیں۔

محترمہ آپ Q Phytolacca Barry کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار لیں۔

کنول، ٹنڈوالہ یار سے لکھتی ہیں کہ جب کوئی کتاب وغیرہ پڑھتی ہوں تو زیادہ دیر پڑھا نہیں جاتا، آنکھوں پر بھاری پن محسوس ہوتا ہے، پڑھنا چھوڑ دیتی ہوں۔

محترمہ آپ Ruta-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پیئیں۔

ثمرین، خانوال سے لکھتی ہیں کہ حسن نسواں کی کمی ہے  
، عمر 18 سال ہے، میری ہم عمر لڑکیاں مذاق اڑاتی ہے  
، میرا مسئلہ بھی حل کریں، میری ایک سہیلی کسی کی زیادتی کا  
شکار ہو گئی تھی کچھ مہینے بعد اس کی شادی ہے، اس وجہ سے  
وہ کافی پریشان ہے۔

محترمہ آپ Sabal Serulatta Q کے 10  
قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار لیں۔ اس کے  
علاوہ 600 روپے کا منی آرڈر ہمارے کلینک کے نام پتے  
پر ارسال کر دیں، بریسٹ بیوٹی آپ کے گھر پہنچ جائے  
گا، دونوں دواؤں کے استعمال سے ان شاء اللہ تعالیٰ  
قدرتی حسن بحال ہو جائے گا۔ اپنی سہیلی کے مسئلے کے لیے  
کلینک کے نمبر پر صبح 10 سے دوپہر 1 بجے کے دوران رابطہ  
کریں۔

آسیہ بانو، سرگودھا سے لکھتی ہیں کہ میرے سر میں جو مے بڑھ گئی ہیں، کافی شیمپو بھی استعمال کئے مگر کوئی مستقل فائدہ نہیں ہوتا اور دوسرا مسئلہ میری چھوٹی بہن کا ہے اس کو دائمی قبض کا مسئلہ ہے اس کی بھی کوئی دوا بتادیں۔

محترمہ آپ Sabadila Q کے 10 قطرے ایک  
مک پانی میں ڈال کر اس سے سردھوپا کریں اور چھوٹی بہن

کو Opium-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ ملائیں۔  
اقراء سلیم، بنوں سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 28 سال ہے میری شادی کو 5 سال ہو گئے ہیں مجھے ابھی تک اولاد نہیں ہوئی، بہت سی لیڈی ڈاکٹر سے علاج کروایا لیکن مسئلہ حل نہیں ہوا، شوہر کی رپورٹ بھی ٹھیک ہیں، کسی کے ساتھ کوئی مسئلہ بھی نہیں ہیں۔  
محترمہ آپ Ashoka Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پیئیں، اللہ تعالیٰ آپ کی مراد پوری کرے گا۔

شعیب، راولپنڈی سے لکھتے ہیں کہ ہمارے گھریلو ملازم نے بچپن میں ہی بری عادت میں مبتلا کر دیا اور آج 42 سال کی عمر تک بھی اس عادت سے چھٹکارا نہیں ملا بڑی امید کے ساتھ آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔

محترم آپ Ustilago Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں دین میں تین باہم ہیں۔

مسز عبداللہ، سحرات سے لکھتی ہیں کہ میں مسلسل 12 سال سے آپچل رسالہ پڑھ رہی ہوں لیکن خط پہلی بار لکھ رہی ہوں، بہت افسوس ہوا ڈاکٹر صاحب کے انتقال کا پڑھ کر۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔ میرے شوہر کے پٹھے کمزور ہیں جسم میں سستی بہت زیادہ ہے فحشوں سے اوپر آدھافٹ ٹائٹلیں 12 مہینے ٹھنڈی رہتی ہیں۔

محترمہ آپ Rhustox-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پلائیں۔

مکمل بی بی، اوگی سے لکھتی ہیں کہ آپ مجھے ہومیو پیتھک کی کوئی دوائی وقفے کے لیے تجویز کر دیں اور ساتھ میں طریقہ استعمال بھی بتا دیں۔

محترمہ آپ Natrum Mur-200 کے 5  
قطرے آدھا کپ پانی میں ماہانہ غسل والے دن سے تین  
دن تک پی لیں، ہر مہم اسی طرح لیتی رہیں۔

ام کلثوم، لیہ سے لگتی ہیں کہ میرے چہرے پر مردوں کی طرح موٹے بال ہیں جو بد نما لگتے ہیں، انہیں ہر ہفتے نکالنا پڑتا ہے، Aphrodite کی بہت تعریف سنی ہے، کیا یہ بال ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں گے اور یہ بھی بتائیں کہ اس کے ساتھ کوئی میڈیسن بھی کھانی ہوتی ہے؟





# ہومیوڈاکٹر محمد ہاشم مرزا

ڈاکٹر صاحب مرحوم 50 سال سے زائد عمر میں طب کے شعبے سے وابستہ رہے اور 20 سال سے زائد عمر میں "ماہنامہ آہل" کے معروف سلسلے "آپ کی صحت" کے ذریعے قارئین کو ہومیو پیتھک طریقہ علاج کے مطابق طبی مشورے فراہم کرتے رہے۔ ان کے ذہن میں ڈاکٹر صاحب کے 50 سالہ طبی تجربے کا پھر وہیں۔



## اسپیشل آفر

Rs. 400/= ہفتائیں 2  
Rs. 1000/= ہفتائیں صرف 2  
میں حاصل کریں

## قدرتی بال، سر کی رونق، بحال

ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر  
قیمت = 700 روپے

براہ راست کلینک سے لینے پر  
قیمت = 500 روپے



## اسپیشل آفر

Rs. 400/= ہفتائیں  
Rs. 1400/= ہفتائیں صرف 2  
میں حاصل کریں

## چہرے و دیگر غیر ضروری بالوں کا مستقل خاتمہ

ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر  
قیمت = 900 روپے

براہ راست کلینک سے لینے پر  
قیمت = 800 روپے



## اسپیشل آفر

Rs. 200/= ہفتائیں  
Rs. 1000/= ہفتائیں صرف 2  
میں حاصل کریں

## ایفروڈائٹ بریسٹ بیوٹی

ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر  
قیمت = 600 روپے

براہ راست کلینک سے لینے پر  
قیمت = 500 روپے



## اسپیشل آفر

Rs. 400/= ہفتائیں  
Rs. 1000/= ہفتائیں صرف 2  
میں حاصل کریں

## ایفروڈائٹ پین کٹر

ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر  
قیمت = 700 روپے

براہ راست کلینک سے لینے پر  
قیمت = 500 روپے

## ہومیوڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک

ایڈریس: دوکان نمبر 5-C، کے ای فلیٹس فیر 4،  
شادمان ٹاؤن نمبر 2، سیکٹر B-14، نارنجی کراچی 75850  
فون نمبر: 021-36997059، صبح 10 تا رات 9 بجے  
منی آرڈر کی سہولت میسر نہ ہونے کی صورت میں فون پر رابطہ کریں

زیر نگرانی:

محمد عاصم مرزا  
محمد آصف مرزا  
محمد عامر مرزا



SMS: 0320-1299119



محترمہ آپ کی طرح ہزاروں خواتین ہمارے کلینک کے تیار کردہ Aphrodite Hair Inhibitor سے فیضیاب ہو چکی ہیں، آپ ہمارے کلینک کے پتے پر مبلغ = 900 روپے کا منی آرڈر کریں، Aphrodite آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔ دو سے تین بوتلوں کے استعمال سے چہرے کے فالتو بال ان شاء اللہ مستقل طور پر ختم ہو جائیں گے۔

رہے، کیا میں اس کے لیے ایفرو ڈائنٹ انہیٹر استعمال کر سکتا ہوں۔ جواب ضرور دیجئے گا۔

محترم آپ چہرے کے جس حصے سے بال ختم کرنا چاہتے ہیں اس جگہ سے بال صاف کر کے ایفرو ڈائنٹ استعمال کر سکتے ہیں مگر یہ نیچرل بال ہیں موٹے اور لمبے ہوتے ہیں ان کو ختم ہونے میں دیر لگے گی، ان شاء اللہ بال ختم ہو جائیں گے۔





# گامگی باتیں

حنا احمد

## سر کے درد کی وجوہات

بعض لوگ اکثر سردرد دور کرنے کے لیے اسپرین پینا ڈول اور پونشان کے علاوہ دیگر دوائیں بھی اپنے طور پر استعمال کرتے رہتے ہیں اور اگر ان سے بھی اتفاق نہ ہو تو پھر ڈاکٹر سے رجوع کرتے ہیں۔ سردرد کے پوشیدہ اسباب کی تشخیص اور پھر اس کا علاج کوئی آسان کام نہیں ہے۔ سر میں درد کی بے شمار وجوہات ہو سکتی ہیں جن میں سے ایک سبب سردرد کی شدت کو کم کرنے یا روکنے کے لیے دواؤں کا اندھا دھند استعمال بھی ہے۔ سردرد کی مناسب تشخیص اور علاج کے لیے کسی ایسے تربیت یافتہ اور ماہر معالج سے رجوع کرنا چاہیے جسے پرانے قسم کے اور مسلسل سردرد کی تشخیص اور علاج کا وسیع تجربہ حاصل ہو۔ اگرچہ زیادہ تر سردرد کی شکایتیں عارضی نوعیت کی اور زیادہ خطرناک نہیں ہوتی ہیں لیکن ان کی وجہ سے روزمرہ زندگی کے معمولات بری طرح متاثر ہوتے ہیں اور زندگی کا معیار گھٹ سکتا ہے۔

سردرد دور کرنے کے لیے اگر آزمودہ گولیوں سے اتفاق نہ ہو تو پھر مجبوراً جب مریض ڈاکٹر کے پاس پہنچتا ہے تو وہاں سردرد کی اصل وجہ کا سراغ لگانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر حضرات مرض کی تہہ تک پہنچنے کے لیے جب مریض سے مختلف سوالات کرتے ہیں۔ مریض کو چاہیے کہ وہ کم از کم دو ہفتوں کے دوران سردرد کی شکایتوں کی تفصیل سے اپنے معالج کو آگاہ کرے اس ضمن میں جو سوالات پوچھے جاسکتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

❖ سردرد کتنی دیر تک برقرار رہتا ہے؟ (منٹ، گھنٹے، دن) اور کیا روزانہ سر میں درد ہوتا ہے یا ہفتے کے بیشتر دنوں میں یہ شکایت ہوتی ہے؟

❖ کیا کسی چیز سے سردرد کو تحریک ملتی ہے؟ (مثلاً نمکین غذا، مخصوص خوشبو یا مہک، تیندکی کی ذہنی دباؤ)

❖ کس چیز سے آرام ملتا ہے؟ (تیند تارک کر دوائیں)

ذہنی دباؤ میں کمی یا اور کوئی دوسری چیز)

❖ جب سر میں درد ہوتا ہے تو کیا اس وقت یا اس سے پہلے نظر میں کوئی تبدیلی محسوس ہوتی ہے مثلاً مناظر دھندلے نظر آتے ہیں یا ایک کی جگہ دوسری شکلیں نظر آتی ہیں یا اشی یا متلی محسوس ہوتی ہے یا روشنی اچھی نہیں لگتی؟

❖ کیا سر کا درد سر کے ایک حصے میں یا دونوں حصوں میں محسوس ہوتا ہے؟

❖ جب سر میں درد ہوتا ہے تو کیا اس وقت آپ کے جسم کے کسی حصے میں کھجلاہٹ ہوتی ہے یا وہ سن ہو جاتا ہے؟

❖ کیا آپ کو پہلے بخار تھا یا اس وقت ہے؟

❖ سردرد کی شکایت کس عمر میں شروع ہوئی اور کیا موجودہ درد سابقہ تجربات سے مختلف لگتا ہے؟

❖ کیا آپ کے خاندان میں کسی اور کو بھی آدمے سر کے درد یا ٹینشن کی وجہ سے سردرد کی شکایت ہوتی ہے؟

❖ دن بھر میں آپ کتنی کیفین لیتے ہیں (چائے کافی پیتے ہیں)؟

❖ پسندیدہ غذائیں کون سی ہیں اور نیند کس طرح کی آتی ہے؟ (نیند میں خراٹے لیتے ہیں یا نیند پوری نہ ہونے سے تھکاوٹ محسوس کرتے ہیں)

❖ کیارات کو نیند میں آپ دانت پیستے ہیں یا کھانا چباتے ہوئے سر میں درد محسوس کرتے ہیں۔

❖ کیا کبھی آپ کی گردن یا سر پر جوت لگی تھی؟

❖ جب آپ کمرے ہوتے یا لیتے ہیں تو کیا اس وقت سر کا درد بڑھ جاتا ہے؟

❖ اگر آپ خاتون ہیں تو کیا ایام کے دوران یا اس کے بعد سر میں درد ہوتا ہے؟

## سر درد کے عمومی اسباب

اگر سر کا درد طویل عرصے تک برقرار رہے تو یقیناً یہ ایک قابل تشویش بات ہے اگرچہ ایسا کم ہوتا ہے لیکن بعض اوقات سر کا درد سنگینی طبی مسائل کی نشاندہی کر سکتا ہے۔ معالجین عموماً اس قسم کے درد کو درج ذیل دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

**اہتدافنی**..... آدھ سر کا درد حقیقہ ایک نکلہ سمیت سر کا درد ذہنی دباؤ سے ہونے والا درد یا کسی اور وجہ سے ہونے والا درد۔

ثانوی سر درد وہ ہوتا ہے جس میں کسی دیگر مارنے یا طبی



